افغانستان
روسی دہشت گردی سے امریکی دہشت گردی تک
خان محمد عاطف
روس
امریکہ
معصومہ اینڈ کمپنی

افغانستان

روسی دہشت گردی سے امریکی دہشت گردی تک

(تاریخ کے اہم اوراق)

خان محمد عاطف

ناشر

معصومہ اینڈ کمپنی

۱۵۹۰ اردو گران، لال کنواں، دہلی-٦

افغانستان ــــ روسی دہشت گردی سے، امریکی دہشت گردی تک

پیش کش : پروفیسر خان محمد عاطف
اشاعت : جنوری 2012ء
غلاف : چودھری سلطان الدین
کمپوزنگ : عبدالتواب
مطبع : نیو انڈیا آفسیٹ پرنٹرز، نئی دہلی۔
ناشر : معصومہ اینڈ کمپنی
H-76، سیکٹر 11، پرتاپ وہار، غازی آباد، اتر پردیش، بھارت

Masooma & Co.
H-77, Sector 11, Pratap Vihar
Nr. Vijay Nagar, Ghaziabad, U.P., India

Price Rs. 280/-
Library Edition : Rs.375/-

Distribution and Marketed by:

M.R.PUBLICATIONS

2724/10, Metropole Market
Behind Moti Mahal Restaurent
Kucha Chelan, Daryaganj, New Delhi-110002
Cell: 09810784549, 09873156910
E-mail: abdus26@hotmail.com

Afghanistan — Roosi Dehshat Gardi Se Amriki Dehshat Gardi Tak

Presented by: Prof. Khan Muhammad Atif US$ 20.00

انتساب

اس افغان مردِ درویش کے نام

جس کو سکندر نے اس پیغام کے ساتھ اپنے دربار میں حاضری کا حکم دیا کہ تم کو ڈیوس دیوتا کے فرزند سکندر نے طلب کیا ہے۔ اگر تم نے حکم کی تعمیل کی تو وعدہ کیا جاتا ہے کہ تم کو قیمتی تحائف سے نوازا جائے گا اور اگر انکار کیا تو سخت ترین سزا دی جائے گی!

مردِ درویش نے یہ پیغام سن کر کہا— میں سکندر کے پاس نہیں جاؤں گا، وہ جھوٹا ہے، اس لیے کہ وہ کسی دیوتا کا بیٹا نہیں ہے۔ پوری دنیا کیا ہے اسے کچھ پتہ نہیں، لہٰذا آدھی دنیا فتح کر لینے کا دعویٰ بھی جھوٹا ہے۔ وہ مجھے تحفوں کا لالچ دیتا ہے۔ جس شخص کی اپنی خواہشیں پوری نہ ہوئی ہوں، وہ فقیر کی خواہش کیا پوری کرے گا۔ پھر مجھے وہ موت سے ڈراتا ہے، اگر میں مارا گیا تو موت کے بعد میں ایک بہتر زندگی میں داخل ہو جاؤں گا۔ میں زندہ ہوں تو میرا وطن مجھے کھلا رہا ہے، میں اس کے پاس کیوں جانے لگا۔

میرے عظیم بزرگوں کے عظیم الشان وطن افغانستان کو آج ایسے ہی درویش صفت انسان کی ضرورت ہے جو اعلیٰ اخلاقی قدروں کا امین ہوتے ہوئے اپنی نظیر آپ ہو!

—خان محمد عاطف

فہرست مضامین

❖ ❖ ❖

مقدمہ

سکندرِ اعظم سے اوباما تک وہی تیور

پیر روشن کا علاقہ وہ خطہ لالہ زار ہے جو صوبۂ سرحد کا ایک ضلع ہے۔ یہ شاہراہ ریشم کا کنارہ ہے۔ یہ خوبصورت شہر وادیٔ کاغان اور کشمیر کا سنگم ہے۔ جہاں سید الابرار محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر دل و جان نثار کرنے والے آج بھی زندہ ہیں۔ جہاں دل کی گہرائیوں سے اصفیاء و اہلِ باطن سے محبت کی جاتی ہے۔ ان میں وہ ہستیاں بھی ہیں جنہوں نے ہندو پاک میں روحانی قدروں کو فروغ دیا۔ مالاکنڈ کے سنگلاخ پہاڑی علاقیوں میں جان کا نذرانہ پیش کیا۔ سوات کے مردم خیز علاقوں میں اپنی اجتہادی قوت اور سرفروشی کو اعلائے کلمۃ الحق کے لیے صرف کیا۔ اور جہل کی تاریکیوں کو علم کی روشنی سے بدل دیا۔

کوہاٹ ڈسٹرکٹ گزیٹیر کے مصنف کے بیان کے مطابق پیر روشن خان کا تعلق ضلع کوہاٹ سے تھا۔ ان کو ایک روحانی پیشوا کی حیثیت سے جانا جاتا تھا۔ اکبر بادشاہ کے زمانہ میں صوبۂ سرحد میں پیر روشن کو عوامی مقبولیت حاصل تھی۔

اکبر کے دینِ الٰہی کے خلاف سب سے پہلے آواز بلند کرنے والے پیر روشن ہی تھے۔ اکبر بادشاہ نے ان پر کفر کے فتوے جاری کرائے اور پیر روشن کے بجائے پیر تاریک کے لقب سے پکارنے کا عمل شروع کرایا مگر اُس دور کے جاہ پرست سید علی خواص اور اس کے مرید اخوند درویزا پیر روشن کے خلاف آگے آئے، اس لیے کہ وہ اکبر کی لادینیت کے خلاف برسرِ پیکار تھے۔ مغلیہ سلطنت نے اس کے بدلہ ان دونوں کی ہر طرح مدد کی۔

وہ صوبہ سرحد کے اس زمانہ کے عوامی رہنما تھے انہوں نے مختلف قبیلوں کو اپنا ہمنوا بنا کر اپنی تحریک کو

مذہبی اور ملّی شکل دے کر مغلوں کی یلغار کا مقابلہ کیا۔

ہندوستان اور کابل میں قدم جمانے کے بعد اکبر تحریک روشنیہ کی طرف متوجہ ہوا۔ اس لیے کہ اکبر کو اس تحریک کی وجہ سے کابل اور ہندوستان کے درمیان رابطہ میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔

روشنائی تحریک سے وابستہ سرکش قبیلوں کے لیے اکبر نے زین خان اور شیخ فیضی کو مقرر کیا۔ ان دونوں نے ہاتھ پیر تو بہت مارے مگر کوئی نتیجہ نہ نکلا کیوں کہ پہاڑی درّوں میں پختونوں کی بڑی تعداد گھات میں بیٹھی رہتی تھی۔

پیر روشن نے اپنی کتاب 'صراط التوحید' کا ایک نسخہ اپنے خلیفہ دولت خان کے ساتھ اکبر کو روانہ کیا۔ اکبر نے اسے سننے کے بعد پیر روشن کی مخالفت ترک کر دی اور کچھ تحفے تحائف بھی روانہ کئے اور ان کے قاصد دولت خان کو بھی خلعت سے نوازا اور کہا کہ میں شیخ کی پیروی کرتا ہوں جو خدمت وہ کہیں میں بجالانے کو تیار ہوں۔

مگر جلد ہی اکبر کی عقیدت مندی شاہانہ غرور و تمکنت کا شکار ہو گئی۔ اس تحریک کو طاقت و قوت پکڑتے دیکھ کر مرزا حکیم نے فوجی طاقت سے دبانے کی کوشش کی تو اس نے سیاسی شکل و صورت اختیار کر لی اور پختونوں نے ہر اُس قوت سے مقابلہ کی ٹھانی جو اُن کی آزادی اور قومی غیرت پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کرے۔

اصل یہ ہے اکبر پہلا بادشاہ تھا جس نے آزاد قبائل کو زیر کرنے کی کوشش کی جو پشاور اور افغانستان کے درمیان آزادانہ زندگی گزار رہے تھے۔ اس علاقہ کے قبائل الگ الگ گروہوں میں بٹے ہوئے تھے اور ہر گروہ کا سردار اپنی چھوٹی سی پہاڑی کا حاکم اعلیٰ ہوتا تھا۔ تحریک روشنائی کا یہ بڑا کارنامہ تھا کہ اس نے ان قبائل کی متحدہ طاقت کو یکجا کر کے مغلوں کی یلغار کا مقابلہ کیا۔

اکبر بادشاہ نے بیربل کی قیادت میں ایک بڑی فوج روانہ کی اور ساتھ ہی زین خان اور حکیم ابوالفتح کو بھی اس کی کمک کے لیے بھیجا اس طرح دس ہزار تجربہ کا سوار اور پیدل روشنائی تحریک کو کچلنے کے لیے چل پڑے۔ جبکہ ''منتخب اللباب'' میں اس فوج کی تعداد چالیس سے پچاس ہزار بتائی گئی ہے۔

بیربل نے محاذ جنگ پر پوری طاقت لگا دی کچھ کارہائے نمایاں بھی انجام دیئے لیکن وہ مغرور خودرائے تھا، اپنے آگے کسی کو کچھ نہ سمجھتا تھا۔ اس کی خودسری کے نتیجہ میں اکبر کی فوج ایسے حادثہ سے دوچار ہوئی جیسا پھر کوئی واقعہ پورے دورِ اکبری میں پیش نہ آیا یعنی چالیس پچاس ہزار کی فوج میں ایک آدمی بھی زندہ نہ لوٹ سکا۔

روشنائی تحریک کے خلاف اکبر کی اس فوجی مہم کا تذکرہ ''اولف کیرؤ'' نے بھی اپنی کتاب میں کیا ہے جس میں آٹھ ہزار مغل فوج اور اکبر کے قریبی امراء کے قتل کا ذمہ دار بیربل کو ٹھہرایا ہے جو خود بھی بیوقوفی سے اپنی جان گنوا بیٹھا۔

'منتخب اللباب' اور اور' کیرؤ' کے بیان میں تعداد کے حساب سے زمین وآسمان کا فرق ہے جو پٹھانوں کی طرف سے اس کے تعصب کا مظہر ہے۔ چلیں ہم آٹھ ہزار پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

بہر حال وہ لکھتا ہے—

بے ترتیب لڑائی میں بیربل اور اکبر کی فوج کے آٹھ ہزار آدمی مارے گئے۔ ان میں بہادر بہتی حسن خان بھی شامل تھا۔ شاعر ابوالفتح مارے ڈر کے ایک جھاڑی میں چھپ گیا تھا جسے زین خان نے نکالا۔ فوج کا صرف ایک ہی دستہ تھا جس میں کچھ ترتیب باقی تھی۔ یہ لوگ بڑی احتیاط سے آگے بڑھے اور بڑی مشکل کے بعد زین خان اور وہ (یعنی ابوالفتح) مادری کی چوٹی کے قریب پہنچ کر رات گزارنے میں کامیاب ہوئے۔

اکبر کو اس شکست کا اس قدر دُکھ ہوا کہ جب زین خان اور ابوالفتح صورت حال سے آگاہ کرنے کے لیے آئے تو اکبر نے دو دِن تک اُدھر کوئی توجہ نہ دی۔

غرض اکبر تمام شاہی جاہ جلال کے باوجود اس تحریک کو دبانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔

سکندر اعظم سے اکبر اعظم تک، اکبر اعظم سے اورنگ زیب عالمگیر تک، عالمگیر سے سلطنت برطانیہ تک، برطانیہ سے سوویت یونین کی توسیع پسندی تک، روسی توسیع پسندی سے امریکی دہشت گردی تک ایک ہی آواز یہ ننگ و ناموس اور نیک نامی حاصل کرنے کا وقت ہے اگر پٹھان کچھ اور سوچیں گے تو مٹ جائیں گے بغیر حملہ اور سخت وار کے نجات کا دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔ موت اس زندگی سے بہتر ہے جو عزت وآبرو سے میسر نہ ہو۔ جب قومیں آپس میں اتحاد کر لیتی ہیں تو شاہوں کو ان کے آگے جھکنا پڑتا ہے۔ آزادی بادشاہی سے بڑھ کر ہے۔ دوسرے کا غلام ہونا ہی قید خانہ ہے۔ شیروں کی بہادری لشکر کے بل بوتے پر نہیں ہوتی، اپنے قوتِ عمل پر بھروسہ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ایک غیرت مند انسان کے دنیا میں دو ہی کام ہوتے ہیں یا تو کامیاب ہوتا ہے یا وطن پر سر قربان کر دیتا ہے۔ خیبر کے درّہ کو خون سے رنگ دیا ہے۔ یہاں ہر روز چمکتی تلواروں کی جھنکار سنائی دیتی ہے۔ سفید چمکدار تلواروں کو خون سے رنگ کر گلال بنایا ہے۔ گویا اساڑھ کے مہینہ میں لالہ زار کھلا ہوا ہے۔ پٹھان نوجوانوں نے اپنے ہاتھ سرخ کر لیے ہیں۔ جیسے باز شکار کے خون سے اپنی چونچ سرخ کر لیتا ہے۔ نام و ننگ کے لیے میں عزت سے دیوانہ ہو

جاتا ہوں ایسے میں مجھے لاکھوں کے نفع نقصان کی خبر کہاں؟ اگر سوچو تو میں ہر اُس افغان سے بہتر ہوں جو مغل کی نوکری کرتا ہو۔ جب میں مغل کا منصب دار تھا تو مِلک (سردار) تھا۔ اب منصب چھوڑ کر میں مَلک یعنی فرشتہ بن گیا ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اب میں اپنے حکم و اختیار کا مالک ہوں۔ آزادی سفید و سادہ لباس میں ہے۔ خلعت شاہی میں نہیں۔ پھونس کی جھونپڑیاں مجھے ایسی عزیز ہیں، گویا عالیشان محلوں میں بیٹھا ہوں۔ اگر آزادرہ کر جو ہی کے ساتھ ملے تو مغلوں کا پلاؤ بے لذت ہی ہے۔ اگرچہ عمر ساٹھ سال کی ہو چکی ہے۔ مگر گھوڑ سواری اور پٹھانوں کی عزت کے لیے تلوار کمر سے لگا رکھی ہے۔ میں زمانہ بھر کا غیرت مند خوشحال خاں ہوں۔

جب فارسی شاعری قصیدہ غزل اور مثنوی کے گرد گھوم رہی تھی اور گل و بلبل اور شمع و پروانہ میں گرفتار تھی تو خوشحال خان پٹھانوں کو اپنے آبدار اشعار کے ذریعہ حکمراں طاقت جس کا نام مغل تھا للکار رہا تھا۔ آج جن کے کانوں میں خوشحال خان کے اشعار گونج رہے ہیں وہ میدانِ جنگ میں سپر پاور امریکہ سے برسرِ پیکار ہیں۔ اس نے پٹھانوں کو باز یا شہباز کہا ہے جس کی نظر مور کے تاج پر ہوتی ہے جبکہ چیل اور کوّے چوزے یا مردار پر گرتے ہیں۔ اور اٹھتر (۷۸) سال کی عمر میں وصیت کی کہ میری قبر ایسی جگہ بنانا جہاں مغلوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے اُڑنے والی دھول بھی نہ پہنچ سکے۔ پتہ نہیں افغانستان کے موجودہ کرایہ کے حکمراں جو امریکی طاقت پر اِترا رہے ہیں اپنی قبر کے لیے کیا وصیت کریں گے۔

پیر روشن خان اور خوشحال خاں نے پٹھانوں کے دلوں میں عزت و ناموس کی حفاظت کا جو شعلہ بھڑکایا تھا وہ ایک سپر پاور کو جلا کر بھسم کر چکا ہے، دوسرے کا دامن بھی اسی شعلہ کی زد میں ہے۔

یہ بلبلوں کا صبا مشہد مقدس ہے
قدم سنبھال کر رکھیو یہ ترا باغ نہیں

اُردو کے شاعر غالبؔ سے پونے تین سو سال پہلے خوشحال خان نے کہا تھا—

تو رات دن جس پر چلتا ہے یہ خالص مٹی نہیں ہے یہ سب جوان لڑکے اور لڑکیاں ہیں جو میدان کی مٹی بن گئے ہیں تو جن ان کی آنکھوں پر قدم رکھ رہا ہے۔ یہ موسم بہار کے اچھے پھول ہیں۔ آج افغانستان کی دھرتی پر کتنے ہی پھول مٹی میں مل کر مجاہدین صف شکن کا حوصلہ بڑھا رہے ہیں جو ہر جگہ لالہ و گل میں نمایاں ہیں۔

مجاہدانِ صف آرا شکن بڑھے جو نذر جان لیے
تو موت باادب بڑھی حیات جاوداں لیے

ہندوستان کی مشترکہ تاریخ کا ایک ورق

انگریز نے پختون علاقہ پر کیسے قبضہ کیا؟

تجارتی نقطہ نظر سے پختونوں کا علاقہ انگریزوں کے لئے کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔اس کے لئے اس خطہ کی سیاسی، سماجی اور جغرافیائی اہمیت اور حیثیت کو جاننا ضروری ہے۔

اس خطہ کا کل رقبہ جسے انگریز کے زمانہ میں صوبہ سرحد کہا جاتا تھا ۲۹۲۴۸ مربع میل تھا۔۱۸۸۱ء کی مردم شماری کے مطابق اس علاقہ کی کل آبادی ایک کروڑ تیس لاکھ پچیس ہزار نفوس پر مشتمل تھی۔ یہ علاقہ ہمیشہ غیروں کے تسلط سے آزاد ہی رہا یا حملہ آوروں سے برسرپیکار رہا (اپنی آزادی اور خودمختاری کے لئے)۔

اگرچہ ان کی مالی حالت خستہ رہی، مگر یہاں کے لوگ ہمیشہ دل کے غنی رہے۔ مہمان نوازی ان کا قومی امتیاز و جوہر خاص رہا۔ ان کی فیاضی اور مہمان نواز ضرب المثل بن چکی ہے۔ پختون معاشرہ سماجی برابری اور مساویانہ طرز زندگی والا معاشرہ ہمیشہ سے رہا ہے۔ انگریز نے پختون قوم کو اجڈ، وحشی، جنونی، خونخوار اور ڈاکو کہہ کر ہمیشہ پکارا۔ اس لئے کہ اس وقت تک ''دہشت گرد'' کی گالی ایجاد نہیں ہوئی تھی۔

جان بوجھ کر ان میں جمہوریت، حریت، وطن سے محبت، آزادئ فکر اور خودداری کے جوہر کو نظرانداز کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس علاقہ سے انگریز کی دلچسپی کی وجہ افغانستان سے روس کی ملنے والی سرحد تھی جس کی نظر افغانستان سے گزر کر ہندوستانی علاقہ تک پہنچتی تھی۔ اس کے لئے افغانستان اور ایران کے درمیان تلخی پیدا کی گئی اور دو برادر ملکوں کو ایک دوسرے کے خلاف کھڑا کیا گیا۔ دوسری طرف سکھوں کو، جن کی حکومت پنجاب میں تھی، پختونوں کے خلاف اُکسایا گیا۔ انگریز نے سکھوں کو ہر طرح کی مدد کا یقین دلایا۔ اس طرح پختون سرداروں کے باہمی اختلاف سے فائدہ اٹھا کر سکھوں نے پشاور پر قبضہ کرلیا۔ لیکن بعد کو یہ علاقہ بھی انگریز سامراج نے سکھوں سے چھین لیا۔ اس طرح ۱۸۴۸ء میں جو علاقے سکھوں کے قبضہ میں تھے انگریزوں کے قبضہ میں چلے گئے۔ اس کے بعد پنجاب پر بھی انگریز قابض ہو گئے اور پورے علاقہ کا نام صوبۂ پنجاب رکھ دیا۔ لیکن شمال مغرب کے قبائل انگریزی اقتدار سے آزاد رہے اور چوطرفہ حملے کر کے ان کو ناکوں چنے چبواتے رہے۔ انگریزوں کو ان کے علاقوں پر قابض ہونے میں جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا وہ تاریخ کے صفحات پر روز روشن کی طرح موجود ہیں۔

انگریز کے سو سالہ دور اقتدار میں پختونوں نے اپنے علاقوں پر ان کے اقتدار کے خلاف تقریباً دو ہزار بار حملے کئے اور ان کو بھاری جانی و مالی نقصان پہنچایا۔

میر عبدالصمد خان ''لوئے پختون'' کے مصنف کے بیان کے مطابق انگریزوں نے دو عالمی جنگوں جتنا گولہ بارود نہیں استعمال کیا ہوگا اس سے کہیں زیادہ ۱۸۸۰ء سے ۱۹۴۷ء تک اس قوم کے خلاف استعمال کر کے بھی ان کے حوصلہ کو وہ پست نہ کر پائے۔

۱۸۴۹ء سے ۱۹۰۱ء تک ''پختونخواہ'' کے پانچ اضلاع صوبہ پنجاب میں شامل رہے۔

۱۹۰۱ء سے انگریز نے اس علاقہ کی سیاسی صورت حال کے پیش نظر ان پانچ اضلاع کو پنجاب سے کاٹ کر ''شمالی مغربی سرحدی صوبہ'' کے نام سے ایک نیا صوبہ بنادیا جو مرکزی سرکار کے کنٹرول میں براہِ راست رکھا گیا۔ اس کا حاکم مرکزی سرکار میں پولیٹکل ڈپارٹمنٹ میں کمشنر کہلاتا تھا۔ اس طرح انگریز یہ تاثر دینا چاہتا تھا کہ علیحدہ صوبہ سے اس علاقہ کے لوگوں کی اقتصادی حالت بہتر ہوگی، نظم و نسق میں سدھار پیدا ہوگا اور لوگوں کی امنگوں کی تکمیل بھی ہو جائے گی جو صوبہ پنجاب میں رہنے سے ممکن نہ تھی۔ لیکن عمل اس کے خلاف سامنے آیا۔

۱۹۰۸ء میں منٹو مارلے ریفارم ہوا جس میں ملک کے سارے صوبوں کو کچھ نہ کچھ مل گیا۔ لیکن اس صوبہ کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا بلکہ یہاں کے لوگوں کی آواز دبانے کے لئے نئے قوانین بنائے گئے جو ''فرنٹیر کرائمز ریگولیشن'' کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ یہ قوانین نہایت ظالمانہ اور جابرانہ تھے جن کو سننے سے وحشت طاری ہوتی ہے۔ ان قوانین کے تحت انگریز حکام کو یہ اختیار دے دیا گیا کہ یہاں کے باشندوں کو کچل کر رکھ دیا جائے۔ دنیا کے دستوری قوانین میں یہ کالے قانون کے نام سے یاد کئے گئے۔ دنیا کو باور کرایا گیا کہ یہاں جرائم زیادہ ہوتے ہیں اس لئے اس طرح کے قوانین لازمی ہیں اور اس طرح اس زمین کو ''زمین بے آئین'' بنادیا گیا۔ ان قوانین کا نفاذ یہاں کے لوگوں کی آزادی، حریت اور عزت نفس کو مٹا ڈالنا ہی اصل مقصد تھا۔ لیکن یہ قوانین بھی برٹش سامراج کے خلاف ان کی جدوجہد کو روک نہ سکے۔ اس ماحول میں حاجی ترنگ زئی نے چارسدہ میں انگریزوں کے خلاف جہاد کا بگل بجا دیا۔ حاجی ترنگ زئی اپنے علاقہ سے ہجرت کر کے آزاد قبائل کے حریت پسندوں جیسے بڈے ملا اور دیگر حریت پسندوں کے ساتھ مل کر انگریزوں کے خلاف برسرپیکار رہے اور پھر یہ اعلان عام ہو گیا:

صلیب و دار کے عنواں سے ابتدا کی ہے
یہ مت کہو کہ مری داستاں تمام ہوئی

یہ وہ لوگ ہیں جو گلوں کی خوشبو کی طرح اپنے افکار و روایات پر خود فدا ہو گئے۔ انہوں نے ہمیشہ دنیا کو حسین اور سب کے لئے قابل حصول بنانے کے خواب کو عملی شکل دینے کی کوشش کی۔ یہ وہ گمنام لوگ ہیں جن کے بغیر کوئی داستان پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی۔

ابتدا ہی سے جو غائب ہو گیا تحریر سے
منحصر ساری کہانی تھی اسی کردار پر

۱۲/اگست ۱۸۵۸ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے بجائے اس علاقہ کا اقتدار برطانوی حکومت نے سنبھال لیا۔ کابل کے بازاروں، غزنی کی فصیلوں، امبیلہ کی چٹانوں، ستلج کے کناروں، بنگال کی وادیوں، میسور کے جنگلوں، سندھ اور راجپوتانہ کے صحراؤں کے چپہ چپہ پر ایک پر جوش اور منظم قوم یعنی انگریز نے اپنا خون بہا کر سو سال کے لئے حکمرانی کا حق حاصل کر لیا۔ لیکن ظلم و جبر و بربریت کے نتیجہ میں ایک صدی کے اندر ہی ان کا تخت پلٹ دیا گیا۔ صوبہ سرحد کے معرکوں میں جان دینے والے پہلے فرنگی کی قبر وہاں ہے۔ یہ امبیلہ کے معرکہ ۱۸۶۳ء میں جارج مچل رچمنڈ (Richmond) نامی شخص تھا۔ فرنگی کے سو سالہ دور حکومت نے سیاسی، تہذیبی، تعلیمی، سائنسی اور مذہبی زندگی پر ایسے نقوش چھوڑے جو آج تک مٹ نہ سکے۔

یوں تو صوبہ سرحد پر انگریزی علمداری ۲۹ مارچ ۱۸۴۹ء میں سکھ عملداری کے خاتمہ کے ساتھ شروع ہوئی۔ زیادہ تر انگریز افسر سکھوں کے معاون کے طور پر اس علاقہ میں بہت سے تجربات حاصل کر چکے تھے۔ ہوڈس پشاور کے معاملات کا بہت گہرائی سے مطالعہ کر چکا تھا۔ میجر جیمس اور ایبٹ اور جان نکلسن ہزارہ کی سرحد پر اپنی کارستانیاں انجام دے رہے تھے۔

انگریز افسروں اور سکھوں کے درمیان ۱۶ دسمبر ۱۸۴۸ء کو ایک معاہدہ پر دستخط ہوئے جس میں کہا گیا تھا کہ برطانوی ہند کا گورنر جنرل لاہور میں اپنا ایک نمائندہ (ریزیڈنٹ) رکھے گا جو اپنی سہولت کے لئے مختلف علاقوں میں اپنے معاون مقرر کرے گا۔ یہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک سکھ حکمراں مہاراجہ دلیپ سنگھ بالغ نہیں ہو جاتا۔ بلوغیت کی تاریخ ۴ ستمبر ۱۸۵۴ء طے ہوئی۔ گورنر جنرل کو یہ بھی اختیار تھا کہ سکھ مقبوضات صوبہ پنجاب اور سرحد میں اپنی فوج تعینات کرے جس کے لئے سکھ دربار کو بائیس لاکھ روپیہ سالانہ دینا ہوگا (دلیپ سنگھ کی بلوغیت کی نوبت نہ آئی)۔

۱۸۴۷ء کے آخر میں میجر ہربریٹ ایڈورڈز کو سکھ دربار سے بنو اور ڈیرہ جات کا انتظامی افسر بنا کر بھیجا گیا۔ اس نے ہوشیاری سے وہاں کے قبائل کو اپنا دوست بنا لیا۔ پھر انگریزی اقتدار کے قیام کے

لئے بنو کے لوگوں کو نرمی سے رام کرنے کے بعد بنو کا قلعہ دلیپ گڑھ تعمیر کرایا۔ یہ ایسی کلیدی جگہ پر تھا جہاں دریائے کرم سے نکلنے والی نہروں کی بخوبی حفاظت کی جا سکتی تھی۔ بعد کو بندوبست کے بہانہ اس نے دیہاتی قلعوں کو مسمار کروا دیا۔ اس طرح مقامی آبادی کو بے بس کر دیا۔

وہ ادیب، مدبر اور کامیاب افسر ہونے کے ساتھ ہی عیسائیت کا زبردست مبلغ بھی تھا۔ اس نے پشاور میں ایک گرجا بنوایا۔ اس کے علاوہ ایڈورڈز مشن ہائی اسکول اور ایڈورڈز مشن کالج قائم کیا۔ وہ پشاور کے مال روڈ کے بنگلہ میں رہتا تھا۔

انگریزی حکومت کو ان مشکلات کا پورا اندازہ تھا جو سرحد کے جنگجو قبائل سے درپیش تھیں۔ یہاں برطانوی پالیسی بہت محتاط تھی جس کا نام اس نے (Masterly Inactivity) رکھا تھا۔ ان تمام تر احتیاط کے باوجود سات برسوں میں انگریزوں کو مختلف سرحدی علاقوں میں ۳۷ فوجی مہمات کا سامنا کرنا پڑا جس میں اس کے نامور فوجی افسر حصہ لیتے رہے جیسے چیمبرلین، جان جیکب، جان کوک اور رابرٹ سنڈیمین وغیرہ۔

۱۸۴۹ء تک کوہاٹ میں صرف ایک انگریز افسر مقیم تھا وہ فوجی کمانڈر بھی تھا، ڈپٹی کمشنر بھی۔ انگریز کی حکمت عملی شروع میں یہ تھی کہ نئے شہر ایسی منصوبہ بندی کے تحت بسائے جائیں کہ وہ قلعہ کی دور مار توپوں کی زد میں رہیں اور وہاں رہنے والوں کو سر اٹھانے کا موقع نہ مل سکے۔ کوہاٹ کے موجودہ شہر کے بارہ میں لکھا ہے کہ یہ شہر جسے دولت خاں ولد بائی خاں ولد اسمٰعیل خاں نے بسایا تھا اس کی حفاظت کے لئے قلعہ کو مضبوط کیا گیا۔ بنو کا بھی یہی حال تھا۔ پہلے انگریز نے وہاں دلیپ گڑھ کا قلعہ بنایا پھر شہر آباد کیا۔ انگریز نے اپنے بنگلے کھلی فضا میں عوام سے دور بنائے۔ اس نے ہر جگہ کلب بنائے جہاں وہ شام کو جمع ہوتے، تاش کھیلتے، بازی لگاتے، کھاتے پیتے، پھر رات کو سو رہتے اور صبح ہوتے ہی سرگرم عمل ہو جاتے۔

مسٹر لمسڈن ڈپٹی کمشنر پشاور چھاؤنی میں ایک برج میں رہتا تھا۔ برج کے چاروں طرف سپاہیوں کے خیمے تھے۔ برج اونچا تھا۔ وہ رات کو سیڑھی لگا کر برج میں جاتا پھر سیڑھی ہٹالی جاتی تاکہ باہر کا کوئی آدمی اس میں داخل نہ ہو سکے۔ وہ برج میں ہی لوگوں سے ملتا اور قبائل کے بارہ میں معلومات حاصل کرتا۔ اس سے ملاقات کو آنے والوں میں رحمت خان اور کزئی بھی تھا جو اپنے قبیلہ کا ملک تھا۔ انگریزوں نے درۂ آدم خیل میں امن بحال رکھنے کی ذمہ داری اسے دے رکھی تھی۔ یہاں دخا خیل آفریدی چھاؤنی کے گرد چکر لگاتے رہتے تھے اور جیسے ہی ان کو موقع ملتا وہ فوجی گھوڑے اور بندوقیں لے

کرفرار ہو جایا کرتے تھے۔

۱۸۵۰ء میں جی ٹی روڈ کی مرمت کا کام جاری تھا۔ بڑے افسر گھوڑا گاڑی میں آتے جاتے تھے۔فوج بھی ادھرادھر پڑاؤ کرتی رہتی تھی۔مگر پھر بھی گردونواح کے پٹھان ان کی رائفلیں لے کرفرار ہو جاتے تھے۔کولن کیمبل اس سال شمالی علاقہ کا کمانڈر ہوکر دورہ پر نکلا۔پشاور میں دخاخیل آفریدیوں سے جان چھڑانے کے لئے صلاح ومشورہ کیا۔لیکن لمسڈن جولمبی مدت سے وہاں تھااس نے کہا کہ حملہ کی صورت میں آفریدی پہاڑوں میں چلے جاتے ہیں جہاں حملہ آوروں کو بلاوجہ شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۱۸۵۰ء میں انگریز کمانڈرانچیف جنرل سر چارلس نیپیر (Napier) خود پشاور آیا اور درۂ آدم خیل کے قبائل کے خلاف مہم روانہ کی۔میجر لارنس پولیٹکل آفیسر کے طور پر اس کے ساتھ تھا۔پشاور سے کوہاٹ جانے والی سڑک درۂ آدم خیل سے ہوکر گزرتی ہے۔اس درہ میں آفریدیوں کے مختلف قبیلے آباد ہیں۔سکھ بھی اس سڑک کی حفاظت کے لئے معاوضہ کے طور پر آفریدیوں کو ہر سال ایک رقم ادا کرتے تھے۔انگریزوں نے بھی یہ عمل جاری رکھا تھا۔۲ فروری ۱۸۵۰ء کو سڑک کی مرمت ہو رہی تھی۔اچانک آفریدیوں نے کام رکوادیا اور دھمکایا بھی۔صوبہ سرحد میں انگریزی اقتدار کو قائم ہوئے زیادہ مدت نہ گزری تھی۔اس لئے انگریز سختی سے ایسی واردات کو دبانا چاہتے تھے، چنانچہ بریگیڈیر سر کولن کیمبل کی کمان میں ایک فوج تیار کی گئی۔۹ فروری ۱۸۵۰ء کو یہ فوج پشاور سے روانہ ہوئی۔کمانڈرانچیف چارلس نیپیر بھی اس کے ہمراہ تھا۔۱۰ فروری ۱۸۵۰ء کو مختصر لڑائی کے بعد انگریزوں نے آخور گاؤں پر قبضہ کرلیا جو درۂ کوہاٹ کے شمالی نقطۂ آغاز پر آباد ہے۔کچھ فوج نے پہاڑ چھوڑ کر کوہاٹ کی طرف پیش قدمی کی۔سڑک کے کنارے بہت سے دیہاتوں کو تباہ کردیا۔۱۱ فروری کو برطانوی سپاہی کوتل کے پاس پہنچے۔آفریدیوں نے کوتل پر ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ہر چٹان کے نیچے سے انگریزی فوج پر گولیاں برسنے لگیں۔سخت نقصان اٹھانے کے باوجود انگریزوں نے پیش قدمی جاری رکھی۔انگریزوں کے لئے سب سے بڑا مسئلہ اس وقت پیدا ہوا جب بارڈر پولس اور پنجاب فرنٹیر فورس نے اپنے مسلمان بھائیوں پر گولی چلانے سے انکار کردیا اور کچھ سپاہی جو لڑائی میں حصہ لے رہے تھے تو بڑی بے دلی کے ساتھ۔

آخر ملک دین خیل آفریدیوں پر مشتمل بارڈر پولس نے انگریز افسروں کو ہاتھی پر بٹھا کر پشاور تک پہنچایا۔اس کے بعد قبائل نے کوتل پولس پوسٹ پر ہلہ بول دیا۔محصور سپاہیوں پر برا وقت آپڑا۔بروقت کمک آجانے سے زیادہ نقصان نہ ہوا۔کوہاٹ میں بھی فوج ان کی مدد کو آگئی۔اس کے بعد بھی کوتل کا برج قبائل نے منہدم کردیا۔آخر کار انگریز کو سیاسی سمجھوتہ کا سہارا لینا پڑا۔صلح کی شرائط طے پا

گئیں جن کی رو سے آدم خیل کو دی جانے والی رقم بڑھادی گئی۔ کوہاٹ اور پشاور کے درمیان انگریزوں کو فورٹ میکسن کے نام سے ایک قلعہ بنانے کی اجازت مل گئی۔

بہادر خیل سے معرکہ کوہاٹ سے بنو جانے والی سڑک نری پانوس سے ہو کر گزرتی تھی کرک ہوتی ہوئی۔ لیکن بہادر خیل کی نمک کی کانوں پر قبضہ کرنے کے بعد انگریزوں نے نئی سڑک بنالی جو بہادر خیل اور سورڈاک ہو کر گزرتی تھی۔ نئی سڑک کے اخراجات پورے کرنے کے لئے انگریزوں نے نمک کا محصول بڑھادیا۔ اس طرح انگریز کے خلاف نفرت میں مزید اضافہ ہو گیا۔

فروری ۱۸۵۰ء میں زدا کئی آفریدیوں پر فوج کشی کی گئی تو علاقہ خٹک میں انگریزوں کے خلاف غم وغصہ کی لہر دوڑ گئی۔ لوگ برٹش جبر کی اعلانیہ مخالفت کرنے لگے۔ اس پر انگریزوں نے لیفٹیننٹ پولاک کی ماتحتی میں فوج اور توپ خانہ خٹکوں کے خلاف روانہ کیا۔ خٹک بھی تیار تھے۔ انہوں نے پولاک اور اس کے سپاہیوں کے دانت کھٹے کر دیئے اور وہ لتمبر کی طرف بھاگ لیا۔ فائرنگ اپریل ۱۸۵۰ء تک جاری رہی۔ آخر کار انگریز نے نمک محصول میں بھاری کمی کر کے اپنی جان بچائی۔

اکتوبر ۱۸۵۰ء میں بہادر خیلیوں کی غیرت ایمانی پھر بیدار ہوئی تو انہوں نے طوطلکئی کے گرد و نواح میں انگریز کے فوجی دستوں کو شکست دے کر بہادر خیل کی نمک کی کانوں پر قبضہ کر لیا۔ اس کے جواب میں کپتان کوک اور لیفٹیننٹ پولاک نے بہت بڑی طاقت سے ان پر حملہ کر دیا تو خٹک چند قدم پیچھے ہٹ کر وقت کا انتظار کرنے لگے۔ ادھر انگریز نے بہادر خیل میں ایک قلعہ کی تعمیر بھی شروع کر دی تا کہ نمک کی کانوں کی موثر ڈھنگ سے دیکھ بھال کی جاسکے۔ ۱۸۵۲ء میں ایک بار پھر خٹک میدان میں آ گئے۔ وجہ یہ تھی کہ انہوں نے ۵۰-۱۸۴۹ء میں موضوع نری لتمبر میں اپنی فوجی چوکیاں قائم کر لی تھیں اور رانی زئی پر بھی حملہ کر رکھا تھا۔ اس لڑائی میں بہادر خیل، کرک اور لواغر کے خٹک قبیلوں نے بھی حصہ لیا اور جانبازی کے ایسے جوہر دکھائے اور ایسی داد شجاعت دی کہ انگریزوں کو پیچھے ڈھکیل کر ایک بار پھر بہادر خیل کی نمک کی کانوں پر قبضہ کر لیا۔

کوہاٹ کے انگریز ڈپٹی کمشنر نے یہ سنا تو فرسٹ پنجاب کی پوری رجمنٹ، پیادہ فوج اور رسالہ کے چار اسکوارڈن لے کر ۲۴ جون ۱۸۵۲ء کو بہادر خیل پہنچ گیا۔ بہادر خیلوں نے ڈٹ کر مقابلہ کیا مگر جنگ لمبی ہو جانے کی وجہ سے مجاہدین کے پاس گولہ بارود ختم ہو گیا تو بہادر خیل پھر انگریزوں کے قبضہ میں چلا گیا۔ انگریزوں نے انتقام کی آگ میں اندھے ہو کر پورے گاؤں کو زمین کے برابر کر دیا۔ بوڑھے، بچے اور جوان جو بھی ملے انہیں قتل کر دیا۔ اس طرح بہادر خیل تو خاموش ہو گئے لیکن لواغر کے

جواں مردان کوہستان میں ۱۸۵۲ء تک انگریزوں کے خلاف جنگ کرتے رہے۔

انگریزوں کی آمد سے پہلے کوہاٹ کا علاقہ سلطان محمد خان بارک زئی کے پاس تھا۔ ۱۸۴۷ء میں امیر دوست محمد خان کے بیٹے سلیم خان بارکزئی کو انگریزوں نے بنو سے نکال دیا تو وہ کرم پاڑہ چنار پہنچ گیا۔ اگست ۱۸۵۱ء میں انگریزوں نے ایک اعلان کے ذریعہ اس علاقہ کو اپنی عملداری میں لے لیا۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے ایک مہم روانہ کی گئی جس کی ٹکر بلند خیل کے نزدیک وزیریوں سے ہوگئی۔ باقی آبادی خاموش رہی۔ میران زئی قبائل کو نہ تو کابلی امیروں کی بالا دستی منظور تھی اور نہ انگریز کی غلامی۔ وہ دونوں سے الگ تھلگ رہ کر اپنی آزادی وخودمختاری برقرار رکھنا چاہتے تھے۔

۱۸۵۲ء میں سرجان لارنس پشاور اور مردان کے دورہ پر آیا۔ پشاور اور مردان کے سروے کی ذمہ داری میجر جیمس کو سونپی گئی تھی۔ جب میجر جیمس گوجر گڑھی (مردان) پہنچا تو سوات کے ایک سواتی لڑکوں کے ایک دستہ نے سردار مکرم خان کی قیادت میں انگریزی کیمپ پر شب خون مارا۔ گائیڈز کا رسالہ جو حفاظتی فرائض انجام دے رہا تھا اپنے افسر فتح خاں خٹک کی کمان میں سامنے آیا جس میں انگریز کے کچھ آدمی مارے گئے۔

درۂ آدم خیل کے آفریدی قبائل انگریز کی چوکیوں اور چھاؤنیوں پر حملے کرتے رہتے تھے۔ آخر ۱۸۵۳ء میں انگریزوں نے ان پر نئے حملے شروع کئے۔ اس وادی تک پہنچنے کے دو راستے تھے۔ ایک راستہ سرغاشہ کا درہ دوسرا گنداؤ کا راستہ۔ پوری وادی مجاہدین کی سرگرمیوں کا مرکز تھی۔

انگریز نے اپنی توپیں ہاتھیوں پر لاد کر وادی میں پہنچائیں۔ کرنل بائیلو کی کمان میں بہترین لڑاکا دستے آفریدیوں کے خلاف بھیجے گئے۔ ادھر آفریدیوں نے بھی پوری طاقت سے مقابلہ کیا۔ انگریز میدانِ جنگ میں تو آفریدیوں سے مقابلہ کرتے ڈرتے تھے مگر شہری آبادیوں کو بڑی بے دردی سے اجاڑتے تھے جو گاؤں کے راستہ میں ملتا اسے توپوں سے اجاڑ دیتے تھے۔ آخر آفریدیوں نے اپنا جرگہ بھیج کر صلح کر لی۔ ۲۴ فروری ۱۸۵۴ء کو صلحنامہ پر دستخط ہوگئے۔

اُورک زئی قبیلہ کوہاٹ کی سرحد ہنگو تحصیل میران زئی کی وادی میں پھیلا ہوا ہے۔ یہ بہت بڑا قبیلہ نہیں ہے۔ ۱۸۵۵ء تک اس قبیلہ کی کوئی حیثیت نہ تھی مگر جب انگریزوں نے اپنی توسیع پسندی کے تحت اورک زئی کی طرف قدم بڑھائے تو انہوں نے غیر ملکیوں کو منہ توڑ جواب دیا۔ ۲۵ اگست ۱۸۵۵ء کو انگریزی فوجیں بریگیڈیر جنرل سرینول چیمبرلین کی قیادت میں ہنگو میں جمع ہونا شروع ہوگئیں۔ انگریز نے تاسین، سنگھر، اورکاتاش کے اورک زئی مراکز کو تباہ کرنے کا منصوبہ بنایا۔ یہ جگہیں پہاڑی چوٹیوں

پر واقع ہیں۔ انگریزی فوج کے دستے عام طور پر رات کو نکلتے اور دیہاتوں کا محاصرہ کر لیتے۔ جب لوگ صبح سو کر اٹھتے تو اپنے کو گھرا ہوا پاتے۔ اورک زئی غریب لوگ تھے۔ ان کے پاس دور تک مار کرنے والی بندوقیں بھی نہیں تھیں نہ بچاؤ کا دوسرا کوئی ذریعہ۔ گورا سپاہی ان کی فصلوں کو آگ لگا دیتے۔ مال و مویشی پر قبضہ کر لیتے۔ ساتھ ہی ان کا غلہ بھی اٹھا لے جاتے۔ جب اورک زئی انگریزی فوج کا اعلانیہ مقابلہ نہ کر سکے تو جب انگریزی فوجیں ہنگو کی طرف واپس ہو رہی تھیں، راستہ میں ایک کلیدی جگہ پر اورک زئی انگریزوں پر حملہ آور ہوئے۔ سیکنڈ پنجاب انفنٹری کا دستہ اورک زئی مجاہدین کی زد میں تھا۔ انہوں نیا س پر تابڑ توڑ حملے کر کے اس دستہ کے زیادہ تر افسر اور سپاہی ہلاک کر دیئے۔ بچے کھچے اپنی موت کا انتظار کر رہے تھے کہ انگریزوں نے نئی کمک بھیج کر ان کی جان بچالی۔ اس طرح اورک زئی کے نرغے سے انہیں نکالنے میں کامیاب ہو گئے۔ اس کے بعد صلح کی شرائط طے ہوئیں۔ اس طرح ۱۷ اکتوبر ۱۸۵۵ء کو جنرل چیمبرلین کوہاٹ پہنچنے میں کامیاب ہو سکا۔

طوری قبیلہ جو اثنا عشری عقائد رکھتا ہے اس علاقہ میں ہے۔ ۱۸۴۹ء کے بعد وادیٔ کرم اور میران زئی پر افغان فوجیں قابض تھیں۔ وہاں کے عوام بھی مطمئن تھے کہ فرنگیوں کے مظالم سے محفوظ ہیں۔ مگر مختلف قبائل کی باہمی جنگ سے یہاں کا نقشہ بدل گیا۔ اوّل طوریوں نے سنی قبائل کے بیچ گھٹن محسوس کرتے ہوئے انگریزوں کو دعوت دی۔ یہ صورت حال دیکھ کر وزیری ناراض ہو گئے اور انہوں نے میران زئی پر حملے شروع کر دیئے۔ ان حملوں کو بہانہ بنا کر انگریزوں نے ایک فوجی مہم ۱۴ اکتوبر ۱۸۵۱ء کو کیپٹن جان کوک کی کمان میں میران زئی روانہ کی۔ ٹل تک تو کوک بے روک ٹوک بڑھتا چلا گیا۔ لیکن ٹل پر قبائلی مجاہدوں نے اس پر حملے شروع کر دیئے۔ اس کے جواب میں انگریزوں نے اعلان کرایا اور دیہاتوں میں ڈگی پٹوائی کہ جو شخص انگریزی فوج پر حملہ کرے گا اس کا گھر جلا دیا جائے گا۔ کئی گاؤں جلائے بھی گئے۔ آخر قبائلیوں کے حملے رک گئے۔ اس طرح انگریزوں کی فوج ۱۲ نومبر کو کوہاٹ تک پہنچ سکی۔

تین سال یونہی گزر گئے۔ لیکن ۱۸۵۵ء میں حالات بد سے بدتر ہوتے چلے گئے۔ میران زئی کے لوگوں نے انگریز چوکیوں پر بڑھ چڑھ کر حملے شروع کر دیئے۔ ۱۸۵۵ء میں جنرل چیمبرلین کی سربراہی میں انگریز فوجیں دوبارہ روانہ ہوئیں اور کوہاٹ میں جمع ہونے لگیں۔ ۴ اپریل کو فوج کوہاٹ سے آگے بڑھی۔ ۲۸ اپریل کو درسمندر میں خیمے لگائے۔ کچھ لوگوں نے خوفزدہ ہو کر انگریزوں کی اطاعت قبول کر لی۔ مگر قبائلی مورچوں پر جمے رہے اور انہوں نے انگریزی فوج کو ناکوں چنے چبوا

دیئے۔ انگریزی فوج کوٹل سے آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہوا اور وہ کوہاٹ واپس ہوگئی۔

انگریز کے لئے ایک مشکل یہ بھی تھی کہ پنجاب رجمنٹ کی فوج کے سپاہی زیادہ تر میران زئی کے تھے جو اپنی قوم اور قبیلہ کے خلاف نہیں لڑ سکتے تھے۔ بعد کو انگریز نے یہ پالیسی بنائی کہ کسی ایک علاقہ یا قبیلہ سے فوج بھرتی کرنے کے بجائے ہر رجمنٹ میں مختلف علاقوں اور ذاتوں کے لوگ بھرتی کرنا شروع کئے۔

اس فوج کے جاتے ہی میران زئی کے لوگوں نے فرنگی استعمار کے خلاف پھر اپنے کو منظم کرنا شروع کر دیا۔ لہٰذا چیمبرلین کو پھر فوجی کمک روانہ کرنا پڑی۔ اب کی پہلے سے زیادہ لاؤ لشکر کا انتظام کیا گیا۔ پانچ ہزار سپاہی، گھوڑ سوار دستے، اور چودہ توپوں پر مشتمل لشکر ۱۲ اکتوبر ۱۸۵۶ء کو کوہاٹ سے روانہ ہوا۔ اس مرتبہ انگریز نے طوراوڑئی کو اپنی فوجی مہم کا مرکز قرار دیا۔ فوج پہلے نریاب میں اتری۔ دوسرے دن منہ اندھیرے ہی کوچ کا بگل بجا دیا گیا۔ کاہی سے طوراوڑئی کا نو میل کا فاصلہ ہے۔ طوراوڑئی میں فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا۔

یہاں فوج کی کمان ڈپٹی کمشنر کوہاٹ کیپٹن ہنڈرسن اور کمشنر پشاور لیفٹیننٹ کرنل ہربرٹ ایڈورڈز عالم طیش میں خود فرما رہے تھے۔ انگریزوں نے آدھے گھنٹہ کی مہلت دی کہ ہتھیار ڈال دیں ورنہ گولہ باری شروع کر دی جائے گی۔ مگر وہاں وہی منظر جھپٹنا، پلٹنا، پلٹ کر جھپٹنا مجاہدین ڈٹے رہے۔ شروع میں توپوں کے خالی فائر کئے گئے۔ مگر بچہ بچہ سینہ سپر رہا۔ اب باقاعدہ گولہ باری شروع ہوئی تو مکانات روئی کی طرح بکھر گئے۔ ہر طرف گرد وغبار کے بادل تھے۔ مجاہدین کی بوٹیاں اڑ اڑ کر ہوا میں بکھر گئیں۔ اس کے بعد بھی کوئی مرد میدان پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا۔

آخر بڑی بوڑھیاں اور عورتیں سفید چادریں جھنڈوں کی طرح بانسوں میں باندھ کر لہراتی ہوئی اور ہاتھوں میں قرآن شریف اٹھائے باہر نکل آئیں اور گولہ باری بند کرنے کی اپیل کی۔ مگر انگریز نے طاقت کے نشے میں کہا کہ گولہ باری اس وقت تک بند نہ ہوگی یہاں تک کہ سب مرد ہتھیار ڈال دیں۔ مردوں نے ایک پہاڑی پر کھڑے ہو کر اپنے خنجر، تلواریں اور طمنچے اپنے دل میں یہ کہتے ہوئے ڈال دیئے جنونِ عشق کے انداز چھٹ جائیں گے کیا؟

زائی مشت قبیلہ کے لوگ غریب تھے۔ ان کے تھوڑے ہتھیار دیکھ کر انگریزوں کو یقین نہ آیا کہ سارے ہتھیار پھینکے جا چکے ہیں۔ انہوں نے فوج کو ہر گھر کی تلاشی کا حکم دیا مگر گھروں سے اس کے علاوہ کچھ اور نہ ملا۔ اس کے بعد بھی انگریزوں نے گھروں کو آگ لگا دی۔ کھیت کھلیان سب نذر آتش کر

دیئے۔ مشت زئی قبیلہ کے ہتھیاروں کی تفصیل اس طرح بیان کی گئی ہے۔

نوے توڑے دار بندوقیں۔ ایک سونواسی تلواریں۔ گیارہ خنجر اور انتیس ڈھالیں۔

انگریز ہتھیاروں کے علاوہ سو غازیوں کو بھی گرفتار کر کے لے گئے۔ ٹل کے گرد و نواح میں وزیریوں پر بھی چند حملے کئے۔ وزیریوں کے پاس مقابلہ کے لئے ہتھیار نہ تھے لہٰذا وہ خون کا گھونٹ پی کر خاموش رہے۔

دسمبر ۱۸۵۶ء میں جنرل چیمبرلین کوہاٹ پہنچا ہی تھا کہ ڈیرہ غازی خان کے مجاہد قبائل نے فرنگیوں کے خلاف اپنی آزادی کی جدوجہد تیز کر دی۔ چیمبرلین کو ادھر کا رخ کرنا پڑا۔ اس مہم کے دوران طوری قبیلہ جو شیعہ تھا، انگریزوں کا طرفدار ہو گیا جس کی وجہ سے کرم پاڑا چنار پر انگریزوں کو قبضہ کا موقع مل گیا۔ یہ پورا سال انگریزوں کو صوبہ سرحد میں میران زئی، وزیریوں اور دیگر قبائل سے مورچہ لینے اور مسائل سلجھانے میں لگ گیا۔ اگرچہ وقتی طور پر انہوں نے امیر افغانستان کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا تھا مگر عوام میں فرنگی سامراج سے نفرت میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔

کوہاٹ سے ہنگو اور ٹل جانے والی سڑک پر اورکزئی قبیلہ کے پٹھان کبھی کبھی چھاپے مار کر انگریزوں کو پریشان کرتے رہتے تھے۔ ۳۰ را پریل ۱۸۵۵ء کو اورکزئی کی شاخوں شیخان مشتی اور ربیعہ خیل کے جوانوں نے درسمند میں قیام پذیر بریگیڈیر چیمبرلین کے کیمپ پر حملہ کر دیا۔ اس کے جواب میں کوہاٹ کے ڈپٹی کمشنر میجر کوک نے اورکزئیوں کے خلاف کارروائی کے لئے حکومت سے کہا۔ اس واقعہ کو بہانہ بنا کر ڈھائی ہزار کے انگریز لشکر نے تین طرف سے ربیعہ خیل پر چڑھائی کر دی لیکن انگریز کی اس کارروائی کا بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا اور انگریز اورکزئی قبائل کو چھاپہ ماری سے روکنے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ آخر ۱۸۵۹ء میں فرنگیوں نے عثمان خیل کی ناکہ بندی کر دی جس کی وجہ سے انہیں باہر سے رسد ملنا بند ہو گئی۔ اس کے بعد عثمان خیل کو عارضی طور پر صلح کرنا پڑی۔

۱۸۶۸ء میں اورکزئی کی ایک شاخ بزوٹی نے علی زئی پر حملہ کر کے ایک انگریز کو ہلاک اور دو کو زخمی کر دیا۔ اس بنا پر انگریزوں نے بزوٹی، عثمان خیل اور سپاہ خیل قبائل پر اجتماعی جرمانہ کر دیا اور ان سے کہا کہ حملہ آوروں کے گھروں میں آگ لگا کر انہیں اپنے علاقہ سے نکال دیں۔ لیکن انہوں نے انگریزوں کے اس مطالبہ کو ماننے سے انکار کر دیا۔ انگریزوں نے بزوٹی کو ادا کئے جانے والے واجبات بند کر دیئے۔ اس کے بعد بھی وہ بدستور چھاپہ مار کر جنگ کرتے رہے۔

۱۱ر مارچ ۱۸۶۸ء کو انہوں نے انگریزی لشکر کے گیارہ لوگوں کو ہلاک کر دیا اور چوالیس کو بری

طرح زخمی کر دیا۔اس کے بعد میجر جونس کی کمان میں اورکزئی پر چڑھائی کی گئی۔اورک زئی اُبلان درہ میں تھے۔انگریزوں نے ان تک پہنچنے کے لئے کوتل پر قبضہ کرلیا جہاں سے اورک زئی پر آسانی سے وار کیا جا سکتا تھا۔لیکن پٹھان اس سے بھی بلند چوٹی پر قابض ہو گئے اور "سنگر" (یعنی مورچے) قائم کر لئے۔یہ سنگر ایسی جگہ تھے کہ جو بھی انگریز آگے بڑھتا وہ پٹھانوں کی گولیوں کا نشانہ بنتا۔کمانڈر بار بار اپنے دستوں کو کمک روانہ کرتا لیکن ہر بار قبائلی انہیں پیچھے ڈھکیل دیتے۔شام تک انگریز ایک قدم بھی آگے نہ بڑھ سکے ساتھ ہی سخت نقصان بھی اٹھانا پڑا۔

شام کو جب انگریز سپاہیوں کی لاشوں اور زخمیوں کو تانگوں اور ڈولیوں میں انگریز فوجی لے کر کوہاٹ پہنچے تو ان کے سر ندامت اور شرمندگی سے جھکے ہوئے تھے اور دیگر چھاؤنیوں میں اس خبر نے ماتم برپا کر دیا تھا۔اب یہ طے ہوا کہ قبائلیوں کا اقتصاصی بائیکاٹ کیا جائے اور ان کی رسد بند کر دی جائے۔ مگر یہ حربہ بھی کامیاب نہ ہو سکا اور آفریدی و اورک زئی اپنی اپنی جگہوں پر مضبوطی سے ڈٹے رہے۔مہینے گزر گئے مگر انہوں نے ہتھیار نہ ڈالے۔ساتھ ہی کئی انگریز چوکیوں پر بھی ان کا قبضہ ہو گیا۔۱۳ فروری کو انگریزوں نے پشاور، کوہاٹ شاہراہ پر ایک چوکی پر قبضہ کے لئے کوتل سے اورکزئی پر حملہ کیا مگر وہاں بھی ناکامی سے دوچار ہونا پڑا۔

لہٰذا ۲۵ فروری ۱۸۶۸ء میں کرنل کے آئیز (K. Eyes) کی سرکردگی میں بڑی فوجی مہم روانہ کی گئی۔اورکزئیوں کو لشکر کی روانگی کا پہلے سے پتہ چل گیا۔انہوں نے اپنے بال بچے مال و مویشی اور دیگر ساز و سامان دور دراز کے پہاڑی علاقوں میں پہنچا دیئے اور خود ادھر ادھر مورچوں پر خاموشی سے بیٹھ گئے۔انگریز سپاہی گاؤں میں جاتے تو وہاں کوئی نظر نہ آتا۔ بہ حالت مجبوری کرنل نے پشاور سے کمک مانگی اور پھر شمال و جنوب دونوں طرف سے اورکزئی پر دباؤ بڑھایا۔آخر اس ناکہ بندی سے تنگ آ کر صلح کی بات چیت شروع ہوئی اور ۴ اپریل ۱۸۶۸ء کو صلح کی شرائط طے ہو گئیں۔

۱۸۴۹ء میں فرنگی صوبۂ سرحد میں داخل ہوئے۔ان کی آمد کے ساتھ ہی ان کے توسیع پسندانہ عزائم سامنے آنے لگے اور وقت کے ساتھ سامراجی عزائم شدت اختیار کرتے چلے گئے اور اپنے اقتدار کو مضبوط کرنے کی ان کی کوششوں میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔اس کے لئے سڑکیں، فوجی چوکیاں، قلعے اور چھاؤنیاں تعمیر کرنے میں دلچسپی دکھائی دینے لگی۔پشاور اور کوہاٹ کو ملانے والی سڑک پر ۱۸۵۰ء سے ہی کام شروع ہو چکا تھا۔سرحدی قبائل انگریز کی ان چالوں اور فریب کاریوں کو خوب سمجھ رہے تھے۔چنانچہ آدم خیل آفریدیوں کی وجہ سے درۂ آدم خیل میں سڑک کی تعمیر ۱۸۶۵ء تک رکی رہی جس پر ۱۸۶۸ء میں

انگریز نے متعلقہ قبائل کو مراعات اور الاؤنس دینا منظور کر لیا۔ اس کے بعد ہی اس سڑک پر آمد و رفت بحال ہو سکی۔

۱۸۷۵ء میں سڑک بنانے کا کام دوبارہ شروع ہوا تو آدم خیل کی ایک شاخ شیراگئی نے فرنگیوں کی اس حرکت کو پسند نہ کیا۔ انہوں نے فوجی چوکیوں اور برٹش قافلوں پر چھاپے مارنا شروع کر دیئے۔ انگریز نے ان قبائل کی ناکہ بندی کی اسکیم تیار کی۔ درۂ کوہاٹ میں بسنے والے جواکئی قبائل کے لوگ اس لڑائی میں سب سے آگے تھے۔ آخر کار انگریز نے ان کے خلاف فوجی کارروائی کی منصوبہ بندی کر لی۔

۱۷ اگست ۱۸۷۷ء کو انگریز کا بڑا فوجی لشکر ژواکئی (جواکئی) کو سر کرنے کے لئے کوہاٹ میں جمع ہوا۔ اس مہم کی کمان پہلے جنرل 'کے' کے پاس تھی مگر اس کی بیماری کی وجہ سے سکھ رجمنٹ کے کمانڈنٹ کرنل موکٹا (Mocatta) کے سپرد ہوتی ان فوجی تیاریوں میں بڑی رازداری سے کام لیا گیا تھا۔ منصوبہ کے تحت بیک وقت تین طرف سے ہلہ بول دیا۔ فوج کا ایک دستہ تورنگ کی گھاٹی سے دوسرا درۂ گنڈیالئی سے اور تیسرا مشرق کی جانب سے دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ جواکئی کی چھوٹی سے وادی کے کنارے کنارے بڑھا۔ ایک چھوٹے اور غریب قبیلہ کے خلاف اتنی بڑی فوجی مہم بھیجنے سے انگریز کی بدحواسی کا پتہ چلتا ہے۔ مگر جوں ہی یہ لشکر ژواکئی کے علاقہ میں داخل ہوا لوگ بستیاں خالی کر کے پہاڑوں پر چلے گئے۔ فرنگیوں کے ہاتھ کچھ نہ لگا جیسے خالی ہاتھ گئے تھے واپس آنے لگے۔ واپسی میں قبائلی مجاہدین نے جو ترکائی میں گھات لگائے بیٹھے تھے، حملہ کر کے اس عظیم لشکر کو کافی نقصان پہنچایا۔

اس مہم کی ناکامی کے بعد نومبر ۱۸۷۷ء میں اس سے بڑی مہم ژواکئی کی طرف روانہ کی گئی۔ اس مہم کا ہراول دستہ ایک رات خشک پہاڑی نالہ میں خیمہ زن تھا کہ اسی بیچ آفریدیوں نے اس پر دھاوا بول دیا۔ یہ حملہ اتنا بھرپور تھا اور خلاف توقع کہ آنافاناً چودہ گوراسپاہی موت کی آغوش میں چلے گئے اور مجاہدین ان کی بندوقیں لے کر فرار ہو گئے۔ اب تو فرنگیوں کے غصہ کی انتہا نہ رہی اور طے ہوا کہ پشاور سے جنرل راس اور کوہاٹ سے جنرل 'کے' کی کمان میں درۂ آدم خیل کے علاقہ پر حملہ کیا جائے اور قبائلیوں کو سزا دی جائے مگر بے یار و مددگار قبائلیوں کے کام قدرت آ گئی اس لئے کہ کئی ماہ تک تیز بارش ہوتی رہی، ہوا کے جھکڑ چلتے رہے اور سردی اتنی بڑھ گئی کہ انگریز فوج کے سکھ اور گورکھا سپاہی اپنے خیموں کے باہر نہ نکل سکے۔

پروگرام کے مطابق جنرل 'کے' تورنگ اور گنڈیالئی کے راستہ جواکئی کی طرف بڑھا۔ کرنل گارڈینز کے فوجی دستے بھی اس سے آملے۔ یہ معرکہ دسمبر کے مہینہ میں پیش آیا۔ وہ جواکئی کے مرکز جامو

پر قبضہ کرنا چاہتا تھا لیکن بارش کی وجہ سے جنرل راس پشاور سے نہ آسکا۔

بارش رکی تو انگریز دستے مختلف سمتوں سے روانہ ہوئے اور پستاوُتی کے مقام پر ایک دوسرے سے مل گئے۔ جگہ جگہ معمولی جھڑپیں بھی ہوئیں مگر آفریدیوں نے شدید جنگ کی نوبت نہ آنے دی۔ سخت جاڑے اور دقتوں کے باوجود انگریز فوج اپنی طاقت کے مظاہرہ کے لئے ان علاقوں میں پڑاوُ ڈالے رہی۔ آخر کار ۲۲ر جنوری ۱۸۷۸ء کو ناکام ہو کر واپس چلی گئی۔

بعد کو انگریزوں نے صلح کی پیشکش کی۔ صلح کی شرائط طے ہوگئیں۔ اس طرح جوائی آزاد علاقہ رہا اور اس کی خود مختاری پر کوئی آنچ نہیں آئی۔

میران زئی کی وادی ہنگو (کوہاٹ) اور پاڑا چنار کے درمیان ہے۔ دوسری افغان جنگ کے موقع پر اس وادی کے لوگوں نے افغانوں کی مدد کی تھی۔ جنگ سے فارغ ہو کر انگریزوں نے ان سے بدلہ لینے کی ٹھانی۔ میران زئی کا علاقہ زائی مشت قبیلہ کا مسکن ہے۔ یہ پہاڑوں اور ندی نالوں سے گھرا ہوا ہے۔ سڑکیں اور راستے دشوار گزار ہیں۔ دشوار گزار پگڈنڈیاں یہاں کا وصف خاص ہے۔ ان سے گزر کر مشت زئی کے دیہاتوں تک پہنچا جاتا ہے۔

دسمبر کے مہینہ میں مختلف چھاوُنیوں سے دستے جمع کر کے انگریزوں نے اس پر حملہ کر دیا۔ کمان بریگیڈیر ٹیلر کے ہاتھ میں تھی۔ ۸ر دسمبر کو دنیا کی سب سے بڑی شہنشاہیت کا لشکر میران زئی کے غریب اور نادار مگر غیرت ایمانی کے خوگر لوگوں سے مقابلہ کے لئے چل پڑا۔ ۱۲ر دسمبر کو لشکر چنارک پہنچا۔ چنارک سے زاوُ پہنچنے کا راستہ ایک گہری گھاٹی سے ہو کر جاتا ہے جس کے دائیں بائیں زائی مشت کے جوانوں نے اپنے مورچے بنا لئے تھے۔ انگریز نے توپ خانہ اور مشین گنوں کا استعمال کیا۔ بڑی کاوش کے بعد ایک پہاڑی چوٹی پر قبضہ کر سکے۔ انگریز نے اس کامیابی کے بعد اپنا غصہ بے گناہ دیہاتیوں پر اتارا۔ ان کے جھونپڑے جلا دیئے اور جو بھی ملا اسے گولی ماردی لیکن پھر بھی وہاں سے بھاگ کر زاوُ میں قیام کرنا پڑا، اس لاوُ لشکر کے باوجود وہاں ٹھہرنے کی ہمت نہ تھی۔

۱۵ر دسمبر کو فوج چنارک جا پہنچی۔ بعد کو زائی مشت سے ایک معاہدہ ہو گیا۔ اس معاہدہ کے بعد جب افغان فوج کرم، پاڑا چنار، درۂ خیبر اور وزیرستان کے سرحدی علاقہ سے دستبردار ہوگئی تو انگریز کو ان علاقوں میں مداخلت کا قانونی جواز مل گیا۔

جنرل رابرٹس نے شلوزا کے مقام پر اپنے رہنے کی جگہ بنالی اور ریشہ دوانیاں شروع کر دیں۔ اس نے پولیٹیکل حکام کی مدد سے سازشوں کا جال بچھا دیا۔ قبائل کے باہمی اختلافات سے فائدہ اٹھا کر

طوری قبیلہ کو اپنا ہمنوا بنا لیا۔ طوری قبیلہ شیعہ مسلک سے تعلق رکھتا تھا۔ دوسرے قبیلوں سے اس کے تعلقات اکثر بگڑتے رہتے تھے۔ انگریز نے اس قبیلہ کو اپنی مدد کا یقین دلا کر فارورڈ پالیسی کے تحت کرم کو انگریزی علاقہ قرار دے دیا۔ سروس کیبل جیسے ہوشیار افسر کو وہاں کا پولیٹیکل ایجنٹ مقرر کر دیا۔ اس نے باہمی اختلاف سے فائدہ اٹھا کر اس خوبصورت اور زرخیز وادی پر اپنی گرفت مضبوط کر لی۔

کرم اور پاڑا چنار کے لوگوں کو ملانے کے بعد اس نے اورک زئی اور آفریدی قبیلوں کے خلاف مہم روانہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس مہم کا اصل مقصد یہ تھا کہ میران زئی کی اہم جگہوں پر فوجی چوکیاں اور قلعے بنا لئے جائیں اور پھر اہم راستوں پر سڑکیں نکالی جائیں تا کہ انگریزوں کو فوجی آمد ورفت میں کسی دشواری کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ لیکن کہا یہ گیا کہ اورک زئی کے لوگ اکثر و بیشتر سرکاری علاقوں پر حملہ آور ہوتے رہتے ہیں لہٰذا اس کا بنیادی مقصد ان کو روکنا ہے۔

یہ بھی عجیب منطق ہے کہ سات سمندر پار سے ایک قوم آ کر کروڑوں لوگوں کی آزادی چھین لے اور اس کو امن کا حامی بتایا جائے اور جو قوم غاصبوں سے اپنے علاقوں کی آزادی کے لئے جانیں قربان کرے اسے دہشت گرد اور حملہ آور بتایا جائے۔ اہل فرنگ کے حیلوں اور بہانوں سے بھی واقف ہیں۔

جنوری ۱۸۹۱ء میں سر ولیم ایک لشکر جرار لے کر کوہاٹ سے نکلا جس میں پورے ملک کے منتخب فوجی دستے شامل تھے۔ ۲۹ جنوری ۱۸۹۱ء کو ساری فرنگی فوج وادیٔ خانکی کے مقام گوادا جا پہنچی۔ گوادا میں فوج کو الگ الگ دستوں میں تقسیم کیا گیا تا کہ ہر دستہ الگ الگ راستوں سے پیش قدمی کرے۔ اس طرح یہ لشکر پورے علاقہ پر طوفان کی طرح ٹوٹ پڑا۔ راستہ میں پڑنے والے دیہاتوں کو لوٹ لیا گیا۔ کھڑی فصلوں کو جلا دیا گیا اور ان کے جانوروں کو ہکا کر کے انگریز اپنے کیمپ ۔ں لے گئے۔ اس دہشت پسندانہ کارروائی سے انگریز اورک زئی کے حوصلہ کو پست کرنا چاہتا تھا تا کہ وہ خوفزدہ ہو کر فرنگی کی اطاعت قبول کر لیں۔ یہ چھوٹا سا قبیلہ اللہ کی مدد و نصرت کے سہارے سینہ تانے کھڑا رہا کہ اچانک برف باری شروع ہو گئی اور سرد ہوائیں چلنے لگیں، اس سے انگریز کی حالت خراب ہونے لگی۔ انگریزی فوج کے بہت سے سپاہی اور باربرداری کے جانور سردی سے اکڑ کر مر گئے۔

انہی دنوں ہزارہ کے پہاڑی قبیلوں کے خلاف بھی فوجی یورش جاری تھی۔ وہاں بھی انگریزی فوجوں کو ہزیمت کا سامنا تھا۔ لہٰذا سر ولیم کو اس محاذ سے ہٹا کر ایک ڈویژن فوج دے کر ادھر روانہ کر دیا گیا۔ اس طرح اورکزئی کو سانس لینے کا موقع مل گیا۔ ادھر سے فارغ ہو کر پھر اورک زئی کی طرف توجہ مبذول ہوئی۔ انگریز چاہتا تھا کہ سامانا کے پہاڑی سلسلہ میں کلیدی جگہوں پر فوجی چوکیاں اور قلعے تعمیر کر

لئے جائیں۔ یہ کام بھی گورا سپاہیوں کی سنگینوں کے سایہ میں شروع ہو گیا۔ غریب قبائل خاموشی سے یہ تماشہ دیکھتے رہے۔ لیکن جب فرنگی مداخلت بڑھتی چلی گئی تو ان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔

۲۴ راپریل ۱۸۹۱ء کو انگریز انجینئر اور ایم ای ایس کا عملہ حسب معمول سڑک بنانے میں لگا تھا۔ سکھ رجمنٹ کے سپاہی سنگین تانے ان کی حفاظت کر رہے تھے۔ کچھ قبائلی چرواہے تماشہ دیکھ رہے تھے وہ سکھ سپاہیوں سے بات کرنے لگے۔ بات چیت کے درمیان سکھ سپاہی نے کوئی ایسی بات کہی جس سے چرواہوں کے جذبات بھڑک اٹھے اور انہوں نے چاقو نکال کر کئی سکھوں کو ڈھیر کر دیا۔ انگریزوں نے آگے بڑھ کر گاؤں کا محاصرہ کر لیا۔ یہ دیکھ کر ایسلائی گاؤں کے اردگرد کے پہاڑوں پر قبائلی بھی جمع ہونے لگے۔ انگریز دستے ان کا پیچھا کرنے کے لئے آگے بڑھے تو ایسا پھنسے کے پورے دن انہیں نہ پانی نہ ملا نہ کھانا۔ ان نکیلی چٹانوں پر بسیرا کرنا شاہین صفت پٹھانوں ہی کے بس کی بات تھی۔ دوسرے لوگ یہ سختیاں کہاں برداشت کر سکتے تھے؟ آخر کار انگریزوں نے مزید کمک طلب کی۔ درسمند کا سارا علاقہ انگریز فوجیوں سے بھر گیا۔ قبائلی سامنے نہ آ کر مختلف ناکوں اور گھاٹیوں پر گھات لگا کر انہیں نقصان پہنچاتے رہے۔ گلستاں کے مقام پر زوردار رن پڑا۔ ایک مہینہ سے زیادہ مدت تک قبائلیوں اور انگریزوں میں یہ جنگ جاری رہی۔ آخر کار گھبرا کر انگریزوں نے صلح کی بات چیت شروع کی۔ ۹ مئی کو صلح کی شرائط طے ہو گئیں اور اس طرح فرنگی فوج اپنی چھاؤنیوں میں واپس چلی گئی۔

انگریز کے خلاف صوبہ سرحد کے کسی ایک علاقہ میں یہ ہنگامے نہ تھے بلکہ ہر طرف نفرت کی آگ بھڑک رہی تھی جس نے سارے قبائلی علاقوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ ۲۶ اگست ۱۸۹۷ء کو کوہاٹ سے چھ میل کے فاصلہ پر ''اُبلان'' کے درہ میں انگریزوں کے خلاف طوفان اٹھ کھڑا ہوا۔ اورک زئی قبیلہ دولت زئی کی شاخ ''بزوٹی'' نے علم بغاوت بلند کر دیا۔ کوہاٹ سے ''کرم'' پاڑا جانے والی سڑک اسی درہ سے ہو کر جاتی تھی۔ اگر یہ درہ انگریز کے ہاتھ سے نکل جائے تو کرم سے اس کا رابطہ ختم ہو جاتا۔ ۱۸۶۸ء میں ایک بار بزوٹی نے اُبلان سے گزرنے والے فوجی قافلہ کو لوٹا تھا اور درہ پر قبضہ کر لیا تھا۔ دوسرے سال پھر وہی حالات پیدا ہو گئے تو درہ کو بچانے کے لئے راتوں رات فوجی مہم روانہ کی گئی۔ جس نے درہ پر قبضہ کر کے اورکزئی گاؤں غورہ کو نذر آتش کر دیا۔ مگر اورک زئی گھات لگائے بیٹھے رہے۔ جب فاتحانہ انداز میں انگریزی فوج واپس جا رہی تھی تو انہوں نے چھاپہ مار کر چالیس کے قریب انگریز کے فوجی افسر اور سپاہی موت کے گھاٹ اتار دیئے۔

۲۵ راگست کو کوہاٹ چھاؤنی کے کمانڈنگ افسر کو خبر ملی کہ اورکزئی لشکر نے محمد زئی قلعہ کو جو درہ

اُبلان کی حفاظت کے لئے تھا گھیر لیا ہے اور اُبلان کے دونوں طرف سنگوڑ اور مورچے بنا لئے ہیں۔ یہ مورچے اسی جگہ تھے جہاں سے انتیس سال پہلے بھی اورک زئی فرنگی فوجوں پر کاری ضرب لگا چکے تھے۔

اسی دن کوہاٹ سے میجر بیوک کوپلی (Bewickopley) اور کپتان ویک کی قیادت میں لشکر جرار درۂ اُبلان کی طرف چل پڑا۔ ۲۶ راگست کو اورکزئی نے قلعہ پر جہاں باڈر پولس تعینات تھی حملہ کر دیا۔ ایک سپاہی مارا گیا۔ چند زخمی ہو گئے، باقی نے بھاگ کر قلعہ میں پناہ لے کر اپنی جان بچائی۔ اسی شام ایک رجمنٹ محمد زئی پہنچ گئی۔ اس نے پہنچتے ہی گولہ باری شروع کر دی۔ اس کے جواب میں اورک زئی تھوڑے تھوڑے وقفہ سے گولیاں چلاتے رہے۔ آخر تنگ آ کر انگریز جنرل نے درہ پر بڑے حملہ کا حکم دیا۔ فوجی دستے درہ میں تھوڑی دور گئے تھے کہ ہر سنگڑ اور ہر مورچہ سے ان پر گولیاں برسنے لگیں غرض یہ کہ بے شمار جانیں قربان کر کے انگریزی لشکر درہ کی چوٹی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ لیکن اس کے وہاں پہنچنے سے پہلے قبائلی لشکر پیچھے والے راستہ سے اتر کر غائب ہو گئے اس طرح انگریزی لشکر کے ہاتھ ایک شخص بھی نہ لگا۔

دن بھر کی سخت لڑائی، گرمی، لو اور تھکن سے بہت سے فرنگی سپاہی ہلاک ہو گئے۔ اورک زئی جس شان اور سلیقہ سے حملہ کرتے اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ فطری طور پر فن جنگ سے واقف ہیں۔ ان کے کپڑے بھی خاکی ہوتے تھے۔ وہ چٹانوں کی اوٹ میں چھپ جاتے تھے تو کسی کو نظر نہ آتے تھے۔ ان جھڑپوں میں کپتان برڈ اسمتھ کے ٹخنے میں گولی لگی جب کہ جنرل نارتھ کو لگنے والی گولی اس کی پسلیوں کو توڑتی ہوئی دوسری طرف نکل گئی۔ فوجی سرجن نے ان کی مرہم پٹی کر کے ڈولی میں ڈال کر کوہاٹ روانہ کر دیا۔ واپسی میں مزید سترہ انگریز فوجی ہلاک کر دیئے گئے۔ باقی لشکر نامرادی کی شان لئے کوہاٹ پہنچ گیا۔

ادھر ہنگو کے مغرب میں سمانہ کے پہاڑی سلسلہ اور وادیٔ کرم سے پھر وحشت ناک خبریں آنے لگیں تو کوہاٹ سے کرنل رچرڈسن کی کمان میں فوج اور توپخانہ روانہ ہوا جو بیالیس کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے صبح ہوتے ہی ہنگو پہنچ گیا۔ ۲۶ اگست کو ایک دستہ اس کے ساتھ فورٹ کوہاٹ اور فورٹ گلستان بھیجا گیا۔ دوسرے دن ہنگوئی کی نواحی چوکی لاخہ سے خطرہ کا بگل بجا۔ کرنل ایبٹ توپ خانہ اور سپاہیوں کے ساتھ ادھر روانہ ہوا۔ اس کا مقصد لاخہ میں گھرے ہوئے فرنگیوں کو بچانا تھا۔ بڑی مشکل سے کرنل ایبٹ اور میجر وائٹ لاخہ کے سپاہیوں کو بچا سکے تھے کہ خبر ملی لاخہ کے مغرب میں سیفل درہ کی چوکی مجاہدین کی زد میں ہے۔ چنانچہ رچرڈسن نے ادھر کا رخ کیا۔ اندھیرا ہوتے ہوتے قبائلی ان پر ٹوٹ پڑے اور سخت

جانی نقصان پہنچایا۔ گرتے پڑتے انگریزی فوج ہنگو پہنچی ہی تھی کہ رات کو غازیوں نے ہنگو کیمپ پر حملہ کر دیا جس کا مقصد دشمن کو دہشت زدہ کرنا تھا۔

۲۹ اگست کو ہنگو کیمپ پر پھر گولی چلائی گئی۔ اس بیچ پتہ چلا کہ اورکزئی لشکر نے ''شینہ اوڑئی'' کی چوکی پر ہلّہ بول دیا۔ ۳۰ اگست کو کرنل منسل (Minsel) نکلا چالیس میل کی گشت لگائی مگر کوئی غازی ہاتھ نہ لگا۔ واپسی پر تھکا ماندہ انگریزی لشکر لیٹا ہی تھا کہ سامنے کی پہاڑیوں سے اس پر گولیوں کی بوچھار شروع ہوگئی جس میں دس فرنگی اور کچھ سکھ سپاہی مارے گئے۔ ۳۱ راگست کو جنرل بکس خود پورا بریگیڈ لے کر ہنگو جا پہنچا۔ ہنگو سے تھوڑے فاصلہ پر غازیوں نے لشکر کے پچھلے دستوں پر چھاپہ مار کر بہت سا ساز و سامان اور بار برداری کے جانور چھین لئے۔ ٹل روڈ پر پاڑا چنار سے بھی بری خبریں آنے لگیں تو کرنل ایبٹ کا دستہ ادھر کو روانہ ہوگیا۔ رات کو اس کے لشکر نے دوآبہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا تو وہاں بھی قبائلیوں نے ان پر گولیاں برسانا شروع کر دیں۔ غرض یہ کہ فرنگی کسی جگہ بھی محفوظ نہ تھے۔ انگریز کے بڑے فوجی افسر قبائلیوں کی نشانہ بازی کا اعتراف کرتے تھے۔ رات کو انگریز کھانے کی میز پر بیٹھے ہی تھے کہ ادھر سے گولیاں برسنے لگیں۔ ایک گولی کھانے کی میز پر گری جس سے لیمپ خاموش ہوگیا اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا۔ ۶ ستمبر کو یہ لشکر سدہ پہنچا جہاں بالش خیل کی چوکیوں کو تین ہزار مجاہدین گھیرے ہوئے تھے، پاڑا چنار کا قلعہ بھی ان کی زد میں تھا۔ مگر پاڑا چنار کے دو قبیلے انگریزوں سے مل گئے۔ جس سے حریت پسندوں کے حوصلہ کو نقصان پہنچا۔

آخر انگریز نے صلح کی پیشکش کی۔ لمبی بات چیت کے بعد موسیٰ زئی نے انگریزوں کی شرائط کے جواب میں اپنے مطالبات رکھے۔ (۱) انگریز خیبر اور سمانہ کے علاقوں سے دستبردار ہو جائے۔ (۲) نمک پر عائد محصول ختم کر دیا جائے۔ (۳) قبائلی عوام کو تمام سرحدی علاقوں میں آمد و رفت کی اجازت ہو۔ اس کے جواب میں انگریز نے اپنی کارروائیوں کو لمبا کر دیا تاکہ قبائلیوں میں اختلافات پیدا ہو جائیں۔ قبائلی اپنی شرائط رکھ کر خاموشی سے جواب کا انتظار کرنے لگے تو انگریز یہ سمجھا کہ اس کا وقار بحال ہوگیا۔ موقع پاکر انگریز لشکر کوہاٹ کی طرف روانہ ہوگیا۔

پٹھان مجاہدوں کے جذبۂ حریت اور اسلامی غیرت کے بارہ میں روزنامہ پانیر کے جنگی نامہ نگار نے جو ان دنوں صوبہ سرحد کے معرکوں میں موجود تھا۔ اپنی کتاب (Risings) میں یہ اعتراف کیا کہ — ان پٹھان غازیوں میں زیادہ تر ایسے لوگ تھے جن کے پاس بندوقیں تک نہ تھیں۔ وہ صرف لاٹھیاں اٹھائے یا خنجر لئے ہوئے ہنستے کھیلتے نعرے لگاتے انگریزوں کی صفوں میں گھس جاتے اور فوجیوں

پر بھر پور وار کرتے۔ موت ان کے نزدیک کھیل تھی اور جنگ ایک تماشہ، وہ دشمن کی طرف بڑھتے جیسے کسی شادی کی تقریب میں جا رہے ہوں۔ ان کے جسم پر پھٹے پرانے چیتھڑے لگے ہوئے تھے اور پاؤں میں جوتہ تک نہ ہوتا۔ گھاس پھوس کے چپل پہنے ہوتے تھے، جو دوڑ دھوپ میں ٹوٹ جاتے تھے تو انہیں پھینک کر وہ ننگے پاؤں نکیلی چٹانوں اور تپتے ہوئے پتھروں پر دوڑنے لگتے تھے۔"

عجب خان کی عجب کہانی، تاریخی واقعات کی زبانی

مس ایلس اور اس کے اغوا کی کہانی، عجب خان کے گھر کی تلاشی، عجب خان کا جذبۂ انتقام، لیڈی ایلس کا اغوا، عجب خان کی پشیمانی، مولی ایلس کی تلاش اور پھر اس کی رہائی اور اس کا اعتراف حقیقت۔ انگریز کی طرف سے جنگ کی دھمکی، عجب خان کی افغانستان روانگی۔ یہ کہانی انہیں واقعات کے گرد گھومتی ملے گی جس کا براہ راست تعلق پختونوں کی روایات سے ہے جو اس کتاب کا بنیادی مقصد ہے۔

۱۸۴۹ء سے سرحد کے قبائل اور مجاہدین کے سینوں میں فرنگی سامراج کے خلاف نفرت تو موجود تھی۔ وہ اس کے خلاف برسرپیکار تو رہتے ہی تھے۔ ہزاروں قبائلی اپنی جانیں آزادی کی قربان گاہ پر قربان کر چکے تھے۔ وہ انگریز کی چھاؤنیوں پر حملے کر کے اس کو پریشان کرتے رہتے تھے۔ ۲۶، ۲۷ نومبر 1919ء کو درمیانی رات میں کوہاٹ چھاؤنی کی لانسر رجمنٹ کے گارڈ روم پر حملہ ہوا۔ پہرہ پر سنتری مارا گیا۔ حملہ آور اسلحہ خانہ سے بارہ بندوقیں، آٹھ دوربین، پندرہ تلواریں اور بڑی تعداد میں کارتوس لے کر فرار ہو گئے۔ صبح ہوئی تو کوہاٹ چھاؤنی میں کہرام برپا تھا۔ ڈپٹی کمشنر کرنل بروس نے آفریدی جرگہ کے ذریعہ عجب خان کو بلا بھیجا۔ لیکن عجب خان تک یہ خبر نہ پہنچ سکی۔

اس کے کچھ دنوں بعد کیپٹن اسپارکس انگریز فوجی افسر کے اعلیٰ نسل کے دو گھوڑے اڑا لئے گئے۔ یہ الزام بھی عجب خان کے سر منڈھ دیا گیا۔ عجب خان کو فرنگی کی اس کینہ پروری کا علم ہوا تو اسے سخت صدمہ سے دوچار ہونا پڑا کہ جو بھی واردات ہوتی ہے انگریز اس پر الزام لگا دیتے ہیں۔

اسی غصہ میں وہ ۱۵/۱ اکتوبر ۱۹۲۳ء کی درمیانی رات کو کرنل فوکس کے بنگلہ میں داخل ہو گیا۔ اس کا بھائی شہزاد خان اس کے ساتھ تھا۔ لیکن اس وقت اتفاق سے کرنل فوکس جاگ رہا تھا۔ اس نے عجب خان کو کمرہ میں آتا دیکھ کر ریوالور تان لیا۔ عجب خان نے پھرتی سے اس کے فائر سے اپنے کو بچا کر اس پر خنجر سے وار کر کے اسے زخمی کر دیا۔ وہ زخم کھا کر گرا تو اس کی بیوی نیند سے چونکی اور کرنل کی مدد کے لئے آگے آئی تو عجب خان نے اپنے کو بچانے کے لئے اس پر بھی خنجر کا وار کیا۔ پھر دونوں بھائی ان کو زخمی

حالت میں چھوڑ کر تاریکی میں کمرہ کے باہر نکل گئے۔کوہاٹ چھاؤنی میں خطرہ کے الارم بجنے لگے۔فوج حرکت میں آ گئی مگر عجب خان اور اس کا بھائی چھاؤنی سے نکل چکے تھے۔کوہاٹ میں خوف و دہشت کی فضا پھیل گئی۔حفاظت کے انتظامات مزید سخت کر دیئے گئے۔

۲۲ رفروری ۱۹۲۳ء کو فرنگی اقتدار پر ایک اور ضرب لگی۔رات کو عجب خان اور اس کے ساتھی دندناتے ہوئے آئے اور کوہاٹ کی چھاؤنی کے اسلحہ خانہ پر ٹوٹ پڑے۔یہ طوفانی رات تھی۔مگر یہ لوگ ۳۰۳ کی ۶۴ بندوقیں لے کر فرار ہو گئے۔

کرنل بروس سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ڈکیت کے گھر میں ڈکیتی ہو گئی۔یہ انگریز کے اقتدار پر ضرب کاری تھی۔اس نے قومی جرگہ طلب کیا تا کہ معاملہ جرگہ کے سامنے رکھا جائے اور وہ لوگ اپنی روایات کے مطابق اس مسئلہ پر رائے دیں اور اس کا حل بتائیں۔

مشہور ادیب اور صحافی اللہ بخش یوسفی نے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے۔۔۔انگریز ڈپٹی کمشنر کا خیال تھا کہ آفریدی جرگہ عجب خان کے جرم کی ذمہ داری قبول کر لے گا۔لیکن جرگہ میں ایسا ہو نہیں پایا اور کسی بھی قبلہ نے جرم کی ذمہ داری اپنے سر نہ لی۔سب نے ان وارداتوں کا تعلق کسی فرد کا ذاتی کھیل قرار دیا۔

عجب خان کے گھر کی تلاشی:۔۔۔ مسٹر ہینڈی سائڈ فرینٹیر کانسٹبلری کمانڈنٹ کو کرنل بروس نے غصہ میں آ کر عجب خان بوستی خیل کے گھر کی تلاشی کا حکم دیا تا کہ مسروقہ اسلحہ برآمد کر کے عجب خان اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لے۔یہ کارروائی جرگہ سے منظوری کے بغیر کی گئی۔باڈر پولس نے عجب خان کے گھر کو گھیر لیا۔اس وقت مکان میں کوئی مرد موجود نہ تھا۔تلاشی میں کچھ بھی برآمد نہ ہوا تب بھی فوجی دستہ نے گھر کا سب سامان تہہ و بالا کر دیا۔ہینڈی سائڈ طاقت کے نشہ میں اتنا چور تھا کہ اس نے مردوں کی عدم موجودگی میں پردہ کا خیال نہ کر کے عجب خان کے گھر میں گھس گیا۔

عجب خان اور اس کے بھائی جب واپس آئے تو گھر کی تلاشی اور بے پردگی اور خواتین کی بے بسی کا علم ہوا۔تو اس نے اس کو اپنی عزت نفس پر حملہ تصور کیا۔اس نے قسم کھائی کہ جس طرح فرنگی نے اس کے گھرانے کی بے عزتی کی ہے میں بھی پٹھان کا بچہ نہیں جو فرنگی کو اس بے عزتی کا مزہ نہ چکھاؤں۔گھر سے رخصت ہو کر رات کو ایک دوست کے یہاں ٹھہرا۔وہیں فرنگی سے بدلہ کا پروگرام بنایا۔سویرا ہوا تو اپنے دونوں بھائیوں شہزادہ خان، گل اکبر خان اور دیگر دو ساتھیوں سلطان میر اور حیدر شاہ کے ساتھ کوہاٹ جا پہنچا۔پاس پڑوس پر نظر ڈالی اور ایک دوسرے سے مشورہ کے بعد طے ہوا کہ انگریز افسر میجر

ایلس کو زندہ اٹھا کر روپوش ہو جایا جائے۔ اس کام کو انجام دینے کے لئے وہ چھاؤنی میں چھپ چھپا کر گھومتا رہا۔ کوہاٹ کی چھاؤنی میں ڈپٹی کمشنر کے بنگلہ کے پاس ہی میجر ایلس کا بنگلہ تھا۔ میجر ایلس کے یہاں ایک خونخوار کتا تھا جسے رات کو کھلا چھوڑ دیا جاتا تھا۔ عجب خان کئی راتوں میں اسے چھپ کر گوشت کھلاتا رہا۔ یہاں تک کہ کتا اس سے مانوس ہو گیا۔

اتنی جدوجہد کے بعد ۱۶/اپریل ۱۹۲۳ء کی رات کو عجب خاں اور شہزاد خاں میجر ایلس کے بنگلہ میں داخل ہو گئے۔ کتا عجب خان سے مانوس ہو چکا تھا۔ عجب خان نے کمرہ کی کھڑکی کھولی اور اندر اتر گیا۔ دروازہ کی چٹخنی کھول دی تو شہزاد خان بھی اندر آ گیا۔ دونوں اندھیرے میں خواب گاہ کی طرف بڑھے۔ ان کا خیال تھا کہ میجر ایلس اور اس کی بیگم الگ چار پائیوں پر سو رہے ہوں گے جب کہ میجر ایلس اس رات گھر پر نہیں تھا۔ لیڈی ایلس آہٹ پا کر اٹھی تو شہزاد خان نے میجر ایلس کے دھوکہ میں اسے خنجر مار کر ہلاک کر دیا۔

میجر ایلس کی سترہ سالہ بیٹی مولی ایلس پاس کے کمرہ میں مطالعہ کر رہی تھی۔ وہ ماں کی دلدوز چیخ سن کر دوڑی ہوئی آئی تو عجب خان نے اپنی چادر اس پر ڈال کر اس کا منہ اپنے ہاتھ سے دبالیا تاکہ شور نہ کر سکے اور اسے اپنے کاندھے پر ڈال کر کمرہ سے باہر نکل گیا۔ اس کے ساتھی باہر کھڑے تھے۔ ان کی مدد سے کھڑکی سے نیچے اتارا اور لے کر چلتے بنے۔ بنگلہ پر پہرہ دینے والے کچھ سمجھ نہ سکے لیکن اندھیرے میں دوڑتے سائے دیکھ کر انہوں نے سیٹیاں بجانا شروع کیں۔ میجر ایلس کا پڑوسی کیپٹن ہائی لینڈ سیٹیوں کی آواز سن کر میجر ایلس کے بنگلہ پر پہنچا تو لیڈی ایلس دم توڑ چکی تھی اور اس کی لاش خون میں لت پت پڑی تھی۔ جب اعلیٰ حکام کو اطلاع ہوئی تو ساری انتظامیہ حرکت میں آ گئی۔ مگر بے سود۔

عجب خان اور شہزاد خان باری باری چادر میں لپٹی ہوئی مولی ایلس کو کاندھے پر ڈالے انگریزی علاقہ سے نکل جانے کے لئے دوڑ رہے تھے۔ یہ دونوں کوہاٹ ریلوے لائن کے ساتھ چل کر چھاؤنی کے حدود کو پار کر گئے اور وہاں جا پہنچے جہاں ان کے گدھے بندھے تھے۔ جب مس ایلس کو گدھے پر سوار کرنے لگے تو پتہ چلا کہ جسے انہوں نے قتل کیا ہے وہ میجر ایلس کے بجائے ان کی اہلیہ تھی۔ یہ جان کر عجب خان ندامت سے سر جھکا کر چلنے لگا مگر اب کر بھی کیا سکتا تھا۔ دونوں نے مولی ایلس کو تسلی دی اور اس کی حفاظت کا وعدہ کیا۔ اس لئے کہ اب اسے چھوڑ بھی نہیں سکتے تھے۔

صبح ہوتے ہوتے وہ ایک پہاڑی غار میں جا پہنچے جہاں سے پشاور کوہاٹ روڈ سامنے دکھ رہی تھی۔ مس ایلس سڑک پر آنے جانے والوں کو دیکھ سکتی تھی مگر اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ عجب خان اور اس

کے ساتھی مس ایلس کے ساتھ بڑی نرمی سے پیش آئے۔

سورج نکلا تو مس ایلس نے عجب خان کو غور سے دیکھا اور انگریزی لہجہ کی ٹوٹی پھوٹی اردو میں کہا— اگر تم مجھے پیسوں کے لئے لائے ہو تو کاغذ قلم لاؤ جتنی رقم درکار ہو میں لکھے دیتی ہوں۔ وہ تم کو ہاٹ سے لا سکتے ہو۔

جب یہ بات ہوئی تو عجب خان باہر جا چکا تھا۔ شہزاد خان نے مس ایلس سے کہا— ہمیں پیسہ نہیں چاہئے۔ ہم نے اپنی بے عزتی کا بدلہ لیا ہے۔ اب اگر کرنل بروس کی بیوی ہمیں مل جاتی تو ہم تمہیں چھوڑ دیتے۔ یہ گفتگو چل ہی رہی تھی کہ عجب خان اس کے لئے سامان لے کر آ گیا۔ اس میں کھانے پینے کا بھی سامان تھا اور مس ایلس کے لئے چادر اور جوتے تھے۔ عجب خان نے اسے جوتے اور سر پر اوڑھنے کے لئے چادر بھی پیش کی۔

۱۵ اپریل ۱۹۲۳ء کو پوری مملکت برطانیہ میں کہرام مچ گیا۔ صوبہ سرحد کا چیف کمشنر جان مفی سخت پریشان تھا۔ اس نے غور و فکر کے بعد منصوبہ بنایا اور ایسے افراد کا انتخاب کیا جو اس معاملہ میں کارآمد ہو سکتے تھے۔ خیبر کے نواب زماں خان کو ہدایت دی کہ وہ خیبر اور تیراہ کی تمام سرحدوں پر نظر رکھیں کہ کہیں مس ایلس کو افغانستان نہ پہنچا دیا جائے۔ کرم ایجنسی کے اسسٹنٹ پولیٹیکل ایجنٹ خان بہادر قلی خان کو جو قبائلی امور کے خاص ماہر تھے، تیراہ بھیجا کہ وہاں کے معززین خاص کر بوغہ شریف کے سجادہ نشین کے تعاون سے مولی ایلس کا پتہ لگائیں۔ رسالدار میجر مغل باز خان کو ایف سی کے جوانوں کے ایک دستہ کے ساتھ خانگی واد بھیجا تا کہ وہ مس ایلس کو تلاش کریں۔

سر جان مفی نے یہ بھی سوچا کہ کسی ایسی خاتون کو مہم پر بھیجا جائے جو مس ایلس سے بات چیت کر کے اسے تسلی دے سکے۔ اس کے لئے اس نے مشن اسپتال پشاور کی نرس مسز اسٹار کا انتخاب کیا جو آفریدیوں کی پشتو روانی سے بولتی تھی اور ایسا لباس پہنتی تھی کہ دیکھنے والا اسے اورکزی یا آفریدی خاتون سمجھتا تھا۔ جان مفی خود اپنی موٹر کار میں اسے سوار کر کے لے گیا۔ وہ کوہاٹ سے ہنگو اور وہاں سے سامانہ کے قلعہ تک گیا جہاں سے اس نے مسز اسٹار اور رسالدار مغل باز خان کو کچھ محافظوں کے ساتھ رخصت کیا۔

کربوغہ کے مولانا عبدالحق کے ذریعہ بہر حال یہ پتہ چل گیا کہ مس ایلس زندہ ہے اور وہ سلامتی سے کسی جگہ نظر بند ہے۔ دراصل عجب خان اور شہزاد خان نے مس ایلس کو جوائی (تیراہ) میں اپنے دوست سلطان میر کے برج میں چھپا رکھا تھا۔ جب مس ایلس کی رہائی کے لئے جرگہ بیٹھا تو خان بہادر

مغل باز خان اور خان بہادر قلی خان نے آفریدی جرگہ پر زور دیا کہ وہ عجب خان اور شہزاد خان کی طرفداری نہ کریں ورنہ انگریزوں سے جنگ چھڑ جائے گی۔ایسی صورت میں ہمیں بہت نقصان اٹھانا پڑے گا۔

جب عجب خان اور شہزاد خان سے مذاکرات ہوئے تو انہوں نے کہا کہ کسی کمزور لڑکی کو اپنی قید میں رکھنا ہمارا مقصد نہیں ہے بلکہ وہ صرف یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ انگریز اپنی طاقت اور فوج کے بھروسہ پر اگر مردوں کی غیر موجودگی میں اس کے گھر کی تلاشی لے سکتا ہے تو عجب خان کے لئے بھی یہ کوئی مشکل کام نہیں ہے کہ وہ خود انگریز کے گھر سے ایک لڑکی کو اٹھالے جائے۔ہم نے انگریز کو سبق سکھانے کے لئے یہ کارروائی کی تھی۔

آخر کار کئی دن کے مذاکرات کے بعد عجب خان مس ایلس کو اس شرط پر رہا کرنے کو تیار ہو گیا کہ تمام گرفتار شدہ بوستی خیل رہا کر دیئے جائیں گے اور آئندہ انگریز آفریدی علاقوں پر فوج کشی نہیں کرے گا۔

مس ایلس نے رہا ہونے کے بعد عجب خان اور اس کے ساتھیوں کے حسن سلوک کی بڑی تعریف کی کہ اغوا کے پہلے دن سے رہا کئے جانے کے دن تک اس پر کوئی زیادتی نہیں کی اور اسے وہاں امانت کے طور پر رکھا گیا۔

۱۲۲پریل ۱۹۲۳ء کو حکومت کے کارندے مس ایلس کو لے کر شیناوڑی کے انگریز قلعہ میں پہنچے جہاں چیف کمشنر سرحد جان مفی ،میجر ایلس اور انگریز ڈپٹی کمشنر کوہاٹ اس کا انتظار کر رہے تھے۔

وہاں پہنچ کر مس ایلس نے چیف کمشنر صوبہ سرحد جان مفی اور مسز اسٹار کے سامنے بتایا کہ عجب خان اور ان کے ساتھیوں نے اس کے آرام وآسائش کا ہر طرح خیال رکھا۔کھانے پینے کی ہر وہ چیز جو اسے کوہاٹ میں میسر تھی وہ لوگ فراہم کرتے رہے۔عجب خان کے اعتماد کے لوگوں کے ذریعہ وہ اپنے متعلقین سے خط وکتابت بھی کر سکتی تھی۔

علاقہ غیر سے واپسی پر مس ایلس نے آفریدیوں کے حسن اخلاق کی بے حد تعریف کی اور چند مضامین بھی لکھے۔اس نے لکھا کہ جب وہ ''تیراہ'' سے رخصت ہو رہی تھی تو اسے زرق برق آفریدی خواتین کا لباس پہنایا گیا۔اس کے گلے میں سونے کا ہار ڈالا گیا اور بڑی عزت واحترام سے اسے رخصت کیا گیا۔اس نے اپنے مضامین میں لکھا کہ اغوا کرنے والوں نے کبھی اس پر بھرپور نظر تک نہ ڈالی۔اصل میں عجب خان نے انتقام کے جوش میں آکر یہ کارروائی کی تھی ،لیکن وہ اپنی اس حرکت پر اندر

سے سخت نادم تھا۔اس لئے کسی عورت پر ہاتھ ڈالنا اسلامی اور پختون روایات کے خلاف تھا۔مگر حکومت برطانیہ نے اپنی سیاسی کاری گری کے تحت اس طرح کے مضامین کی اشاعت پر پابندی لگا دی اور مولی ایلس کو فوراً لندن بھیج دیا گیا۔اس وفد کی رکن مسز اسٹار نے بھی تیراہ کی کہانیا(Tailes of Tirah) نامی کتاب بعد کو شائع کی جس میں مس ایلس کے اغوا سے رہائی تک کی تمام تفصیلات درج ہیں۔

انگریز کی شاطرانہ چالوں اور بدعہدیوں کا نہ کل کوئی جواب تھا اور نہ آج ہے۔جب انگریز حکام کو اطمینان ہو گیا کہ مولی ایلس کی جان کو کوئی خطرہ نہیں رہ گیا ہے تو انہوں نے آنکھیں دکھانا شروع کر دیں۔۱۲ مئی ۱۹۲۳ء کو بمبار طیاروں کی نمائش کی تا کہ آفریدی قبائل کو انگریزی طاقت کا اندازہ ہو جائے۔چیف کمشنر مفی نے تمام آفریدی قبائل کا جرگہ طلب کیا جس میں طے ہوا کہ مس ایلس کی واردات کے پانچوں ذمہ دار عجب خان، شہزاد خان، گل اکبر خان، سلطان میر اور حیدر شاہ کو آفریدی علاقہ سے نکال دیا جائے۔مگر جرگہ نے انگریزوں کا یہ فیصلہ نامنظور کر دیا تو انگریز حکام نے بات چیت جاری رکھتے ہوئے ۲۰ مئی کو بمقام شیناوَری (کوہاٹ) آفریدیوں کا دوبارہ جرگہ بلایا جس میں فرنگیوں نے سخت لہجہ میں مطالبہ کیا کہ عجب خان اور اس کے ساتھیوں کو حکومت کے حوالہ کیا جائے۔ایسا نہ کرنے پر جنگ کی دھمکی بھی دی۔آفریدیوں نے اپنی روایات کے تحت اتنی ہی سختی سے انگریز کے اس مطالبہ کو رد کر دیا اور ان سے صاف طور پر کہہ دیا کہ اگر انگریز ہماری روایات کے خلاف عجب خان اور ان کے ساتھیوں کو طلب کرتا ہے تو ہمیں فرنگیوں کے جنگ کے چیلنج کو قبول کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ نہ ہوگی۔اس طرح سیاسی اور فوجی دباؤ ڈالا جاتا رہا مگر آفریدی جرگہ جھکا نہیں۔

ادھر عجب خان حالات کا جائزہ لیتا رہا۔وہ انگریز کے اثر ورسوخ اور چالوں سے واقف تھا۔اس کی مال و دولت کی مار کو بھی جانتا تھا۔اس نے سوچنا شروع کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ فرنگی اپنی چالبازیوں سے قبائلی آبادی میں لالچ دلا کر اختلافات پیدا کر دے۔ہر ایک قبیلہ کو دوسرے کے خلاف کھڑا کر کے اور کسی غدار کو خرید کر عجب خان اور اس کے ساتھیوں کے خلاف اسے استعمال کرے،یہ سوچ کر اس نے یہی بہتر سمجھا کہ اس علاقہ سے نکل جائے۔لہٰذا وہ پانچوں ساتھی قبائلی علاقہ سے نکل کر افغانستان پہنچ گئے جہاں ان کی شہرت پہلے ہی پہنچ چکی تھی۔لیکن پھر بھی انگریز کا غصہ ٹھنڈا نہ پڑا۔عجب خان اور اس کے ساتھیوں کے خلاف نفرت کی آگ سینوں میں بھڑکتی رہی۔

انگریز نے حکومت افغانستان پر سیاسی دباؤ ڈالنا شروع کیا اور معاہدۂ ہند و افغان کی اس دفعہ کی آڑ لے کر کہ ایک ملک کے باشندے دوسرے ملک میں ہنگامہ آرائی نہیں کریں گے، مطالبہ کیا کہ عجب

خان اور اس کے ساتھیوں کو انگریزی حکومت کے حوالہ کیا جائے۔ اس معاہدہ میں اس طرح کی حوالگی کا کوئی ذکر نہ تھا لہٰذا حکومت افغانستان کا وہی جواب ہم اپنے مہمان کو دشمن کے حوالہ نہیں کرتے۔

مگر فرنگیوں نے اپنا سیاسی دباؤ بنائے رکھا اور جب افغانستان کے لئے یورپ سے اسلحہ کی ایک کھیپ ممبئی پہنچی تو انگریز نے اسے روک لیا۔ افغانستان کے لئے تمام درآمد ہندوستان کے راستہ سے ہی ہوتی تھی۔ اسلحہ کی رکاوٹ سے سنگین صورت حال پیدا ہوگئی۔ آخر حکومت افغانستان اس پر تیار ہوگئی کہ عجب خان اور اس کے ساتھیوں کو ہندوستانی سرحد سے دور روسی ترکستان کی سرحد پر بھیج دیا گیا اور وہاں ان کی رہائش کا بہتر انتظام و آراضی وغیرہ دے دی گئی۔ اس طرح وہ سب مستقل طور پر وہیں آباد ہو گئے۔ ۱۹۶۱ء میں عجب خان کا وہیں انتقال ہو گیا۔

آزادی اور قیام پاکستان کے بعد شہزاد خان کوہاٹ آیا تھا جو کسی موزی مرض میں گرفتار تھا۔ کچھ مدت تک میو اسپتال لاہور میں بھرتی رہا لیکن مرض میں کوئی افاقہ نہ ہوا اور وہیں ۱۹۶۷ء میں انتقال ہو گیا۔

فروری ۱۹۸۳ء میں مولی ایلس پاکستان آئی تھی۔ صوبہ سرحد کی حکومت نے اسے ہر طرح کی سہولت فراہم کی۔ وہ کوہاٹ میں اپنی ماں کی قبر پر بھی گئی اور چند آنسو ماں کی یاد اور عجب خان کی بلندیٔ کردار کی نذر کر کے وطن واپس چلی گئی۔ یہ ہماری مشترکہ جدوجہد آزادی کی ایک عجب کہانی ہے اور انگریزی بربریت کی کھلی نشانی ہے۔

افغانستان سے روسی پسپائی کے بعد وجود میں آنے والی تبدیلیاں

۱۹۶۶ء کے روسی آئین کے مطابق چار بنیادی تبدیلیاں لائی گئیں۔

☆ کومنٹرل انٹرنیشنل ازم کی جگہ نیشنل کیمونزم کو رائج کیا گیا (جس کے بعد دنیا بھر کی کیمونسٹ پارٹیاں روسی کیمونسٹ پارٹی کے سامنے جوابدہ نہیں رہیں)

☆ سوویت یونین کی جگہ کامن ویلتھ برائے انڈی پنڈنٹ اسٹیس کی تخلیق عمل میں آئی۔

☆ مسیحیت پر سے پابندی اٹھالی گئی مگر اسلامی سرگرمیوں کو مزید سخت گیر پابندیوں میں جکڑ دیا گیا۔

☆ بیرونی سرمایہ کاری کی اجازت دے دی گئی۔

تاجکستان اور آذربائیجان کی جنگ میں ہزاروں لوگ مارے گئے۔ازبکستان نے اپنی کرنسی جاری کرنے کی کوشش کی تو روس نے دبادیا۔ایران، ترکی اور یورپ نے وسطی ایشیا میں اپنا اثر بڑھانا چاہا تو روس نے انہیں خبردار کیا کہ یہ ریاستیں روس کا حصہ ہیں۔قزاقستان کی آزادی کی کوششوں کو بھی دبادیا گیا۔

امریکہ نے نیٹو کا اثر وہاں تک بڑھانا چاہا یعنی مشرقی یورپ اور قفقاز تک تو روس نے اس پر ناراضگی ظاہر کی۔روس نے بوسنیا کے مسلمانوں کے خلاف مظالم میں سربوں کی حمایت کی۔ پاکستان کے اس وقت کے مذہبی امور کے وزیر نے جب چیچن وفد سے ملاقات کی تو روس نے سخت احتجاج کیا۔وسطی ایشیا، قفقاز اور بالٹک پر آج بھی روسی قبضہ ہے۔

وسطی ایشیا کے مسلم ممالک اور روس

روسی توسیع پسندی کا پس منظر:

پہلی صدی ہجری کے بعد وسطی ایشیا کے دشت قبچاق اور قفقاز کے علاقوں پر مسلمان قابض تھے۔
چودہویں صدی عیسوی میں یہاں مسلمانوں کا اقتدار اپنے عروج پر تھا۔
اس وقت تک مشرق میں دریائے ینیسی سے مغرب میں وسط یورپ تک اور شمال میں سائبیریا اور یورپی روس کو چھوڑ کر جنوب میں ایران تک سارا علاقہ مسلمانوں کے پاس تھا۔ پندرہویں صدی عیسوی کے بعد بتدریج زوال شروع ہوا۔ روس اور وسطی ایشیا کے مسلمان پانچ سو سال تک دفاعی جنگ کرتے رہے۔

ساتویں صدی عیسوی میں جب مسلمان اس علاقہ میں آئے تھے۔ تو قفقاز کے شمالی علاقہ میں ترک قبائل آباد تھے۔ گوک ترک حکمرانوں نے چینیوں پر اپنی فتح کے کتبے منگولیا اور واخان کے مقام پر نصب کئے تھے جو ترکی زبان کی اولین ادبی تحریر ہے (۷۲۵ء سے ۷۳۵ء کے درمیان)۔

۷۲۵ء سے ۷۳۵ء کے درمیان کے بعد

ترکستان کا مشہور شہر 'مرو' حضرت عمر کے زمانہ میں احنف بن قیس نے فتح کیا۔ پھر امیر معاویہ کے زمانہ میں ۶۶۱ء/ ۴۱ھ تا ۶۸۰ء/ ۶۰ھ میں ایک ممتاز صحابی حضرت حاکم بن عمرو غفاری دریائے آمو کو پار کر کے ماوراء النہر میں داخل ہو گئے۔

اس کے بعد ولید بن عبدالملک ۷۰۵ء/ ۱۱۱ھ-۶۹۰ء/ ۸۶ھ کے دور حکومت میں قتیبہ بن مسلم باہلی نے کاشغر تک کا علاقہ فتح کر لیا۔ اس طرح ترکستان اسلامی دنیا کا حصہ بن گیا۔

مسلمان قفقاز میں دو راستوں سے داخل ہوئے۔ ایک ایشیا کو چک اور آرمینیا کے راستہ، دوسرے آذربائیجان اور دربند کے راستہ۔ یہ داخلہ حضرت عثمانؓ کے عہد ۶۴۵ء/ ۲۴ھ-۶۵۵ء/ ۳۵ھ میں ہوا۔

۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب اشتراکیت کے بعد اس کا اصل ہدف استنبول پر قبضہ کا رہا تا کہ وہاں سے گرم پانی تک پہنچا جا سکے۔ روس نے بحر اسود پر قبضہ کر لیا۔ ۱۷۷۶ میں ترکی سے براہ راست تصادم ہوا۔ روس نے عثمانی سلطنت کے مختلف یورپی صوبوں میں سلاوی نسل کی غیر مسلم آبادی سے ساز باز کر

کے بغاوتیں کروائیں اور ترکی پر دباؤ بنانا شروع کیا۔ باہر اپنی فوجوں کے ذریعہ دباؤ بنایا۔

۱۸۷۵ء میں پہلے ترکی کے صوبوں بوسنیا اور ہرزیگونیا میں اور پھر بلغاریہ میں بغاوت کرائی۔ بغاوت کا بہانہ وہی تھا جو آج کی یورپی اور امریکی طاقت کر رہی ہے۔ یعنی ترک غیر مسلم اقلیت پر ظلم کر رہے ہیں۔ ۱۸۷۶ء میں بلقان کی دو ریاستوں سدرپا اور مانٹی ہنگرو نے ترکی کے خلاف جنگ چھیڑ دی۔ سدوی فوجوں کی کمان ایک روسی کر رہا تھا۔ سدویوں کو شکست سے دوچار ہوتے دیکھ کر ۲۴ اپریل ۱۸۷۷ء کو روس نے ترکی پر حملہ کر دیا۔ سامراجی ملکوں کا یہ بہانہ کسی سرحد پر ختم نہیں ہوتا۔ ایک علاقہ کو اپنی سرحد محفوظ کرنے کے نام پر لے لیتا ہے پھر اسی مقصد کے تحت دوسرے علاقے ہڑپ کر لئے جاتے ہیں۔ روسی مسلمانوں نے ۱۹۰۵ء سے اپنے حقوق کے لئے جو سیاسی اور دستوری جدوجہد کی وہ تیس سال تک چلتی رہی (اشتراکی دور میں)۔ اشتراکیت نے بھی ظلم اور جبر کے سارے حربے مسلمانوں پر آزمائے۔ اشتراکی تلوار نے سارے حقوق کاٹ دیئے۔ روسی مسلمانوں نے اپنے حقوق کے لئے مسلح جدوجہد شروع کر دی تو لاکھوں مسلمانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ ہزاروں کو بھوکا مار ڈالا۔ آزادی کا یہ جذبہ بدترین مظالم کے باوجود دب نہ سکا۔ ۱۹۴۱ء میں جرمنی نے روس پر حملہ کر دیا تو مسلمان آزادی کی شرط پر جرمنوں کے ساتھ مل کر لڑے۔

ایک وقت ایسا بھی آ گیا جب دسمبر ۱۹۷۹ء میں سوویت روس نے افغانستان پر حملہ کر دیا۔ ۱۸۰۰ء میں زار پال اول نے ہندوستان پر فوج کشی کا منصوبہ بنایا۔ روسی فوج کے چیف آف اسٹاف کی پرانی دستاویز میں ہندوستان پر فوجی حملہ کے سینکڑوں منصوبے موجود ہیں۔

ہندوستان اور ان ملکوں پر جن کے راستہ ہندوستان پر آسانی سے حملہ کیا جا سکتا ہے روس کی دلچسپی بڑھتی گئی جو دسمبر ۱۹۷۹ء میں افغانستان پر حملہ کی شکل میں ظاہر ہوئی۔

۱۸۸۷ء میں روسی فوج کے ہیڈ کوارٹر کے رسالہ میں تین مضامین ہندوستان سے متعلق لکھے گئے۔

☆ ہندوستان پر حملہ ——از جنرل سبولیف

☆ ہندوستان کے فوجی اعداد و شمار ——از تائی سنہوزین

☆ سیاحت ہندوستان از کرانونوف

پوپوسکی اپنی کتاب Soviet Advance in Central Asia میں لکھتا ہے کہ بخارا اور افغانستان کے درمیان جو قریبی رابطہ ہے جس کا ہندوستان کو علم نہیں روس کی کوششوں سے مفید ثابت ہوگا۔

سر ہنری رالسن England and Russia in the East میں کہتا ہے، افغانستان اور روس کے قریبی تعلقات ہندوستان پر روسی حملہ کا پیش خیمہ نہیں ہو سکتے۔ یہ پیش قدمی کابل اور پیشاور کی راہ سے نہیں ہو سکتی۔ اس کے لیے ہرات اور قندھار کے راستے مناسب ہوں گے لیکن کابل پر روسی اثر ہندوستان میں محسوس کیا جائے گا۔

روس نے ۱۵۵۲ء میں قازان فتح کیا تو وہاں کے مسلمانوں کے خون کی ندیاں بہا دیں۔ ۱۸ویں صدی میں نوگی قبائل کی تحریک آزادی کو روسیوں نے بے دردی سے کچل دیا۔ ۱۹ویں صدی کے خاتمہ تک ترکمان روسی سلطنت کا حصہ بن گیا تو پوری آبادی برباد کر دی گئی۔ ۱۸۸۱ء میں جرنیل سکوبیلف نے گوگ تپ کی پوری آبادی کو علاقہ سے بھگا دیا۔ ۱۹۱۶ء میں خوقند کی پوری آبادی کو قتل کر دیا۔ ۱۹۳۰ء کے عشرہ میں دس لاکھ سے زیادہ لوگ قتل کر دیئے گئے۔ ۱۹۳۷ء میں پندرہ لاکھ مزدوروں کو زندہ درگور کر دیا گیا۔ ۱۹۴۳ء میں دس لاکھ سے زیادہ شیشان، انگوش کراشی، بلقان اور کریمیا کے لوگ جلاوطن کر دیئے گئے۔ ۱۷۸۱ء اور ۱۹۱۶ء کے درمیان دس لاکھ سے زیادہ تاتاری اتن یہی چرکس مغزل قفقاز سے سلطنت عثمانی کی طرف ہنکا دیئے گئے۔

۱۹۱۷ء کے انقلاب کے بعد تیس لاکھ کریمیائی، تاتاری، قفقازی شیکیتی ترک کالک بدھ اور وولگا جرمن کو ان کے علاقوں سے زبردستی نکال دیا گیا۔

اٹھارہویں صدی عیسوی میں صوفی برادری نے قفقاز سے جو مہم شروع کی تھی وہ انیسویں صدی تک چلتی رہی۔

۱۸۹۸ء میں وادی فرغانہ میں نقشبندیوں نے بغاوت کر دی۔ داغستان اور شیشان ۱۹۲۰ء سے ۱۹۲۴ء تک روس کے خلاف جنگ کرتے رہے۔

ساجی تحریک ۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۸ء تک چلتی رہی شیشان والوں نے ۱۹۴۱ء تک روسیوں کے خلاف جنگ کی۔

اس وقت کے مسلمان جانتے تھے کہ ۱۹۱۷ء کا اشتراکی انقلاب اور روسی قیادت میں کوئی فرق نہیں ہے۔ یہ وہی روس ہے جو انقلاب سے قبل بھی ان کا دشمن تھا، انقلاب کے بعد بھی دشمن ہے۔

۱۹۱۷ء میں سید حسن خاں نے روس کے خلاف بغاوت کی اور شہید ہو گئے۔

تقریباً ایک صدی تک باشکری جو سائبیریا کے آخری حکمراں قچر خان کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ قفقاز وغیرہ کے علاقوں میں جنگ کرتے رہے۔

انیسویں صدی عیسوی میں قبائلی سرداروں کی مزاحمت ختم ہوئی تو مسلمانوں کے مذہبی لیڈر میدان میں آ گئے۔ یہ تحریک سرداروں سے زیادہ متحد و منظم تھی۔ صوفی مسلک کے رہنما اس میں آ گے آ گے تھے، جس میں نقشبندی سلسلہ کے لوگ زیادہ تھے۔ اس میں قادری سلسلہ کے لوگ بھی شامل تھے۔ یہ تحریک ۱۹۲۳ء تک چلتی رہی۔ اس کے قائد اول شیشان کے امام منصور نقشبندی تھے۔

۱۷۸۵ء میں اس تحریک کے مجاہدوں نے دریائے سونژا کا پل اڑا کر کیتھرائن روم کے لشکر کو شکست دے دی تھی۔

بعد میں امام منصور کو گرفتار کر کے شہید کر دیا گیا۔ مجاہدوں نے تیس سال تک زیر زمین تحریک چلانے کے بعد ۱۸۲۰ء میں شیروان سے ایک بار پھر تحریک شروع کی۔

داغستان کے شیخ محمد آفندی نے جہاد کا اعلان کیا۔ ان میں غازی محمد اور امام شامل جیسے مدبر بھی تھے۔

روس نے صوفی تحریک پر پابندی لگا دی۔ اس کے بعد بھی نقشبندیوں اور شیشان کے لوگوں نے مقابلہ جاری رکھا۔ جنوبی ازبکستان اور ترکستان کے بعض علاقوں میں تھوڑے سے مسلمان ۱۹۳۰ء تک روسی جارحیت کا مقابلہ کرتے رہے۔ روس کے خلاف یہ جنگ ۱۹۲۰ و ۱۹۲۱ تک شمالی داغستان تک پھیل گئی۔ امام نجم الدین ۱۹۲۵ء تک روس کے خلاف لڑتے رہے۔ ۱۹۲۸-۱۹۳۴، ۱۹۴۰ اور ۱۹۴۲ء میں شمالی قفقاز میں لڑائی ہوتی رہی۔ ۱۹۴۰ء کی بے چینی کی پشت پر روس کے کئی قوم پرست ارکان بھی شامل تھے۔ بیداری کی یہ تحریک گذشتہ صدی میں عثمانی مملکت سے چلی اور عرب دنیا سمیت پورے عالم اسلام میں پھیل گئی۔

اس تحریک کے بڑے قائد عبدالحق حمید ۱۸۵۱ سے ۱۹۳۷ء تک شیخ محمد تعبدہ ۱۸۴۰ء سے ۱۹۰۵ تک، توفیق فکری ۱۸۷۰-۱۹۱۵ تک اور سید رضا شامل تھے۔

روس-افغان تعلقات

روسی گورنر جنرل نے امیر شیر علی خان کو ایک خط لکھا جس میں امیر شیر علی خاں کو سٹولی ٹوف کی باتوں پر یقین کرنے کی تلقین کی۔ امیر نے روس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا۔

۱۸۷۸ء میں دونوں ملکوں نے ایک معاہدہ پر دستخط کر دیئے جس میں روس نے امیر افغانستان کو انگریز کے خلاف مدد کا وعدہ کیا۔ امیر نے اپنی ناپختہ سیاسی فکر کی بنیاد پر روس پر بھروسہ کر لیا۔'' ڈاکٹر

یاورسکی'' جوروسی وفد کے ہمراہ تھا،لکھتا ہے کہ اگر روسی گورنر جرنیل کا خط اور ہماراوفد کابل نہ جاتا اور اس سادہ لوح انسان کوانگریزوں کے خلاف تیار نہ کرتا تو یقیناً جس جنگ کا ہم مشاہدہ کر رہے ہیں کبھی نہ ہوتی۔ اسی طرح دوسری اینگلو افغان جنگ بھی روسی سازشوں کے نتیجہ میں شروع ہوئی۔ اس کا بنیادی مقصد حکومت برطانیہ کوافغانوں کے ذریعہ پریشانیوں میں ڈالنا تھا۔ دوسرا سبب یہ تھا کہ روس کوافغانوں سے جوخطرہ تھا اسے بھی دور کرنا تھا۔

روس چاہتا تھا کہ برطانیہ کووسط ایشیا میں پھنسایا جائے جہاں اس کا مقابلہ روس کے لیے آسان ہوگا۔

۱۸۷۸ء میں معاہدہ برلن کے تحت روس اور برطانیہ میں تعلقات بہتر ہو گئے تو وسط ایشیا کا میدان روس کے لیے خالی ہو گیا۔

معاہدہ برلن کے بعد روس نے امیر شیر علی خاں سے کئے گئے معاہدہ کوفراموش کر دیا اور روس نے جو وعدے کئے تھے، جن میں فوجی مدد بھی تھی، ان کو رد کر کے اپنے نمائندہ کو کابل سے واپس بلا لیا۔

اس طرح جرنیل سٹولی ٹوف اور سیفر برسٹ نے کابل سے روانگی کے وقت یہ یقین دلایا کہ جلد ہی وہ تیس ہزار فوج لے کر واپس آ جائیں گے۔ وفد نے حکومت افغانستان کو دھوکہ میں رکھ کر اپنی جان بچائی۔

روس کی اس دورخی سیاست سے پتہ چلتا ہے کہ مشرق، یورپ اور مغرب کی سامراجی طاقتیں تاریخ کے ہر دور میں برصغیر میں عام طور پر اور افغانستان خاص طور پر جارحانہ انداز اپناتی رہی ہیں جس کا مظاہرہ آج امریکہ اور یورپ کر رہا ہے۔

روس کے جانے کے بعد افغانستان کے مشرقی صوبوں میں برطانیہ نے اپنی مداخلت شروع کر دی۔ مگر روسی اخبارات یہ پروپیگنڈہ کرتے رہے۔ برطانیہ اور افغان جنگ ۱۶۷۹ء کے موسم بہار سے پہلے شروع نہ ہوگی۔

انگریز جلال آباد اور اس کے گردونواح پر قابض ہو گئے۔ امیر شیر علی نے جب روس سے مدد مانگی تو روس نے مشورہ دیا کہ انگریز کے ساتھ جنگ سے گریز کرو اور صلح وصفائی کر لو۔

ڈاکٹر یاواسکی کے بطور افغانستان کی تاریخ میں امیر شیر علی کی سادہ لوحی کی داستانیں بیان کی ہیں۔

روس کے سارے وعدے جھوٹے تھے۔ روس چاہتا تھا کہ انگریز افغانستان پر قابض ہو جائیں تا کہ ترکستان اور وسط ایشیا کے دیگر علاقوں پر روس کی گرفت مضبوط ہو جائے۔

برطانیہ اور روس کا کہنا یہ تھا کہ ترقی یافتہ ممالک اپنے پڑوس میں کمزور ملک کو برداشت نہیں کر سکتے۔
امیر دوست محمد خاں کا دور مختصر تھا۔ اس کے بعد امیر یعقوب خاں بھی روس کے پرفریب وعدوں میں گرفتار رہا۔ انگریزوں نے امیر یعقوب خاں کو ہندوستان چلتا کر دیا تو اس کے بعد امیر عبدالرحمان خاں نے حکومت کی ذمہ داری سنبھالی۔

امیر عبدالرحمٰن خاں اور روس

امیر عبدالرحمٰن خاں کئی سال سمرقند میں قیام کر چکا تھا۔ اس لیے وہ روسی چالوں سے بخوبی واقف تھا۔ امیر شیر علی اور امیر دوست محمد خاں کے ساتھ روسی بدعہدیوں سے بھی امیر عبدالرحمٰن خاں خوب واقف تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ روس کے ساتھ دوستی رکھنا بڑی غلطی ہوگی۔ انہوں نے روس سے ہر طرح کے تعلقات توڑ لیے۔ سرحد پر تعینات اپنے جوانوں کو حکم دیا کہ روسیوں کو افغانستان میں داخل ہونے سے روکا جائے۔ امیر کے ان احکامات کے باوجود (کے۔ جے۔ بی۔) کے جاسوس افغانستان میں داخل ہوتے تھے جن کو بعض قبائلی سرداروں کی حمایت بھی ملتی تھی۔
امیر عبدالرحمٰن خاں کے اس طرز عمل نے روس کو مشکل میں ڈال دیا۔ وہ سرحدی جھڑپوں سے بھی بچنا چاہتا تھا تاکہ روس کو حملہ کا بہانہ نہ ہاتھ آ جائے۔
روس نے پنجدہ پر قبضہ کا منصوبہ بنایا۔ امیر عبدالرحمٰن خاں جب وائسرائے ہند کی دعوت پر راولپنڈی گئے تو تیسرے دن روسی فوجوں نے پنجدہ پر قبضہ کا افغان محافظوں کو الٹی میٹم دے دیا۔ ۱۸۷۲ء کے معاہدہ کے تحت پنجدہ کو افغانستان کا علاقہ تسلیم کیا گیا تھا۔ افغان جرنیل تیمور شاہ اور جرنیل شاہ مراد خاں نے روسی فوجوں کا مقابلہ نہیں کیا۔ مگر جرنیل کماروف نے تین ہزار فوجیوں کے ساتھ پنجدہ پر حملہ کر دیا۔ اب افغان فوج نے مجبوراً روسی فوجوں کا مقابلہ کیا جس میں ایک ہزار روسی مارے گئے۔ تین سو افغان فوجی شہید ہو گئے۔ ۸۳ زخمی ہو گئے مگر افغانیوں کو شکست ہوگئی اور پنجدہ پر روس کا قبضہ ہو گیا۔
روسی جارحیت کے بعد ساری دنیا کے مسلمانوں کی ہمدردیاں افغانوں کے ساتھ ہو گئیں۔
پشاور پنجاب اور سندھ کے مسلمان جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر افغانستان کی مدد کے لیے سر سے کفن باندھ کر تیار ہو گئے۔ مگر امیر عبدالرحمٰن خاں نے ان کو روک دیا جو ایک بڑی غلطی تھی۔ اس لیے کہ اس وقت روس کسی بڑی فوجی طاقت کا مالک نہ تھا۔
امیر کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر روس نے ذوالفقار اور رباط پر بھی قبضہ کر لیا اور مزید پیش قدمی

کا منصوبہ بھی بنالیا۔

امیر عبدالرحمٰن خاں نے وائسرائے ہند سے مذاکرات کے بعد روس سے کہا کہ وہ ذوالفقار کے بدلہ پنجدہ سے دستبردار ہونے کو تیار ہے۔ روس نے امیر کی بات مان لی اور ذوالفقار خالی کر دیا۔ مگر اس کے بعد بھی روسی خلاف ورزیاں جاری رہیں اور بعض سرحدی علاقوں کو اپنے میں ضم کر لیا۔

۱۸۹۲ء میں پامیر پر قبضہ کے لیے روس نے جرنیل ایوانوف کی قیادت میں فوجیں روانہ کیں۔ افغانوں اور روسی فوجوں کے درمیان شدید جنگ ہوئی۔ آخرکار پامیر کو دو حصوں میں تقسیم کر کے کچھ حصہ روس کے حوالہ کرنا پڑا۔

طویل بات چیت کے بعد حکومت افغانستان نے دریائے آمو کے شمالی علاقہ پر روس نے جو قبضہ کر رکھا تھا روس کے ساتھ سرحد کے تعین پر آمادگی ظاہر کی۔ سرحد کی حد بندی کے بعد بھی روسی خلاف ورزیاں جاری رہیں۔

گرب چوفسکی نے اپنی کتاب میں لکھا ۱۸۲۸ یعنی پنجدہ پر قبضہ کے دو سال بعد زار روس کے الیگزنڈر سوم نے بلخ کے گورنر کو امیر عبدالرحمٰن خاں کی مخالفت پر اُکسایا۔ روسی حکام نے وہاں کے گورنر محمد اسحاق خاں کو دس ہزار بندوقیں دس لاکھ کارتوس اور ایک لاکھ روبل (روسی سکہ) امداد کے طور پر دیئے۔

غزنی کے مقام پر امیر عبدالرحمان نے اسے شرمناک شکست دے کر روسی منصوبہ کو ناکام بنادیا۔

امیر عبدالرحمٰن خاں ۱۹۰۱ء میں وفات پا گئے۔

امیر حبیب اللہ خان اور روس

امیر حبیب اللہ خاں روس و افغانستان کی پچھلی تاریخ سے واقف تھے۔ امیر کے برسر اقتدار آتے ہی روس نے بیس ہزار فوج ایران سے مختلف شہروں میں پہنچا دی۔ استرآباد اور تبریز روس کے قبضہ میں تھے۔

دولت عثمانی بھی اس وقت اندرونی خلفشار کا شکار تھی۔ اٹلی کی بھی کوشش تھی کہ کردوں کو ترکی کے خلاف کھڑا کر دیا جائے۔ اٹلی کے خلاف سلطنت عثمانیہ کی مدد کے لیے امیر حبیب اللہ خاں نے چندہ جمع کیا۔

روسی فوجیں ایران میں قتل عام کر رہی تھیں۔ پڑوس کے عرب ممالک خاموش تماشائی تھے۔ ایران کے خلاف روسی کاروائی پر مسلم ممالک خاموش تھے۔ روسی مظالم سے بچنے کے لیے ہزاروں ایرانی مشہد میں امام رضا کے روضہ میں پناہ لیے ہوئے تھے۔ روسیوں نے ان کے روضہ پر بھی گولہ باری کر دی۔

روس کے مظالم کے خلاف افغانستان کا اخبار سراج الاخبار الافغانیہ کبھی کچھ لکھتا تھا۔ ایران پر قبضہ کے بعد روس گرم سمندر تک پہنچنا چاہتا تھا۔

روس نے ایران وافغانستان کی سرحد پر اپنے جاسوس چھوڑ رکھے تھے۔ افغانستان میں جاسوسوں کا جال پھیلایا گیا۔ قومی اور قبائلی سرداروں کے علاوہ اعلیٰ افسروں کو خریدا گیا۔ روسی اور برطانوی قونصلر مشہد میں اس تحقیقات میں لگے تھے کہ ایران وافغانستان میں خفیہ خط وکتابت تو نہیں ہے، روس نے پھر افغانستان سے مطالبہ کیا کہ ذوالفقار کا علاقہ اسے واپس کردے جس کو حکومت افغانستان نے رد کر دیا۔

آخر روس نے حبیب اللہ خاں کو ایک تجارتی معاہدہ پر راضی کرلیا۔ اس کے بعد افغان سرمایہ داروں کو روس نے اپنے قبضہ میں کرلیا اور ان کی مدد سے اپنے جاسوسی کے جال کو پھیلایا۔ افغان تاجروں کو روس نے کافی مراعات عطا کردیں۔

جب روس نے اس راہ سے افغانستان میں اپنے ایجنٹ پیدا کر لیے تو اس نے ایک طرف تو بخارا پر حملہ کر دیا اور دوسری طرف امیر حبیب اللہ خاں کو قتل کروادیا۔ یہ کام روس اور برطانیہ نے مل کر کیا۔ اس لیے کہ یہ دونوں امیر حبیب اللہ خاں کے عمل میں اتحاد بین المسلمین کا خطرہ محسوس کر رہے تھے۔

(فروری ۱۹۱۹ء میں امیر حبیب اللہ خاں کا قتل)

غازی امان اللہ خاں اور روس

امیر امان اللہ خاں ۲۷ سال کی عمر میں فروری ۱۹۱۹ء میں کابل میں تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوئے۔ وہ خوبصورت اور خوش شکل انسان تھے۔ ٹینس کے اچھے کھلاڑی تھے۔ عوامی ذہن ومزاج کے آدمی تھے۔ وہ اپنے کو دوسروں سے الگ اور بالاتر نہیں جانتے تھے۔ تخت نشینی سے قبل عام افغانوں کے ساتھ ان کا اٹھنا بیٹھنا تھا۔ جب وہ بادشاہ بن گئے تو بھیس بدل کر غریبوں کا لباس پہن کر چائے خانوں میں جاتے اور عوام سے موجودہ حکومت کے بارہ میں بات کرتے۔ اس طرح وہ اپنی حکومت کے بارہ میں لوگوں کے خیالات سے آگاہ ہوگئے۔

انگریز ان کے طور طریقوں سے واقف تھا۔ لہٰذا وہ ان کی تخت نشینی سے خوش نہ تھا۔ اس کی طرف سے ان کے خلاف پروپیگنڈہ مہم بھی چل رہی تھی جس میں امیر حبیب خاں کے قتل میں ان کے ہاتھ کا بھی ذکر تھا مگر عوام نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔

امان اللہ خاں نے تخت نشینی کے دسویں دن ۳ مارچ ۱۹۱۹ء کو وائسرائے ہند کو خط لکھا اور حکومت

برطانیہ سے مطالبہ کیا کہ وہ ان کو ایک آزاد اور خود مختار بادشاہ تسلیم کرنے کا اعلان کرے۔ حکومت برطانیہ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ امان اللہ خان نے ایک مہینہ تک حکومت برطانیہ کے جواب کا انتظار کیا۔ اس بیچ انگریزی پروپیگنڈہ اور اس کے گھنونے عزائم کا بھی جائزہ لیتا رہا۔

۷/اپریل کو اس نے سوویت یونین کے سربراہ ولادیمیر لینن کو اپنی آزاد سلطنت تسلیم کرنے کے لیے خط روانہ کیا۔ لینن نے اچھے انداز میں خط کا جواب دیا۔ اس کو آزاد بادشاہ کی حیثیت سے تسلیم کیا اور ضرورت پڑنے پر ہر طرح کی مدد کا بھی وعدہ کیا۔

اس جواب کے آتے ہی امان اللہ خاں نے جرنیل شاہ ولی خان کی قیادت میں ایک سرکاری وفد یعنی سفارتی مشن ماسکو روانہ کیا جو امان اللہ خاں کا خصوصی پیغام لینن کے لیے لے گیا۔ شاہ ولی خان کو یہ اختیار بھی دیا گیا کہ وہ دونوں ملکوں کے باہمی مفادات اور دوستانہ تعلقات کو فروغ دینے کی بنیادیں تیار کریں۔

افغان نمائندوں نے دونوں ملکوں کے درمیان سرکاری تعلقات سے متعلق پہلا سوال اٹھایا۔ ۲۱ مئی ۱۹۱۹ء کو لینن نے امان اللہ خاں کے ۷/اپریل کے پیغام کو وصول کیا اور ۲۷ مئی کو امان اللہ خاں کو اس کا جواب بھیج دیا جس میں سوویت یونین اور افغانستان کے درمیان سفارتی تعلقات کی منظوری دے دی گئی۔ لینن نے اپنے خط میں یہ بھی کہا ہے کہ دونوں ملکوں کے سفارتی تعلقات کے بعد اس کی آزادی اور جابر قوتوں کے ناجائز قبضہ اور دباؤ کے خلاف باہمی امداد کے وسیع مواقع حاصل رہیں گے۔ افغانستان کے پہلے سوویت سفیر ج۔ میرفس کا لینن نے خود انتخاب کیا۔

روس سے امان اللہ خاں کے دوستانہ تعلقات پر برطانیہ نے سخت برہمی ظاہر کی۔ مگر امان اللہ کی خوش قسمتی یہ تھی کہ ہندوستان کے حالات خود بہت بگڑ گئے تھے۔ ۱۳/اپریل ۱۹۱۹ء کو ہولی کے موقع پر امرتسر کے جلیان والا باغ میں نئے قانون رولٹ ایکٹ کے خلاف ہو رہے جلسہ پر جرنیل ڈائر نے فائرنگ کا حکم دیا۔ ۱۳۷۹ افراد جاں بحق ہو گئے۔ بارہ سو لوگ زخمی ہو گئے۔ اس مجمع میں بوڑھے، جوان اور بچے بھی موجود تھے۔ اس ظالمانہ کارروائی پر پوری دنیا حیران رہ گئی اور پورے ملک میں ہیجان برپا ہو گیا۔

گاندھی جی اور مولانا محمد علی جوہر اس جلسہ کے روح رواں تھے۔ زبردست احتجاج کیا اور ایک ہندوستانی مسلمانوں کا وفد امان اللہ خاں کے پاس روانہ کیا۔

وفد کے ارکان نے امان اللہ خاں سے کہا، برطانوی حکومت نے آپ کے مسلمان بھائیوں پر ظلم و ستم کا بازار گرم کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ بغداد سمیت مسلمانوں کے مقدس مقامات پر بھی قبضہ کر لیا

ہے۔ہم انگریزوں کے خلاف جہاد کرنا چاہتے ہیں۔آپ بھی ایک سچے مسلمان کی طرح اس مذہبی فریضہ میں شریک ہو کر جہاد کا اعلان کریں۔

امان اللہ خاں نے یہ سن کر فوری طور پر لویا جرگہ منعقد کرنے کا اہتمام کیا۔ملک کے کونے کونے سے قبائلی سرداروں علماء اور بزرگوں کو دعوت نامے جاری کئے۔ جب جرگہ منعقد ہوا تو امان اللہ خان نے انگریزوں کے مظالم کے بارے میں پر جوش تقریر کی۔یہ تقریر اتنی رقت آمیز تھی کہ سننے والے بھی رو رہے تھے اور ان کی آنکھوں سے بھی آنسو رواں تھے۔لوگ جذبہ جہاد سے سرشار ہو کر اللہ اکبر کے نعرے لگا رہے تھے۔امان اللہ خاں کی تقریر کے بعد علماء نے جہاد کا فتویٰ دے دیا۔جرگہ کے اراکین نے اپنے وطن اسلام اور اپنے ہندوستانی مسلمان بھائیوں کی آزادی کے لیے ہر طرح کی قربانی جانی و مالی کا عہد کیا۔

افغانوں نے امیر امان اللہ خاں کی توقع سے بڑھ کر شوق جہاد کا مظاہرہ کیا۔اسکولوں اور کالجوں کے طلباء نے برطانوی قونصل خانہ پر زبردست پتھراؤ کر کے اپنے غم و غصہ کو ظاہر کیا۔

۱۵ر دسمبر ۱۹۱۹ء کو ایک روسی وزیر نے افغانستان کا دورہ کیا۔اس نے امان اللہ خان کو روس سے دور رہنے کا مشورہ دیا کیونکہ وہ اشترا کی نظام حکومت کا مخالف تھا۔کچھ مدت بعد اس نے اپنے عہدہ سے استعفیٰ دے دیا اور افغان شہریت کی درخواست دی لیکن سوویت انٹیلی جنس Okhrava اور چیکا نے اسے غزنی میں قتل کر دیا۔

۳ر جولائی ۱۹۲۱ء کو افغانستان میں روسی سفیر نے یقین دلایا کہ وہ دشمن کی باتوں پر دھیان نہ دے۔ سوویت یونین افغانستان سے بہتر تعلقات کا خواہشمند ہے۔ ۲۸ فروری ۱۹۲۱ء کو روس اور افغانستان کے درمیان ایک فوجی معاہدہ پر دستخط ہو گئے۔اس کے پانچ سال بعد ۳۱ر اگست ۱۹۲۶ء کو دونوں ملکوں کے درمیان عدم جارحیت کا معاہدہ ہو گیا۔

جب روس نے بخارا پر حملہ کیا تو امان اللہ خاں نے روس سے دوستانہ تعلقات کے باوجود بخارا کے لوگوں کی درخواست پر اپنی فوج بھیج دی۔لیکن سوویت یونین نے بخارا کے لوگوں کو آپس میں لڑا کر کمزور کر دیا۔آخر کار افغان فوج واپس بلا لی گئی۔ بخارا کے امیر سید عالم خان بھی مجبور ہو کر کابل آ گئے۔اس وقت کے ایک اور کمانڈر انور بے نے، جو کہ سلطان عبدالحمید خان کے داماد تھے، مسلمانوں کی قیادت سنبھالی لیکن سوویت انٹیلی جنس Okhrava نے انہیں عید کے دن شہید کرا دیا۔

روسی ترکستان کے خارجہ کمیشن کی طرف سے حکومت افغانستان کو جو مراسلہ بھیجا گیا، وہ عالی قدر امیر امان اللہ خاں السلام علیکم سے شروع ہوا اور کہا گیا کہ ہم سوویت یونین کی طرف سے آپ کو یقین

دلاتے ہیں، ہم نے فیصلہ کیا ہے کہ ترکی اور ایران میں امن قائم کرنے کی بھرپور کوشش کریں گے اور وہ تمام معاملات جو برطانیہ کے ساتھ اس سلسلہ میں تھے، انہیں منسوخ کرنا چاہتے ہیں۔ ہم افغانستان میں بھی امن کے قیام کے حامی ہیں اور وسطی ایشیا کے ممالک سے بہتر تعلقات قائم کرنے کے حق میں ہیں۔
(یوکو یاوسیسکی، مارچ ۱۹۱۹ء)

روس نے اس معاہدہ کے بعد بخارا پر قبضہ کرلیا۔ پھر وہاں روس نے جاسوسی اداروں کے ذریعہ تخریبی کارروائیاں شروع کردیں۔

دو سال بعد سوویت یونین نے روسی رہنما لینن کے فیصلے کے مطابق افغانستان کو وہ تمام علاقے واپس کردیئے جائیں گے جو ماضی میں افغانستان کے تھے۔ (۱۸ رفروری ۱۹۲۱ء کو یہ اعلان کیا)

۱۹۲۱ء ہی میں امان اللہ خاں نے دو روسی اداروں سوویت اسٹیٹ ٹریڈنگ کمپنی اور اسٹیٹ بینک کو کابل میں کام کرنے کی اجازت دے دی۔

ٹریڈنگ کمپنی کے قیام کے ساتھ ہی روسی ماہرین افغانستان میں سڑکوں اور عمارتوں کی تعمیر میں لگ گئے۔

اس کے علاوہ روسی فوجی افغان فضائیہ کے جوانوں کو تاشقند میں تربیت دینے لگے۔ ۱۹۲۱ء سے ۱۹۲۴ء تک روس-افغان تعلقات تیز رفتاری سے آگے نہ بڑھ سکے اور ۱۹۲۵ء میں اچانک دریائے اوکس کے ایک جزیرہ کی ملکیت پر دونوں میں ٹھن گئی۔ شروع میں روس نے افغانستان کو دبانے کی کوشش کی لیکن بعد کو کمیونسٹ تکنیک کے تحت جزیرۂ افغانستان کی ملکیت تسلیم کرلی۔

اس کے بعد افغانستان میں ایک زمانہ سے روسی نسل کے کچھ لوگ رہ رہے تھے۔ ماسکو نے ان کو بغاوت پر اکسانا شروع کردیا۔ ماسکو ریڈیو نے ان باشندوں کو مظلوم ترین گروہ کی شکل میں پیش کرنا شروع کردیا۔ لیکن جنوبی افغانستان میں پکتیا کے باشندوں نے اس معاملہ میں روس کا ساتھ نہیں دیا اور روس کو منہ کی کھانی پڑی۔

۱۹۲۶ء میں روس نے پھر افغانستان سے معاہدہ کیا کہ روس افغانستان پر حملہ نہیں کرے گا۔

۱۹۲۷ء میں کابل اور تاشقند کے درمیان ہوائی سروس شروع ہوگئی۔

۱۹۲۸ء میں روس نے افغانستان میں ریلوے لائن بچھانے کا کام شروع کیا یہ کام گوشک اور ترمز میں جلد ہی پائے تکمیل کو پہنچ گیا۔

غازی امان اللہ خاں کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے ملک کو ایک آئین دیا۔ اس میں تمام اقلیتوں

کوتحفظ فراہم کرایا۔

اسلام افغانستان کا دین قرار پایا۔

بادشاہ دین اسلام کا خادم اور ملک کا سربراہ ہوگا۔ ملکی معاملات کے لیے وزراء کی کونسل قائم کی۔ ہر وزیر قوم کے سامنے جوابدہ ہوگا۔

افغانستان میں رہنے والے تمام لوگ باہم برابر ہوں گے۔

افغانستان کے ہر شخص کو شخصی آزادی حاصل ہوگی۔ کسی کو ان کی آزادی چھیننے کا حق نہ ہوگا۔ قانون اور عدلیہ کے بغیر کوئی کسی کو سزا نہیں دے سکتا۔

کسی کو غلام بنانا یا قید میں رکھنا منع ہوگا۔

تمام اخبار قانون کے مطابق آزاد ہوں گے۔

سب کو یکساں تعلیم حاصل کرنے کی سہولت ہوگی۔

تمام تعلیمی ادارے حکومت کی نگرانی میں ہوں گے اور نصاب تعلیم اقلیتوں کے عقائد کے خلاف نہ ہوگا۔

عدالتیں ہر قسم کے دباؤ سے آزاد ہوں گی۔

ججوں کا تقرر آئین کے مطابق ہوگا۔

ہر شخص کے لیے تعلیم لازمی ہوگی۔

شوریٰ کی طرف سے منظور کیا گیا قانون رد کرنے کا اختیار کسی کو نہ ہوگا۔

امان اللہ خاں کے بعد نادر شاہ نے بادشاہ ہوتے ہی اصلاحات کی جانب توجہ کی اور تمام اہم عہدے اپنے خاندان میں تقسیم کر دیئے۔ ایک طرف وہ مغرب کا دوست تھا، دوسری طرف روس سے بھی فائدہ لیتا رہا۔ اس طرح روسی ماہرین کی بڑی تعداد افغانستان پہنچ گئی۔

جنوبی افغانستان کے کچھ لیڈروں کے رویہ سے ۱۹۳۰ء میں روس اور افغانستان کے تعلقات میں تلخی پیدا ہونے لگی تھی جس کو نادر خان کی معاملہ فہمی اور دور اندیشی کے نتیجہ میں اعتدال پر لے آیا گیا۔

۱۹۳۱ء میں نادر شاہ اور روسی حاکموں کے درمیان معاہدہ ہوا جس میں دونوں ملکوں نے ایک دوسرے کی سرحدوں کی خلاف ورزی نہ کرنے کا عہد کیا۔

۱۹۳۲ء میں نادر شاہ کا قتل ہو گیا اور ظاہر تخت کے وارث قرار دیئے گئے۔

ظاہر شاہ اور روس

ظاہر شاہ بھی اپنے باپ کی طرح مغرب اور روس کی کشتیوں پر سوار ہو کر آگے بڑھنا چاہتا تھا۔ دنیا کے حالات تیزی سے بدل رہے تھے۔ روس کی گرفت افغانستان پر مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ اس لیے اس کا غیر جانبدار رہنا مشکل تھا۔ مگر اس کے باوجود ظاہر شاہ نے عراق، ایران اور ترکی کے ساتھ اسعد آباد معاہدہ پر دستخط کر دیئے اور ایک دوسرے کے مفادات کے تحفظ کا فیصلہ کیا۔

۱۹۶۱ء میں ماسکو برطانیہ اور ایران نے ظاہر شاہ پر دباؤ ڈالا کہ وہ ترکی، جرمن، جاپانی اور اٹلی کے ماہروں کو اپنے ملک سے نکال دے۔ اس طرح افغانستان کی غیر جانبدارانہ پالیسی ختم ہو گئی اور ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۷ء تک روس اور افغانستان کے تعلقات میں مزید اضافہ ہو گیا۔

۱۹۴۷ء میں روس نے افغانستان کو اقوام متحدہ میں پاکستان کی رکنیت کے مسئلہ پر پاکستان کے خلاف ووٹ دینے کو کہا تو افغان نمائندہ نے پاکستان کے خلاف ووٹ دیا۔ افغانستان نے مسئلہ کشمیر پر بھی پاکستان کی حمایت کبھی نہیں کی۔

۱۹۴۸ء تک روس اور افغانستان کے تعلقات نیا رخ اختیار کر گئے۔

دونوں ممالک نے ایک مشترکہ سرحدی کمیشن قائم کیا مگر ان تمام معاہدوں کو نظر انداز کر کے روس نے ہمیشہ اپنی جارحیت کو جاری رکھا اور تخریب کاروں کے گروہ افغانستان میں بھیجتا رہا۔ ۱۹۵۰ء میں روس نے ایک اور تجارتی معاہدہ کیا۔

جب سردار داؤد وزیر اعظم بنا تو افغانستان اور پاکستان تعلقات زیادہ بگڑ گئے۔ ماسکو کے اشارہ پر اس نے پختونستان کے مسئلہ کو ہوا دی۔

۱۹۶۹ء میں، میں یعنی عاطف کابل میں خان عبدالغفار خان سے ملا تھا۔ وہ ہندوستان سے کافی رقم لے کر گئے تھے۔ یہاں کے اخباروں نے ان پر اس رقم کو الفتح کو دیئے جانے کے الزامات لگائے تھے۔

میں نے ان سے جب پوچھا تو انہوں نے کہا، یہ چھوٹے لوگ ہیں، مجھے ہندوستان اس لیے بلایا گیا تھا کہ میں دلّی میں رہ کر پختونستان کی لڑائی لڑوں۔ ہمارے ہندوستانی دوست اور پاکستان کے حکمراں دونوں بے وقوف ہیں۔ میرا پختونستان کا مطالبہ صرف نام کی حد تک ہے۔ اس لیے کہ پاکستان کے سبھی صوبے صوبہ سرحد ہیں۔ اگر بلوچستان کے نام سے الگ ملک نہیں بن سکتا تو پختونستان سے الگ ملک کیسے بنے گا؟

دوسرا میرا مطالبہ حکومت پاکستان سے یہ ہے کہ ابھی کچھ مدت تک وہ اس علاقہ میں پنجابی افسروں کو تعینات نہ کرے اس لیے کہ انگریز کے زمانہ کی ابھی تلخیاں باقی ہیں۔ پختون آزادی کی لڑائی لڑ رہے تھے تو انگریز کی فوج کے بہت سے پنجابی افسران پر گولیاں چلاتے تھے جس میں کسی کا بھائی، باپ اور بیٹا مارا گیا ہے۔ آنے والی نئی نسل اس کو بھول جائے گی اور نفرت ختم ہو جائے گی۔

روپیہ کے بارہ میں انہوں نے کہا کہ میں نے افغانستان کے دیہاتوں کا دورہ کر کے وہاں اسکول کھلوائے ہیں اور صوبہ سرحد کے دیہاتوں میں، اسکولوں کے قیام پر ہندوستان سے ملنے والی رقم کو خرچ کیا گیا ہے۔ الفتح کے پاس اتنے فنڈ ہیں کہ ہماری رقم کی ان کو ضرورت نہیں ہے، نہ ہی یہ رقم ان کی ضروریات کے لیے کافی ہوتی۔

خان عبدالغفار خان کے ہمارے بزرگوں سے روابط تھے اس لیے مرحوم نے ہم کو پذیرائی بخشی اور کابل میں ہونے والے پختون جرگہ میں بھی شریک کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند کرے۔ کاکا خان ان کے سکریٹری تھے۔

۱۹۵۶ء کے معاہدہ کے مطابق روس افغانستان کو دس کروڑ ڈالر امداد دے گا۔ اس معاہدہ کے تحت بین الاقوامی دہشت گردی کے اصول پر دونوں ممالک عمل کریں گے اور بنڈونگ کانفرنس کو خاص اہمیت دیں گے۔ چین کے اقوام متحدہ میں داخلہ کے لیے مشترکہ کوشش ۱۹۳۱ء کے معاہدہ کی دس سال کے لیے توسیع کردی گئی جس میں ایک دوسرے کی سرحدوں کی حفاظت کا اعلان تھا۔

۱۹۵۶ء میں صدر داؤد نے روس کا دورہ کیا اور روس سے مزید اسلحہ کی درخواست کی۔ ۱۹۶۰ء تک افغانستان نے مغرب کے ساتھ بہتر تعلقات کے باوجود روسی ماہرین کی خدمات حاصل کیں۔

۱۹۶۶ء میں ظاہر شاہ کے زمانہ میں ایسے حالات پیدا ہو گئے کہ کابل یونیورسٹی میں نماز ادا کرنا دشوار ہو گیا۔ ملحدانہ کمیونزم کی یلغار خطرہ کے نشان کو پار کر گئی۔

اس صورت حال میں علماء میں بے چینی تو تھی مگر قبلہ نما کی سوئی قبلہ رو ہونے سے عاری رہی۔ علماء خان اشاروں میں دل کا غبار نکالتے رہے۔ عوام میں شعور و حرکت پیدا کرنا ان کے بس کی بات نہ تھی۔ گویا:

جنگ اور نازک کلائی پیچ ہیں تقدیر کے
مڑ نہ جائے گی نگوڑی بوجھ سے شمشیر کے

بس تحریک اسلامی کا نعرہ کابل یونیورسٹی سے بلند ہوا۔ اس کے بانی فیکلٹی آف شریعت کے چیئرمین

غلام محمد نیازی تھے۔

ظاہر شاہ کے بعد داؤد برسر اقتدار آئے۔ اس نے تحریک اسلامی کے زیادہ تر لوگوں کو شہید کروادیا۔ مسلم طلبا پر مظالم کے پہاڑ توڑے گئے۔ مسلم خواتین بھی ظلم کا شکار بنیں۔ مگر اس کے بعد بھی تحریک اسلامی کی شمع خاموش نہ ہو سکی۔ ہزاروں افراد پاکستان کی طرف ہجرت کر گئے اور داؤد کے خلاف تحریک چلاتے رہے۔

۱۹۳۱ء میں دستور بنایا گیا۔ اس دستور میں تمام تر اختیارات شاہ، سینٹ اور ایوان زیریں کو دیئے گئے۔

جس میں عدلیہ انتظامیہ سے الگ تھی۔ حق اجتماع، اس حق کے تحت سیاسی جماعتیں وجود میں آئیں۔

۱۹۴۶ء کے دستور کے تحت خلق اور پرچم پارٹیاں بنیں۔

۱۹۲۶ء کے دستور کے تحت ۱۹۶۵ء میں ایوان زیریں کا انتخاب عمل میں آیا جس میں کمیونسٹوں نے بھی حصہ لیا۔

۱۹۶۹ء کے انتخاب میں ببرک کارمل اور حفیظ اللہ امین کامیاب ہوئے۔

ان دونوں کی کامیابی کے بعد افغانستان کے کمیونسٹوں کی اسلام دشمن سرگرمیاں شروع ہو گئیں۔ اعلان کے ساتھ مملکت کا دین اسلام تنقید کا نشانہ بننے لگا۔

حکومت ان کے خلاف کارروائی نہ کر سکی۔ اس کے نتیجہ میں افغانستان میں کمیونسٹوں کا اثر بڑھتا رہا جو آخر کار ایک خونی کمیونسٹ انقلاب پر اپنی منزل تک جا پہنچا۔

داؤد اور ماسکو تعلقات

سردار داؤد نے ظاہر شاہ کی چالیس سالہ حکومت کے خاتمہ کے بعد اقتدار پر قبضہ کیا۔ روس اس کی پشت پر تھا۔ حکومت پر قبضہ کے بعد قومی انقلابی پارٹی قائم کی اور واحد مملکتی پارٹی ملک قرار دیا گیا۔ اس کا نام یعنی پارٹی کا ''ملی غور جنگ''، سوشلزم اس کا نعرہ تھا۔ ۱۹۴۷ء میں (جون ماہ) بینکوں کو قومی ملکیت میں لے لیا گیا۔ سردار داؤد دائیں اور بائیں کی سیاست سے الگ رہنا چاہتا تھا۔ لیکن ظاہر شاہ کے زمانہ میں داؤد ہی کی معرفت روس کے پروردہ عناصر فوج، انتظامیہ اور عدلیہ میں داخل ہو چکے تھے۔ انہوں نے داؤد کو اپنی گرفت میں لے لیا۔ دوسری طرف روس کو بھی معلوم ہو گیا کہ داؤد ان کے کام کا نہیں ہے۔

چنانچہ ایک کمیونسٹ عبدالقادر نے روس کے اشارہ پر بغاوت کردی لیکن ناکام ہوکر گرفتار ہوگیا۔ ماسکو نے پہلے سے طے شدہ منصوبہ کے تحت داؤد اور عبدالقادر کے درمیان غلط فہمیوں کو دور کرادیا۔

۱۹۷۶ء اور ۱۹۷۷ء میں سردار داؤد کے ذریعہ جو تبدیلیاں آرہی تھیں اس سے کمیونسٹ پریشان تھے۔ چنانچہ داؤد کے اسلامی ممالک کے دورہ کے وقت ہی اسے ہٹانے کا منصوبہ تیار کرلیا گیا۔

۱۹۷۷ء میں کمیونسٹوں نے داؤد کے خلاف شورش برپا کردی۔ ۱۹۷۷ء کا پورا سال داؤد نے ہنگاموں کو ختم کرنے میں گزار دیا۔ بائیں بازو اور ٹریڈ یونین کے لوگوں نے داؤد کے خلاف جو ہنگامہ آرائی برپا کی تھی، اس میں ۱۹۷۷ء میں پانچ ہزار لوگ مارے گئے۔ امن وامان نام کی کوئی چیز موجود نہ تھی۔ اسی زمانہ میں امیر اکبر خیبر کو قتل کردیا گیا جس کے جنازہ میں ہزاروں لوگ شریک ہوئے۔ جنازہ کے انتظامات میں نور محمد ترہ کئی (ترہ کی) اور حفیظ اللہ امین آگے آگے تھے۔ اس قتل کے بعد امن وامان کی فضا اور خراب ہوگئی۔ اپریل ۱۹۷۸ء تک آٹھ ہزار لوگ قتل ہوئے۔

آخر روس نے افغانی کمیونسٹوں کی مدد سے داؤد کا تختہ پلٹ دیا۔ نور محمد ترہ کئی کو مالک تخت وتاج بنا دیا جو روس کا پرانا ایجنٹ تھا۔

داؤد کے خلاف انقلاب برپا کرنے والا نور محمد ترہ کی تھا۔ وہ خلق پارٹی کا چیئرمین تھا۔ اس کا نائب حفیظ اللہ تھا۔

انقلاب کے فوراً بعد ترہ کی نے اعلان کیا داؤد ظالم اور ملک وقوم دشمن تھا۔ ترہ کی نے دفاع کو بہتر بنانے کے لیے روس سے تین معاہدے اور کر لیے۔ ان معاہدوں کے تحت روس نے افغانستان کو ۶۲ ٹینک جنگی طیارے اور ہزاروں روسی ماہرین بھیجنے کا اعلان کیا۔ روس نے دریائے آمو پر پل اور ریلوے لائن بچھانے کا بھی معاہدہ کیا۔ اس کے علاوہ روس نے افغانستان میں آبپاشی کے مختلف منصوبوں میں تعاون اور کپڑے کی ملوں کے لیے مشینری وغیرہ دینے کا بھی وعدہ کیا۔

دسمبر ۱۹۷۸ء میں ''دوستی اور رفاقت'' کا معاہدہ خاص ہے جس کے سہارے لاکھوں فوجی ماہرین افغانستان پہنچ گئے۔

ستمبر ۱۹۷۹ء میں پرچم کے لیڈر اور ترہ کی کے دوست حفیظ اللہ امین نے ترہ کئی کا تختہ پلٹتے ہی روس کے آقاؤں کو یقین دلایا کہ وہ نور محمد ترہ کئی سے بہتر فرمانبردار ثابت ہوگا۔ روسی لیڈر ترہ کئی کے مقابلہ میں حفیظ اللہ امین کو پسند نہیں کرتے تھے مگر مجبوراً اسے قبول کرلیا۔

حفیظ اللہ امین نے ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو قتل کیا۔ تھا تو یہ بھی کمیونسٹ مگر اس کی روسیوں سے

پڑی نہیں۔ دسمبر کے آخر میں روسی فوجیوں نے حفیظ کا تختہ پلٹ دیا اور اس کو قتل کر کے ببرک کارمل کو صدر بنا دیا گیا۔ کارمل نے بھی امین ہی کی طرح ہزاروں مسلمانوں کو قتل کرا دیا۔ کچھ دنوں کے بعد اس روسی کھلونے کو جیل میں ڈال کر نجیب اللہ کو صدر بنا دیا گیا جو کٹر کمیونسٹ اور روس کا آلہ کار تھا۔
ببرک کارمل کو بعد میں رہا کر دیا گیا۔ رہائی کے بعد روس چلا گیا جہاں کینسر میں اس کی موت ہوگئی۔

۱۹۷۷ کا جرگہ جو داؤد نے بلایا تھا

ملک میں سیاسی فساد سے نمٹنے کے لیے لویہ جرگہ بلایا تا کہ کمیونسٹ خطرہ سے ملک کو آگاہ کیا جائے۔ اس جرگہ میں اسلامی ملکوں سے تعلقات بہتر بنانے کا بھی فیصلہ لیا گیا تھا۔ صدر داؤد ایک خودسر اور مطلب پرست انسان تھا۔ روس سے تعلقات بھی بنائے رہتا تھا اور اندر سے اس کے خلاف کام کرتا تھا۔ اس نے نو سال تک بڑی شان سے حکومت کی مجلس شوریٰ میں مداخلت کر کے اپنی مرضی کے لوگوں کو منتخب کروایا تھا۔ وہ اپنے علاوہ کسی پر بھروسہ نہیں کرتا تھا۔

ظاہر شاہ کے اٹلی جانے سے پہلے روس کے صدر پوڈ گورنی نے کابل کا دورہ کیا۔ بادشاہ سے بات چیت ہوئی۔ اس کے جانے کے بعد ظاہر شاہ نے کسی کو کچھ بتائے بغیر اٹلی میں پناہ لے لی۔ اب داؤد پوری طرح اقتدار کا مالک ہو گیا۔ لوگوں نے اس پر غم وغصہ کا اظہار کیا لیکن اس کے پیچھے بھی روسیوں کا ہاتھ تھا۔ اس واقعہ کے ایک ہفتہ بعد روسی کمانڈو کابل پہنچے جن کی قیادت جرنیل قادر، جرنیل وطن یار، جرنیل رفیق، جرنیل گلاب زئی اور جرنیل عمر کر رہے تھے۔ کابل کے ارد گرد شدید جنگ ہوئی جس میں بہت سے لوگ مارے گئے۔ اس کے بعد اپنے ایک ایک مخالف کو داؤد نے قتل کروا دیا۔

داؤد کے زمانہ مین پنج شیر میں احمد شاہ مسعود نے نوجوانوں کے ساتھ علم بغاوت بلند کیا جس میں ہزاروں لوگ قتل ہو گئے۔

لوگ داؤد کے خلاف تھے۔ لہٰذا قلم کاروں سے اس کے حق میں کتابیں لکھوائی گئیں، مقالے چھاپے گئے جس کے لیے ان کو لاکھوں روپیہ معاوضہ کی شکل میں دیا گیا۔

پختونستان کے نام پر داؤد کے ذریعہ چلائی گئی تحریک کے لیے چندے لیے گئے۔ وہ اور ان کے ساتھ راتوں رات امیر بن گئے۔ مگر قبائلی سرداروں کو کچھ نہ ملا۔

داؤد کے ذاتی اکاؤنٹ پختون تجارتی بینک میں نو سو پچاس ملین افغانی تھے۔ اس کے علاوہ لندن کے بینکوں میں کروڑوں کی رقم جمع کرائی گئی۔

روس اور افغانستان معاہدوں کا تجزیہ

روس اپنے دفاعی اخراجات میں بے جا اضافہ اور اسلحہ کے انبار لگاتے رہنے کی وجہ سے مالی مشکلات میں گرفتار ہوتا چلا جارہا تھا۔اس کے اپنے داخلی وسائل ختم ہوتے جارہے تھے۔لہٰذا وہ اپنے اتحادی ملحقہ ممالک کے وسائل کی لوٹ میں لگا تھا۔مگر یہ وسائل بھی اس کی وسعت پسندی کی لالچ کا مداوا نہ کر سکے۔اب روس کے سامنے ملک کی مالی بدحالی کے نتیجہ میں اس کی ڈکٹیٹرشپ کے خلاف بغاوت کے بادل منڈلا رہے تھے۔اسی لیے یہ حکمران نئی بستیوں کی تلاش میں تھے۔یہی وجہ ہے کہ اس کی وحشیانہ خواہشات کا شکار افغانستان کو بننا پڑا۔

دوسری عالمگیر جنگ کے بعد افغانستان میں تیل تلاش کرنے والی سروے رپورٹوں سے یہ بات کھل کر سامنے آگئی کہ افغانستان بے شمار قدرتی وسائل سے مالا مال ہے۔

۱۹۳۶ء-۱۹۳۸ء میں امریکہ کی سروے ٹیموں نے اندازہ لگایا تھا کہ افغانستان کے شمالی علاقہ سے ۶۰۰ ملین ٹن تیل سالانہ لیا جاسکتا ہے۔اس کے علاوہ دوسرے علاقوں میں بھی ایسے ذخائر موجود ہیں۔

افغانستان ایک لمبی مدت گزر جانے کے بعد بھی اپنے ملک وقوم دشمن حکمرانوں کی وجہ سے اپنے وسائل استعمال کرنے کے لائق نہ بن سکا۔اقوام متحدہ کی ایک ٹیم نے شمالی افغانستان کے چھ خطوں میں تیل کے ذخیرے معلوم کئے تھے اور ۱۹۵۲ء میں ٹیکنیکل امداد کی تجویز پیش کی تھی۔اس وقت تک افغانستان کی نیشنل آئل اتھارٹی وجود میں آچکی تھی اور پارلیمنٹ نے تیل نکالنے کے قانون بھی وضع کر لیے تھے مگر جانے کس کی کھا گئی نظر میرے بزرگوں کے وطن عزیز کو،اور روس آڑے آگیا کہ یو این او کی ٹیم شمالی افغانستان میں روس کی سلامتی کے لیے خطرہ بنے گی۔

روس کا ظاہر شاہ کو ہٹا کر داؤد کو افغانستان پر مسلط کرنے کا یہی اصل سبب بنا۔۱۹۵۸ء میں داؤد افغانستان کا وزیر تھا۔ظاہر شاہ نے ۱۹۵۸ء میں روس کے ساتھ جیولوجیکل سروے یعنی زمین کے معدنی ذخائر کے سروے کے معاہدہ پر دستخط کیے۔

ان معاہدات کے تحت روس نے افغانستان کو آسان اور نرم شرائط پر قرض فراہم کیا جو پندرہ ملین ڈالر تھا۔اس طرح شمالی علاقہ روس کے زیر تسلط آگیا جہاں پلوں کے ذریعہ ایک دوسرے کو جوڑنے کا عمل باقی تھا،جہاں تیل،گیس اور قدرتی وسائل دریافت ہو چکے تھے۔تمام نقشے اور خاکے مرتب ہو چکے تھے۔اب عملی جامہ پہنانے کے لیے باقی رہ گیا تھا۔

روس کی مداخلت اور افغانستان پر اس کے تسلط کی شروعات یہیں سے ہوئی۔ یہی ۱۹۵۸ء کا معاہدہ افغان حکومت کی بدبختی کا سبب بنا اور ظاہر شاہ کو اپنی جان بچا کر ملک بدر ہونا پڑا۔

روس نے دوبارہ افغانستان میں سروے شروع کیا۔ وہاں موجود تیل کے ذخائر اور معدنیات کی موجودگی کی تمام رپورٹیں اپنے پاس محفوظ کر لیں اور حکومت افغانستان کو گیس کو چھوڑ باقی رپورٹیں جعلی پکڑا دیں۔ ایسے غافل افغان کہ اپنی دولت کی نگرانی کے لیے خود وہاں موجود نہ تھے۔ اس طرح تمام ذخائر اب راز میں ہیں جب تک وہ روس سے حاصل نہ ہو جائیں۔ افغانستان روس پر مکمل قبضہ کے بعد ان کو ظاہر کرتا جواب اُمید بر نہیں آتی۔

میوندوال جب وزیر اعظم تھے تو انہوں نے برطانیہ کی ایک کمپنی سے آئل ریفائنری امپورٹ کر کے نصب کرنے کا معاہدہ کیا تھا جس کی روس اور اس کے افغان ایجنٹوں نے سخت مخالفت کی۔ یہ مخالفت مظاہروں کی شکل میں ڈھل گئی اور وزیر اعظم کو استعفیٰ دینا پڑا۔ ۱۹۷۰ء میں نور احمد اعتمادی وزیر اعظم بنے۔ اپنا عہدہ سنبھالتے ہی انہوں نے بھی ۰۵املین ٹن کی ایک ریفائنری قائم کرنے کی تجویز رکھی۔ سروے کرائے گئے۔ مگر اس کے خلاف بھی پروپیگنڈہ شروع ہو گیا اور روس کی شرمناک توسیع بندی کا شکار یہ دونوں پروگرام ہو گئے۔ افسوس یہ ہے کہ اس جارحانہ توسیع پسندی کو روکنے والا کوئی نہ تھا۔ اقبال نے غافل افغان اپنی خودی پہچان اور خوشحالی کا درس تمہاری جگہ پہاڑوں کی بلند چوٹیاں میں حاکموں کا دسترخوان نہیں افغان، عوام نے تو قبول کر لیا مگر مفاد پرست حکمراں غیروں کے اشاروں پر ملت افغان کو مصائب میں گرفتار کرنے کا کام کرتے رہے ہیں۔

۱۹۸۲ء میں صوبہ جوز جان میں سرپل کے مقام پر ۱۵۰۲ میٹر کی گہرائی میں تیل دریافت ہونے کی خبریں آئی تھیں۔ ۱۹ر اگست ۱۹۷۳ء کو صوبہ فاریاب کے قیصار علی گل میں کنواں نمبر ۲ کے بارہ میں بتایا کہ وہاں تیل موجود ہے۔ ۹۷۲ میٹر کی گہرائی میں تیل ہے۔ یہ اس خطہ کا پانچواں ذخیرہ تھا۔

افغان قوم کو اس تیل کا ایک قطرہ نہ ملا اور حکمرانوں کو اپنی گدی کی فکر دامن گیر رہی۔ لہٰذا وہ روسی غاصبوں سے اپنی قومی دولت کو حاصل نہ کر سکے۔

روس نے گیس کی پائپ لائن بارڈر پر نصب کر لی تھی۔ قدرتی گیسوں کی موجودگی کی خبریں اخباروں میں بھی آ گئیں تھیں۔ اس بیچ داؤد کو وزارت عظمیٰ سے ہٹا دیا گیا۔

اگست ۱۹۶۶ء میں کابل ریڈیو سے یہ خبر نشر ہوئی کہ روس کو بغیر قیمت اور بے مقدار گیس سپلائی شروع کر دی گئی ہے۔ نومبر ۱۹۶۷ء تک روس کتنی گیس چرا لے گیا اس کا پتہ صرف روسی حکمرانوں کو رہا

ہوگا۔۱۹۷۲ء کی ایک رپورٹ کے مطابق ۵۰ملین ڈالر کی گیس روس لے گیا۔ یہ اندازہ لگایا گیا تھا کہ جرواک میں گیس کے ذخائر ۴۲ملین کیوبک تک ہو سکتے ہیں۔ مارچ ۱۹۷۲ء میں ایک معاہدہ برائے ۱۹۷۲ء تا ۱۹۹۰ء طے پایا کہ چھبیس سالہ مدت میں ۳۵ملین کیوبک میٹر گیس برآمد کی جائے گی۔ اسی سال جون کے مہینہ میں صوبہ جوزجان کے جمعہ کے علاقہ میں مزید گیس کے ذخائر دریافت ہوئے ہیں اور اسی سال ۱۹۷۹ء میں ۲۸ملین کیوبک گیس برآمد کرنے کا معاہدہ ہے۔

قدرتی گیس اور تیل کے علاوہ اور بھی معدنی ذخائر موجود ہیں۔ بعض معدنیات کی نشاندہی افغان اور روسی حکمرانوں کی بدنیتی سے نہ ہو سکی۔

سونا—— سونے کے خزانے غزنی میں موجود ہیں۔

یورینیم—— ضلع لشکرگاہ میں ہیں۔

بیریم—— ضلع ہرات میں۔

لوہا—— حاجی کمک میں تانیا لوگر میں کثیر مقدار ہونے کی خبر ہے۔

نمک غزنی میں سونے کی کان قندھار اور اس کی وافر مقدار دریائے کابل کے آس پاس بھی دریافت کی گئی ہے۔

روس ان ذخائر کو ۱۵ر مارچ ۱۹۵۰ء تک دریافت کر چکا تھا۔ افغانستان کے روزنامہ اصلاح نے ۱۹۵۸ء میں لکھا تھا کہ افغانستان میں روسی ماہرین نے معدنی وسائل اور ذخائر دریافت کئے ہیں۔ اگر ان کو استعمال میں لایا جائے تو افغانستان دنیا کا امیر ترین ملک بن سکتا ہے۔ افغانستان اپنے قیمتی پتھروں کے لیے پہلے ہی شہرت رکھتا تھا۔ ۱۹۷۰ء میں ایک جاپانی کمپنی نے عینک صوبہ لوگر کے مقام پر تانبے کے وسیع ذخایر دریافت کئے تھے۔ ۱۹۷۵ء میں ہرات سے دوملین بیریم کے ذخائر دریافت ہوئے جس میں سے چھ سوٹن بیریم روس پہنچ گئی جب کہ لشکرگاہ سے ہزاروں ٹین بیریم روسی نمونہ کے طور پر لے گئے۔ مزید یہ کہ ہزاروں ٹن یورینیم نکال کر فوجی ہیلی کاپٹروں سے روس پہنچ گئی۔

داؤد ۱۹۷۳ء میں برسراقتدار آیا۔ روس سے تعلقات مستحکم کئے۔ لیکن جلد ہی روس نے کیمونسٹوں کو کمک دے کر داؤد کا تختہ پلٹ دیا اور نور محمد ترہ کئی کو افغانستان کا صدر بنا دیا۔

نور محمد ترہ کی نے اقتدار سنبھالنے کے بعد ۲۷اپریل کو اعلان کیا کہ افغانستان کی پالیسی اسلامی اخوت، باہمی تعاون، اچھی ہمسائیگی، مذہبی روایات پر استوار ہوگی۔ مگر اس انقلاب میں جو ثور انقلاب کے نام سے جانا جاتا ہے، ہزاروں مذہبی رہنماؤں کو قتل کر دیا گیا۔

۱۲ر جولائی کو اسلام آباد میں افغان سفیر نے کہا کہ حکومت نے قبائلی علاقوں میں اسمگلروں کے خلاف کارروائی کی ہے۔ ملکی سلامتی کے پیش نظر رات کو گیارہ بجے سے صبح چار بجے تک کرفیو رہے گا تاکہ انقلاب دشمن عناصر عوام کو پریشان نہ کریں۔ انقلاب دشمن عناصر وہی تھے جنہوں نے اسلام کی خاطر گھر بار چھوڑ دیا تھا۔

۱۹۷۹ء میں حفیظ اللہ نے نور محمد ترہ کی کو قتل کر کے اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ حفیظ اللہ نے اپنی کابینہ کی تشکیل کے بعد روسی فوجوں کو مجاہدین کے خلاف مختلف صوبوں میں روانہ کر دیا اور مجاہدین کے خلاف کارروائیاں شروع ہو گئیں۔ ۱۹۸۰ء میں افغانستان کے اندر روسی فوج میں زیادہ تر ازبک، تاجک اور ترکمان تھے جن کا کمانڈر موسیٰ ایوانوف تھا۔ وہ وسطی ایشیا کی مسلم ریاست ازبکستان سے تعلق رکھتا تھا۔ اسی زمانہ میں ''کام'' کے نام سے انٹیلی جنس سروس کی بنیاد رکھی گئی۔ اس ایجنسی نے مسلمانوں پر کھل کر مظالم کئے۔ اس میں زیادہ تر کا تعلق KCB سے تھا۔

ادھر ناٹو کے ممالک نے روسی توسیع پسندی کی مذمت کی اور مجاہدین کی مدد کی تجویز پاس کی۔ وارن کرسٹوفر کی صدارت میں اجلاس ہوا جس میں برطانیہ، فرانس اور مغربی جرمنی شامل تھے۔ آج یہی نیٹو والے افغانیوں کا بے دریغ خون بہا رہے ہیں۔

نور محمد ترہ کی اور حفیظ اللہ کے قتل کے بعد سوویت یونین کے جارحانہ عزائم کی تکمیل کے لیے ببرک کارمل کو مشرقی یورپ سے لا کر تخت پر بٹھایا گیا۔ اس کے بعد افغانستان پر براہ راست حملہ کی راہ ہموار کر کے ۸۵۰۰۰ فوج کے ساتھ افغانستان پر جس سے دوستی باہمی تعاون ایک دوسرے کی سرحدوں کا احترام اور عدم مداخلت کے بے شمار معاہدوں کو روندتی ہوئی روسی فوجیں افغانستان میں داخل ہو گئیں۔ ببرک کارمل کی دعوت کا بہانہ بنا کر یہ بھی کہا کہ جیسے ہی افغانستان میں بیرونی مداخلت کا اندیشہ نہیں رہے گا روسی فوجیں واپس چلی جائیں گی۔ روسی فوجیں افغانستان - روس دوستی کے معاہدہ کے تحت آئی ہیں۔

اس فوجی حملہ کے بعد ۱۵۰۰ جاسوس اور ماہرین کو ۱۹۸۰ء میں افغانستان میں داخل کر دیا۔

کارمل نے سائٹھ افراد کی کابینہ ترتیب دی، غیر جانبداریت کا اعلان کیا، اسلامی تشخص بھی برقرار رکھا جائے گا۔ روسی ملحد فوجوں کے زیر سایہ بہر حال یہ ساری پریشانیاں خود اپنوں ہی کے ہاتھوں لائی گئی تھیں۔

۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو امین کا قتل اور اسی روز ببرک کارمل کا عوامی جمہوری افغانستان کے تیسرے صدر کی حیثیت سے خطاب، یہ نشریہ کابل ریڈیو کے بجائے روسی ریڈیو ماسکو سے نشر کیا گیا جس میں امداد کی

اپیل بھی شامل تھی۔

۱۹۸۲ء کے شروع میں مغربی ذرائع کے اندازوں کے مطابق روس کی دس ڈویژن فوج میں اسی ہزار سے لے کر ایک لاکھ تک فوجی تھے جب کہ مجاہدین کی تعداد تین چار گنا زیادہ تھی۔

جنوری ۱۹۸۰ء سے ۱۹۸۹ء تک پورے افغانستان میں پانچ ہزار سے زیادہ روسی ٹینک تباہ ہو چکے تھے۔ پچاس ہزار سے زیادہ روسی فوجی مارے جا چکے تھے۔ ایک اندازہ کے مطابق روس افغانستان میں روزانہ دو کروڑ ڈالر خرچ کر رہا تھا۔

روس کو اندازہ نہ تھا کہ اتنی کثیر رقم خرچ کرنے، اپنی فوج کو جنگ میں جھونکنے، ایک چھوٹے غیر ترقی یافتہ ملک کے خلاف نئے کیمیاوی ہتھیار استعمال کرنے اور جراثیمی جنگ تک آزمانے کی بدنامی مول لینے کے باوجود مجاہدین کے جذبہ حریت اور اسلامی غیرت کو روند کر کابل پر حکومت کر سکے گا۔

اس جنگ میں لاکھوں مسلمان مارے گئے، لاکھوں مکان مٹی کے ڈھیر میں تبدیل ہو گئے۔ افغانستان کا مواصلاتی نظام برباد ہو گیا۔ زراعت تباہ ہو گئی۔ کابل اور افغانستان میں بہت سی چیزوں کی قیمتوں میں سو گنا اضافہ ہو گیا۔ افغانستان کو ایک جدید ریاست بنانے کی کوشش کی گئی۔ ۱۹۵۵ء سے ۱۹۸۰ء تک پنج سالہ منصوبوں کے ذریعہ افغانستان کے مختلف منصوبوں پر پانچ ارب ڈالر سے زیادہ بیرونی امداد لگائی گئی۔ مگر اس سب کے باوجود روس افغانستان پر قبضہ کرنے میں ناکام رہا۔

صدر امریکہ جمی کارٹر نے روسی اقدام کو بین الاقوامی قوانین کی خلاف ورزی قرار دیا۔ انہوں نے روسی رہنما برژنیف سے ہاٹ لائن پر بات کر کے افغانستان سے روسی فوجوں کی واپسی کا مطالبہ کیا۔

ببرک کارمل نے افغان عوام پر بڑے مظالم کئے۔ آخر کار جب وہ سوویت یونین کی خواہشات پر پورا نہیں اترا تو اس کو معزول کر کے انٹیلی جنس ڈائریکٹر نجیب اللہ کو تخت پر بٹھا دیا۔ سوویت یونین نے کارمل کو جیل میں بند کر دیا۔ سوویت یونین پچاس سال سے یہی کرتا رہا ہے۔ اپنے مقصد کے لیے استعمال کرنے کے بعد اسے قتل کر دینا چاہئے تا کہ وہ راز فاش نہ کر سکے۔

امریکہ کے صدر کارٹر نے یوگوسلاویہ کے صدر ٹیٹو کے نام ایک خط میں کہا کہ وہ افغانستان کی غیر جانبداریت کی ضمانت دینے کو تیار ہیں بشرطیکہ روسی فوجیں چلی جائیں۔ بھارت، الجزائر اور یوگوسلاویہ کے لیے یہ پیش کش قابل قبول نہ ہوئیں۔ ۱۹۸۰ء میں تاس نے یہ تجویز رکھی کہ امریکہ اور روس اس بات کی ضمانت دیں کہ مداخلت نہ ہوگی۔ اگست ۱۹۸۰ء میں پاکستان میں پناہ لینے والے افغان مہاجرین کی تعداد دس لاکھ تھی۔ ۱۹۸۲ء میں پاکستان اور افغانستان میں بالواسطہ مذاکرات پر اتفاق ہو گیا۔ دونوں

ملکوں کے درمیان اقوام متحدہ کے زیر اہتمام امن مذاکرات شروع ہوئے۔

۲۳ راپریل ۱۹۸۲ء کو مجاہدین نے خوست پر بڑا حملہ کیا۔ ۱۶ جون سے ۲۵ جون تک پاکستان اور افغانستان کے درمیان بات چیت کا پہلا دور مکمل ہو گیا۔ ۳۰ راکتوبر کو سالنگ میں زبردست دھماکہ ہوا جس میں سات سو روسی فوجی مارے گئے۔

جنوری ۱۹۸۳ء سے فروری تک کارڈ ویز نے کابل اسلام آباد ار تہران کے دورے کئے ۶ راپریل کو کابل ریڈیو نے بتایا عبدالصمد قیومی کو وزیر تعلیم بنایا گیا ہے۔ اس کے بعد افغانستان نے معاہدہ وارسا کے ممالک سے تعلقات قائم کئے۔ ۲۱ مارچ ۱۹۸۳ء کو روس اور افغانستان کو ریلوے لائن سے ملانے کے معاہدہ پر دستخط ہوئے۔ ۱۱ مئی کو افغان وزیر اعظم سلطان علی کشتمند مشرقی جرمنی کے دورہ پر گئے اور جرمن حکام سے باہمی تعاون اور دوستی کا دس سالہ معاہدہ کیا۔

مارچ ۱۹۸۳ء پنج شیر، ہرات اور پکتیا میں روسی فوجوں نے مجاہدین کے خلاف سخت کارروائی کی۔

اگست ۱۹۸۴ء میں مذاکرات کا تیسرا دور شروع ہوا۔ اس ماہ کابل حکومت نے محمد بشیر بغلانی کو وہاب صحافی کی جگہ انتخاب کیا۔ ۱۸ جون کو نور احمد نور کی رہنمائی میں ایک دس رکنی وفد مذاکرات کے لیے سوویت یونین چلا گیا۔

۳ رجولائی ۱۹۸۴ء کو کابل حکومت نے فضل احمد کو کابل کا گورنر بنایا اور چند فوجی افسر سوویت ملٹری اکیڈمی سے تربیت حاصل کر کے افغانستان آ گئے۔

۱۹۸۵ء میں مذاکرات کا چوتھا دور شروع ہوا۔ اس بیچ دستاویزات پر اتفاق ہو گیا۔ پہلی دستاویز کا تعلق افغانستان میں عدم مداخلت سے تھا اور تیسری کا تعلق مہاجرین کی واپسی سے۔ اگست ۱۹۸۵ء کو ہونے والے مذاکرات افغانستان کے بارہ میں عالمی گارنٹی سے متعلق امریکہ اور روس دونوں نے اپنی رائے ظاہر کی اور کارڈ ویز کو ہدایت کی گئی کہ وہ ان دونوں سپر پاور کی رائے ایک دوسرے کو پہنچا دیں۔ جس میں دونوں طاقتوں نے افغانستان کے بارہ میں ضمانت دینے پر اپنی آمادگی ظاہر کی ہے۔ اسی سال نومبر میں امریکہ نے ضمانت دینے کا باقاعدہ اعلان کیا۔ دسمبر ۱۹۸۵ء میں افغانستان اور پاکستان میں بالواسطہ مذاکرات کا چھٹا دور شروع ہوا۔

مئی ۱۹۸۵ء میں انٹرنیشنل انسٹی ٹیوٹ فار اسٹریجک اسٹڈیز لندن کے سروے کے مطابق افغانستان کی پانچ سالہ جنگ کے دوران بیس سے پچیس ہزار روسی سپاہی مارے گئے۔

اسلامی کانفرنس مراکش اسلامی وزرائے خارجہ کی سولہویں کانفرنس نے سوویت یونین سے مطالبہ کیا

کہ افغان عوام پر ظلم بند کرے اور اس کی غیر جانبدار حیثیت کو بحال کرے۔

چین، فرانس، مغربی جرمنی اور برطانیہ نے افغان مجاہدین کی حمایت کا اعلان کیا۔ ایران کے وزیر خارجہ صادق قطب زادہ نے سوویت اقدام کی مذمت کی۔ اس وقت ایرانی کابینہ میں کیمونسٹوں کا اثر و رسوخ زیادہ تھا۔ لہٰذا صادق قطب زادہ کو قتل کروادیا گیا۔

امریکہ اور نیٹو کے ممالک نے روس پر اقتصادی پابندیاں اور جنرل اسمبلی نے روس کے خلاف ایک قرارداد منظور کی جس کو روس نے ویٹو کر دیا۔

غیر جانبدار ملکوں یورپی مشترکہ منڈی اور اسلامی وزرائے خارجہ کی طرف سے روس کے خلاف مذمت کی قرارداد کو سوویت یونین نے مسترد کر دیا۔

۱۶ رجون کو اقوام متحدہ کی طرف سے افغان مہاجرین کے لیے حکومت پاکستان کو پچیس ملین ڈالر کی امداد دی گئی۔ بعد کو یہ امداد ناکافی قرار دے کر (CUNHCRI) کی طرف سے مزید دس کروڑ ملین ڈالر کی امداد دی گئی۔

حکومت افغانستان کی جانب سے یہ اعلان کیا گیا کہ ایران، پاکستان اور امریکہ یہ ضمانت دیں کہ روسی فوجیں جانے کے بعد افغانستان کے معاملات میں مداخلت نہ کریں گے تو روس واپس جانے کو تیار ہے۔ ۱۲ رمارچ ۱۹۸۰ء کو امریکہ نے پاکستان کو چالیس کروڑ ملین ڈالر کی امداد کی پیشکش کی۔ مگر پاکستان امریکی شرائط کے ساتھ قبول کرنے کو تیار نہ ہوا۔

ادھر ببرک کارمل نے اعلان کیا کہ افغانستان اور روس دوستانہ تعلقات کو مزید مضبوط بنائیں گے۔

اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے مہاجرین نے حکومت پاکستان کو ۱۹۸۲ء میں پہلی بار ایک سو ایکس ملین پونڈ امداد فراہم کی۔ دوسری بار بیس لاکھ ملین ڈالر اور تیسری بار ۹۷۰۰۰۰۰ ملین پونڈ، چوتھی بار ۴۳۲۰۰۰۰۰۰ ملین پونڈ فراہم کیے۔

نومبر ۱۹۸۲ء میں اقوام متحدہ کی طرف سے مہاجرین کے لیے حکومت پاکستان کو ۴۴۰۰۰ ٹن گیہوں فراہم کیا گیا۔ ۱۹۸۲ء میں روس اور افغانستان میں ایک معاہدہ ہوا جس کے تحت روس نے افغانستان کو ایک کروڑ ملین ڈالر کی امداد فراہم کی۔ نومبر ۱۹۸۵ء کو امریکہ کے ایک آزمودہ سفارت کار مسٹر سڈین سو بر نے کہا کہ مسئلہ افغانستان افغان عوام کی خواہشات کے مطابق حل ہونا چاہئے۔ انہوں نے کہا ایشیا میں امن کی خاطر روس کو افغانستان پر اپنا قبضہ ختم کرنا چاہئے۔

جنوری ۱۹۸۶ء کو امریکی صدر ریگن نے اعلان کیا کہ افغانستان میں نہ ختم ہونے والی جنگ کا خاتمہ

سیاسی تصفیہ کے ذریعہ ہی ہوسکتا ہے۔

افغانستان میں روسی جنگ کے چھٹے سال تک بیس لاکھ جانیں گئیں۔ سب سے زیادہ تباہی افغانستان کی دیہاتی زندگی کو اٹھانا پڑی۔ دیہی زندگی ہی وہ نظام ہے جو لاکھوں لوگوں کو رہائش، خوراک اور صحت کی سہولتیں مہیا کراتی ہے۔ فصلوں اور مویشیوں کی قلت ہوگئی۔ اپنے گھروں سے جبراً لوگوں کو نکالا گیا تو اکثر دیہاتی بھوک اور بیماریوں کا شکار ہوگئے۔

خسرہ، ملیریا، تپ دق اور بچوں کی دوسری بیماریاں بھی عام ہوگئیں۔ مگر حکومت پاکستان نے اپنی طاقت بھر عوام کو سہولتیں فراہم کیں۔

۱۹۸۵ء میں امریکہ نے افغانستان کے اندراستی لاکھ ڈالر خرچ کیے۔ مویشیوں کے علاج اور دیگر تعمیراتی سامان پر دو کروڑ ڈالر خرچ کیے۔ ماہ جنوری میں اقوام متحدہ کی کمیٹی برائے انسانی حقوق نے افغانستان پر مفصل رپورٹ پیش کی۔

حکومت پاکستان کو اس عرصہ میں پچاس کروڑ ڈالر کی امداد ملی۔

روس نے بھی امریکہ ہی کی طرح مجاہدین کی بڑھتی ہوئی جنگی طاقت کا مقابلہ کرنے کے لیے اپنی فوج، ہتھیار، جنگی ساز و سامان اور جرنیلوں کی تعداد میں اضافہ جاری رکھا۔

ڈیموکریٹک جمہوریہ افغانستان نے عظیم قومی اسمبلی کا ڈھونگ رچا۔ قبائلی کونسلوں کے اجلاس بھی بلائے گئے۔ نام نہاد انتخابات بھی کرائے گئے جو آج امریکہ کر رہا ہے۔ مگر یہ کارروائیاں کل بھی دکھاوے کی تھیں۔ آج امریکی قبضہ میں بھی دکھاوے کی ہیں۔ مگر عوام کی حمایت نہ روسی اقتدار والی حکومتوں کو حاصل تھی نہ امریکی قبضہ والی حکومت کو حاصل ہے۔

روس افغانستان میں طویل اور مختصر المیعاد منصوبوں پر عمل کر رہا تھا۔ امریکہ نے بھی تیس چالیس سالہ منصوبہ بنایا ہے۔

جنوری ۱۹۸۶ء میں افغانستان کے بارہ میں پبلک افیئرز کی سالانہ رپورٹ پر ایک نظر ڈالتے ہیں۔ افغانستان پر روسی قبضے کے چھ سال بعد بھی روس افغانستان پر اپنا قبضہ مضبوط کرنے میں اتنا ہی دور ہے جتنا اول دن تھا۔ روس افغان مجاہدین کو شکست دینے میں کامیاب نہیں ہوسکا۔ مجاہدین روسی طریقہ جنگ سے کسی حد تک واقف ہو چکے ہیں۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی وہ قرارداد ناکام بنادی گئی جس میں افغانستان سے غیر ملکی فوجوں کی واپسی کو کہا گیا تھا۔ اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کمیٹی نے افغانستان میں انسانی حقوق کی خلاف ورزی کی مذمت کی۔

فروری ۱۹۸۶ء میں ایک امریکی ماہر نے اپنے انٹرویو میں کہا کہ روس کا آخری مقصد یہی ہے کہ افغانستان کے شمالی حصہ کو روس میں ضم کرلیا جائے۔ اس سلسلہ میں آمودریا کے ساحلی علاقوں کی ترقیاتی اسکیمیں گواہ ہیں۔ روسی انتظامی نقطۂ نگاہ سے واخان کو پہلے ہی اپنے کنٹرول میں لاچکا ہے۔

امریکی پروفیسر نے لوگوں کی اس رائے سے اتفاق نہیں کیا کہ روس افغانستان سے واپس نہیں جائے گا۔ افغانوں کو روسی رنگ میں رنگنے کے بارہ میں ایک سوال کے جواب میں اس نے کہا کہ روس افغان بچوں کو کمیونزم کی تربیت دے رہا ہے۔

مارچ ۱۹۸۶ء کو امریکی صدر ریگن نے یوم افغانستان منایا۔

مئی ۱۹۸۶ء کو وائس آف امریکہ نے ایک تبصرہ میں کہا کہ روس، افغان بچوں کی بڑی تعداد کو روس بھیج رہا ہے تاکہ ان کو کمیونسٹ بنا کر اپنے مقصد کے لیے ان سے کام لیا جائے۔

۲۰ رمئی ۱۹۸۵ء کو آٹھ سو ستر افغان بچوں کو تربیت کے لیے روس بھیجا گیا۔ ۲۰ فروری ۱۹۸۶ء کو روسی رہنما میخائل گورباچوف نے کہا کہ افغانستان میں ایک رستا ہوا ناسور ہے۔

جولائی ۱۹۸۶ء میں امریکہ نے اسٹنگر میزائل کی فراہمی مجاہدین کو شروع کردی جس سے سوویت طیاروں کو کافی نقصان اٹھانا پڑا۔

۳۱ راکتوبر ۱۹۸۶ء کو روس نے اپنی چھ رجمنٹ فوج افغانستان سے واپس بلالی۔ نومبر ۱۹۸۴ء کو روسی صدر نے نئی دہلی کا دورہ کیا اور ایک آزاد غیر جانبدار افغانستان کے بارہ میں بات چیت کی۔

دسمبر ۱۹۸۶ء میں یہ رپورٹ ملی کہ اسٹنگر میزائل استعمال ہورہے ہیں۔

اپریل ۱۹۸۶ء کو زوار کے مقام پر روس اور افغان فوجیوں نے مجاہدین کے مضبوط گڑھ پر قبضہ کر لیا۔

مئی ۱۹۸۶ء میں پاکستان کے ایف سولہ طیاروں نے ایک روسی طیارہ مار گرایا۔

دسمبر ۱۹۸۵ء میں پاکستان کے خارجہ سکریٹری عبدالستار نے مسئلہ افغانستان پر ماسکو میں بات چیت کی۔

۱۹۸۷ء میں سوویت رہنما میخائل گورباچوف نے افغانستان سے فوجوں کی واپسی کی تاریخ ۱۵ رمئی تک مقرر کردی۔ گورباچوف کا یہ فیصلہ تاریخی اہمیت کا حامل تھا۔

۱۵ رجون ۱۹۸۷ء نیشنل فادر لینڈ پارٹی کا اجلاس ہوا جس میں روسی فوجوں کی واپسی سے قبل قومی مصالحت اور مخلوط حکومت پر بات چیت ہوئی۔ ۱۹۸۸ء میں ۱۵ رمئی سے واپسی کے لیے دس ماہ کی مدت کا

اعلان ہوا۔ (روسی حرکتیں افغانستان میں)

۱۹۸۸ء میں ایک خاتون صحافی جین گارڈرن نے بتایا کہ میں نے دورہ افغانستان کے موقع پر دیکھا کہ آٹھ سال سے چودہ سال عمر کے بچوں کو جو ہزاروں کی تعداد میں تھے اور امانی ہائی اسکول میں پڑھتے تھے، روس لے جائے گئے۔

ان کے ماں باپ کو پتہ نہ تھا کہ ان کے بچے کہاں ہیں۔ ہر دو ماہ بعد کابل اور اس کے گردونواح کے اسکولوں سے بچوں کو ان کے والدین کو پیشگی اطلاع دیئے بغیر روس روانہ کر دیا جاتا ہے۔ افغانستان پر روسی قبضہ کے پہلے پانچ سال میں ۷۰ ہزار بچے روس بھیجے گئے۔ اس کے بعد یہ عمل مزید تیز کر دیا گیا۔ ایک اندازہ کے مطابق اس مدت میں ایک لاکھ پچاس ہزار بچے روس بھیجے گئے۔

مئی ۱۹۸۸ء کو امریکہ نے اعلان کیا کہ افغانستان کے مستقبل کا فیصلہ مجاہدین کریں گے۔

جون ۱۹۸۸ء کو اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے افغانستان نے مہاجرین کی واپسی کے انتظامات کو آخری شکل دی۔

نومبر ۱۹۸۸ء کو روس نے افغان حکومت کو اسکڈ میزائل اور مگ ۲۷ طیارے فراہم کئے۔

دسمبر ۱۹۸۸ء کو روس مجاہدین سے براہ راست بات چیت پر تیار ہو گیا۔

۴؍جنوری ۱۹۸۹ء کو روزنامہ نوائے وقت نے اطلاع دی کہ یوری وارنسٹوف کل اسلام آباد پہنچ رہے ہیں۔ وہ مجاہدین سے بات چیت کے علاوہ پاکستانی حکام سے بھی بات کریں گے۔ نیز روسی رہنماؤں کا اہم پیغام غلام اسحاق خاں اور وزیراعظم بے نظیر بھٹو کو پہنچائیں گے۔

بی بی سی کی اطلاع کے مطابق روسی فوجوں کی افغانستان سے واپسی چھ ہفتوں کے اندر مکمل ہو جائے گی۔ ۵ جنوری ۱۹۸۸ء کو مجاہدین نے اس بات پر اصرار کیا کہ اسلام آباد کے مذاکرات میں سات جماعتی اتحاد کو افغانستان کے مستقبل کا فیصلہ کرنے کے لیے پارٹی کے طور پر تسلیم کرلے۔ یہ بات صبغت اللہ مجددی نے بتائی۔ افغان مجاہدین کے سات گروپوں نے سوویت یونین کے مکمل انخلا کے بعد نظم ونسق چلانے کے لیے عبوری شوریٰ کی تشکیل پر اتفاق کرلیا۔

روزنامہ نوائے وقت نے اطلاع دی کہ افغان مجاہدین نے قندھار سے روسی ٹینک لاکر کراچی میں بیچ دیا۔ اس میں خصوصی الیکٹرانک آلات لگے ہوئے تھے۔ اس ٹینک میں مغربی سفارت کاروں نے بڑی دلچسپی لی اور کئی سفارت کاروں نے افغان کمانڈر کو تحائف دیئے۔

۶؍جنوری ۱۹۸۸ء کو روس نے مجاہدین کی چار شرائط مان لیں۔ غیر مشروط افغانستان سے واپسی

افغان عوام کے حق خود ارادیت، مستقبل کی حکومت میں کمیونسٹ عناصر کا شامل نہ ہونا اور روس کی طرف سے الگ الگ گروپ سے رابطہ نہ کرنا۔ گلبدین حکمت یار نے ایک بیان میں کہا کہ بیس لاکھ افراد کے قتل کے بعد بھی روس افغانوں کے قتل پر تلا ہوا ہے۔
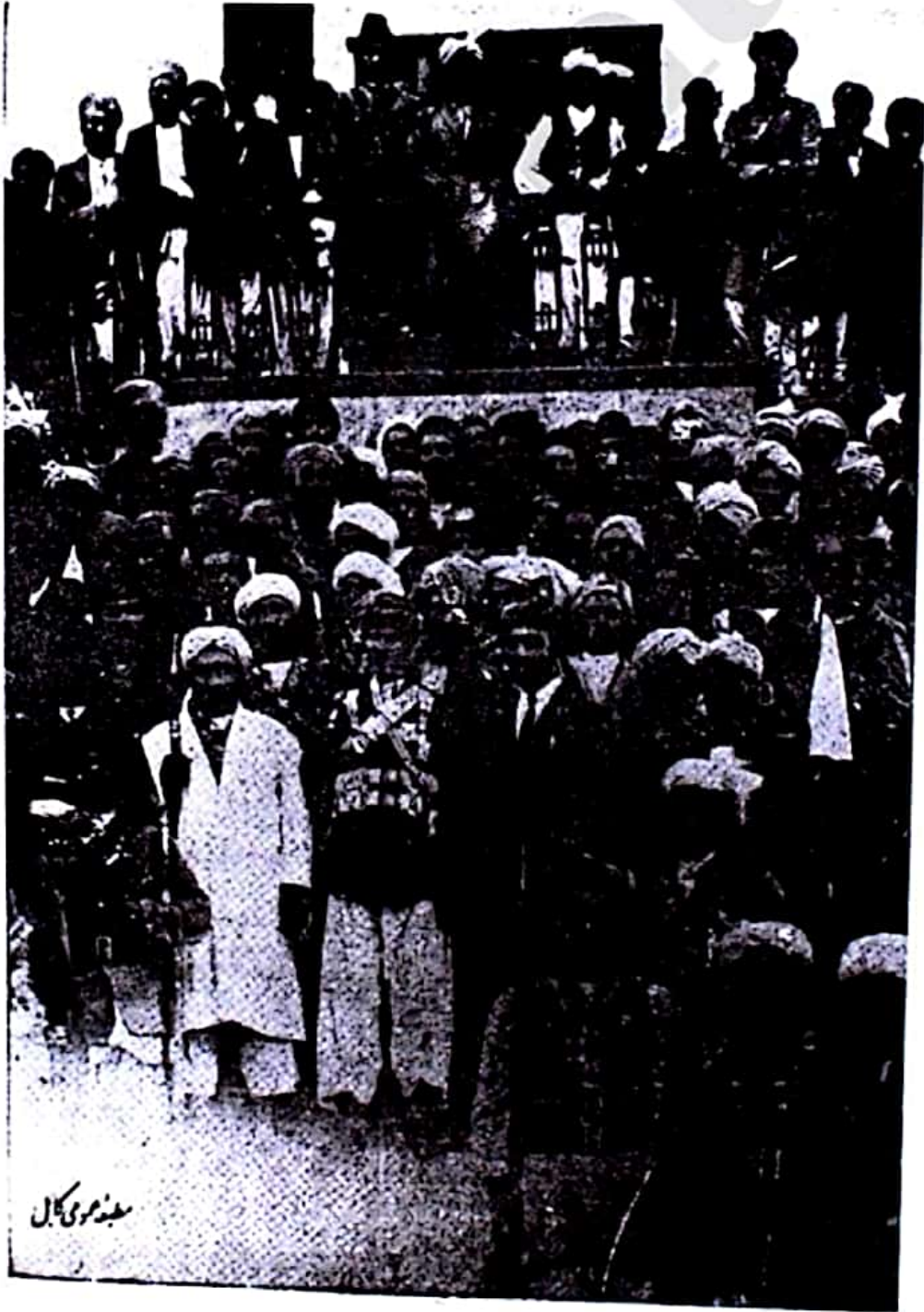
The Bacha and his courtiers.

جنیوا معاہدہ

جنیوا میں ہونے والا معاہدہ، معاہدۂ امن نہیں بلکہ یہ لڑائی، قتل و غارت گری اور روس کو افغانستان پر قبضہ دلانے اور عالمی اسلامی تحریکوں کو شکست سے دوچار کرنے والا معاہدہ ہے۔ اس طرح جو سمجھوتہ ہوا ہے اس کے حقیقی مفہوم کے چند پہلو یہ ہیں ــــ

افغانستان میں ہونے والی جنگ میں روسی فوجوں کی واپسی طے ہو چکی ہے مگر جنگ جاری رکھنے کے لیے دونوں ضامن روس و امریکہ افغانستان میں اسلحہ پہنچاتے رہیں گے۔ گویا اس جنگ میں روسیوں کی گردنیں نہیں کٹیں گی بلکہ روسی اور امریکی اسلحہ سے افغانوں کی گردنیں کاٹی جائیں گی۔

اس معاہدہ کے تحت افغانستان کی منڈی میں روس و امریکہ کو اپنے اپنے اسلحہ کی کھپت کے مساوی مواقع مل گئے ہیں۔

۲۴ر جنوری ۱۹۸٦ء کو گورباچوف نے بیان دیا کہ افغانستان مین مداخلت گناہ تھا۔ روسی رہنما نے بڑھتے ہوئے اخراجات کے پیش نظر کہا کہ یہ جنگ تباہ کن ثابت ہوئی۔

پاکستان کی سرکار نے امریکہ کی لڑائی روس کے جاتے ہی افغانوں کے خلاف چھیڑ رکھی ہے جو اپنے دیس واسیوں سے لڑ رہی ہے۔ روس کے خلاف بھی افغانستان میں امریکہ نے پاکستان کی سرزمین سے لڑائی لڑی تھی۔ اب روس کی طرح امریکہ کو افغانستان پر قبضہ کرنا ہے تو یہ لڑائی بھی پاکستان ہی کے ذریعہ لڑی جارہی ہے۔ امریکہ اور ناٹو کا قبضہ ختم کرنے کے لیے آٹھ سال سے افغان طالبان لڑ رہے ہیں۔ روسی فوجوں کو مار بھگانے کے لیے دس سال افغان مجاہدین نے جنگ کی تھی۔

پاکستان طالبان کی شمولیت کی وجہ یہ ہے کہ امریکہ نے سرحدی قبائل پر اپنی ہاری ہوئی جنگ جیتنے کے لیے حملے شروع کر دیئے تھے۔ لہٰذا پٹھان امریکہ اور امریکہ کی معاون پاکستانی سرکار کے خلاف ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہو گئے۔ پٹھانوں کا معاملہ یہ ہے کہ اگر کسی نے ان کے خلاف جنگ شروع کر دی تو

اس وقت تک ختم نہیں ہوتی جب تک دشمن کا صفایا نہ کر دیا جائے یا اسے بھاگنے پر مجبور کر دیا جائے۔ ہتھیار ڈالنا یا ہار ماننا ان کے مزاج کے خلاف ہے۔وہ جان دیتے ہیں ہتھیار نہیں دیتے۔

روسی فوجوں کی واپسی کے بعد

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

۱۹۸۸ء میں جنیوا معاہدہ کے بعد نجیب اللہ کی حکومت روسی مدد سے محروم ہو گئی۔اس کے بعد بھی انہوں نے مجاہدین کا بھرپور مقابلہ کیا۔جلال آباد اور خوست کے مقام پر دونوں کو شدید مالی اور افرادی نقصان کا سامنا کرنا پڑا۔یہ جنگ ۱۹۸۸ء سے ۱۹۹۱ء تک چلی۔یہاں تک کہ مجاہدین نے کابل پر قبضہ کر لیا اور صبغت اللہ مجددی کو صدر منتخب کیا گیا۔صبغت اللہ نے رشید دوستم کو جرنیل کے عہدہ پر ترقی دے دی۔لیکن اسے جلد ہی صدارت سے ہٹا دیا گیا۔مجددی نے کابل سے پاکستان آتے وقت ایوان صدر کی نہایت قیمتی گاڑی چوری کر لی جب کہ دیگر گروپوں کے لیڈروں نے اور کمانڈروں نے اور پاکستانیوں نے کابل میں لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا۔صدارتی محل سے پردوں سمیت تمام قیمتی چیزیں چرا لی گئیں۔ بابر اور احمد شاہ ابدالی کی تلواریں بھی چوری کر لی گئیں۔کابل میوزیم اور کتب خانوں سے قیمتی سامان اور مسودات و نایاب کتب پاکستان کی گلی کوچوں میں فروخت ہو رہی تھیں۔

بے نظیر بھٹو، آصف علی زرداری، آفتاب احمد خاں، شیر پاؤ جنرل صفدر نصیر اللہ بابر (سابق وزیر داخلہ) اور افغان دانشور پروفیسر رسول آمین نے مل کر کابل میوزیم کو بری طرح لوٹا اور نہایت نایاب چیزوں کو فروخت کر دیا۔پروفیسر رسول آمین نہ صرف پاکستانی خفیہ سروس آئی ایس آئی کے ملازم تھے بلکہ وزیر اعظم بے نظیر بھٹو کے لیے افغانستان میں جاسوسی کرتے تھے۔رسول آمین نے کابل میوزیم کی قیمتی چیزوں کو فروخت کر کے خوب مال کمایا اور پھر بال بچوں سمیت آسٹریلیا چلا گیا جہاں آرام کی زندگی گزار رہا ہے۔

صبغت اللہ مجددی کے بعد پروفیسر برہان الدین ربانی اور گلبدین حکمت یار کی باری آئی۔باقی بچے اثاثوں پر انہوں نے ہاتھ صاف کیا۔احمد شاہ مسعود نے کابل شہر کو لوٹا۔گلبدین حکمت یار نے وزارت داخلہ کی ۱۳۸ قیمتی گاڑیاں چرالیں اور پاکستان لا کر بیچ دیں۔

ربانی اور مسعود نے پشتونوں کو بے دردی سے قتل کیا اور شیعوں پر بھی مظالم کئے۔بعد کو گلبدین

حکمت یار اور شیعوں کے درمیان جنگ شروع ہوگئی۔

چند ماہ بعد احمد شاہ مسعود اور حکمت یار کے درمیان جنگ شروع ہوگئی جس میں دونوں طرف سے ہزاروں بے گناہ افغان مارے گئے۔ گلبدین حکمت یار نے کابل شہر میں رہنے والے چالیس ہزار افراد قتل کیے۔ یہ روزانہ ۳۵۰۰ میزائل کابل پر برساتا تھا جب کہ احمد شاہ نے کابل کو لوٹا اور پشتونوں کو قتل کیا۔ ربانی مسعود اور حکمت یار کے درمیان طویل جنگ میں لاکھوں لوگ مارے گئے۔

حکمت یار پاکستان آئی ایس آئی کے لیے خدمات انجام دیتا رہا۔ افغان قوم پر مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے مگر کوئی نجات دہندہ نہ تھا۔ روس سے جنگ کرنے والے باہم ایک دوسرے سے دست و بگریباں تھے۔

ایسی حالت میں کچھ نوجوان افغانوں نے طالبان کے نام سے ایک تنظیم بنائی۔ اس کا مقصد افغان قوم کو مصائب سے نجات دلانا تھا۔ طالبان نے اگست ۱۹۹۴ء میں پہلی بار اسپن بولدک پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد قندھار کی طرف پیش قدمی شروع کی۔ قندھار پر قبضہ کے بعد زابل اور غزنی کی طرف پیش قدمی کی۔ اس دوران طالبان نے تمام گروپوں سے 'اپی لکی' کا مطالبہ کیا۔ یعنی اقتدار ان کے حوالہ کردیں۔ لیکن کسی نے خودغرضی میں ان کی بات کو سنا نہیں۔ اس کے بعد طالبان نے پکتیکا، پکتیا، غزنی، زابل اور وردک پر قبضہ کرلیا۔ اس کے بعد کابل کی طرف بڑھے۔ چارآسیاب پر بھی قبضہ کرلیا اور گلبدین حکمت یار کو وہاں سے بھگا دیا۔ شیعہ لیڈر مزاری قتل کردیئے گئے۔ کابل پر نہایت آسانی سے قبضہ ہوگیا۔

طالبان نے شہر کابل کو سکون فراہم کیا۔ امن و خوشحالی دی۔ لٹیروں کو بھگا دیا اور اقتدار محب وطن افغانوں کے ہاتھ آ گیا۔ طالبان نے کابل کے بعد شمالی افغانستان کی طرف پیش قدمی کی۔ مزار شریف کے قریب بھی پہنچ گئے۔

مزار شریف کے قریب جرنیل مالک، روس اور ایران نے انہیں شکست دینے کا منصوبہ بنایا۔ جب انہوں نے مزار شریف پر قبضہ کرلیا تو اچانک شمالی اتحاد کی فوجوں نے چاروں طرف سے ان پر حملہ کردیا۔ اس حملہ میں ہزاروں طالبان مارے گئے جب کہ احمد شاہ مسعود اور شیعہ فوجوں نے بہت سے لوگوں کو قتل کر کے جلا دیا۔ ہزاروں افراد کو اجتماعی قبروں میں دفن کردیا۔ مگر طالبان نے اس پر بھی صبر و تحمل سے کام لیا۔ طالبان کی اس شکست پر امریکہ بھی خوش تھا۔

جنوری ۱۹۹۸ء میں طالبان نے نیشنل آرمی کی تشکیل کا کام شروع کیا اور تمام افغانوں کو اس میں شرکت کی دعوت دی۔ افغانی طالبان آج بھی متحد ہیں اور وہ افغانستان میں قابض امریکی اور ناٹو فوجوں

سے جنگ کر رہے ہیں۔ اپنی آبادیوں کو ویران نہیں کر رہے ہیں۔

پتہ نہیں یہ پاکستانی طالبان کون ہیں جو دشمن کے خلاف جنگ کرنے کے بجائے اپنی ہی آبادیوں پر حملہ آور ہیں۔ مسجدوں کو اور ہوٹلوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ ان کا اصل مقصد کیا ہے اور یہ کس کے آلہ کار ہیں، یا غلط فہمیوں کا شکار ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ وہ تمام افغان جو قابض فوجوں سے لڑ رہے ہیں ان کا ایک جرگہ طلب کیا جائے اور عالمی برادری سے مطالبہ کیا جائے کہ وہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں سے افغانستان کو نجات دلائے۔ اس میں ہندوستان کے پختونوں کو بھی شامل کیا جاسکتا ہے۔ اس لیے کہ وہ بھی اس خونریزی سے دکھی ہیں اور افغانستان کو آزاد و خودمختار دیکھنا چاہتے ہیں۔

روسی پالیسی مسلم کش:

روس نے مسلم ریاستوں پر قبضہ کرلیا۔ پہلے اس کا نام ترکستان تھا۔ روس نے اسے پانچ ریاستوں میں تقسیم کردیا، قزاقستان، ازبکستان، ترکمانستان، تاجکستان، قرغزستان۔ سوویت یونین کے خاتمہ کے بعد یہ آزاد ہوگئیں یا نہیں یہ بھی ایک معمہ ہے۔ روس کا ان پر سیاسی اور اقتصادی غلبہ تھا۔ شاید چور دروازے سے اب بھی باقی ہے۔ اس کی حیثیت استعمار سے زیادہ نہ تھی۔ ان کو اندرونی اور بیرونی آزادی نہ تھی۔ یہ غلاموں جیسی زندگی بسر کر رہی تھیں۔ تقریباً ۷۰ سال تک روس کے زیر اثر رہنے سے ان ریاستوں کی ثقافتی اور تہذیبی حیثیت تبدیل ہوچکی تھی۔ مختلف منصوبوں کے تحت روس نے انہیں روسی کلچر میں تبدیل کردیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی لوگ ان ریاستوں میں اسلام سے عدم واقفیت کا شکار ہیں۔ اس لیے کہ ایک نسل تو ختم ہوگئی اور نئی نسل روسی کلچر میں ڈھل گئی۔

۱۹۲۸ء میں روس نے فارسی، ترکی اور دیگر زبانوں کے حروف ختم کردیئے۔ ان کی جگہ روسی حروف داخل کردیئے۔ ۱۹۴۰ء میں روسی رسم الخط رائج کرادیا۔ مدارس اور اسکولوں سے لے کر یونیورسٹیوں تک تمام سرکاری اور غیر سرکاری اداروں میں روسی زبان پڑھائی جانے لگی۔ ۱۹۵۰ء میں حکومت نے حکم جاری کیا کہ اساتذہ کو چاہئے کہ وہ اپنی مادری زبان کی جگہ روسی زبان میں مطالعہ کریں کیونکہ روسی سرکاری زبان ہے۔ ۱۹۹۲ء تک پورے سوویت یونین میں بس ایک زبان رہ گئی جو روسی تھی۔ ساتھ ہی عیسائیت کی نسبت اسلام کو زیادہ نشانہ بنایا گیا۔ مسلمانوں پر مظالم کا سلسلہ جاری رہا۔ دینی مدارس کے نصاب کو تبدیل کردیا گیا۔ لیکن پھر بھی اسلام کو اس علاقہ سے مٹا نہ سکا۔ مساجد میں نمازیوں کی نگرانی جاری رہی مگر اندرونی حرارت کو ختم نہیں کیا جاسکا۔

اس بنیادی نکتہ کی طرف بھی دھیان دینے کی ضرورت ہے کہ پاکستان میں ہونے والی خونریزی کے پیچھے کہیں روسی خفیہ ایجنسیوں کا ہاتھ تو نہیں ہیں۔امریکہ کی سی آئی اے اور روسی خفیہ ایجنسیاں مل کر پاکستان میں دھماکوں کی ذمہ دار تو نہیں ہیں؟اس لیے کہ ضیاء الحق کے حادثہ کا ذمہ دار سوویت یونین کے اس وقت کے وزیر خارجہ Edward Schward Nadze کو بتایا جاتا ہے۔یہ بھی کہا گیا کہ اس نے صاحبزادہ یعقوب خاں کو آگاہ کیا تھا کہ تمہارے یہاں ہم بھی کچھ نہ کچھ کر کے دکھائیں گے۔اس کے ایک ماہ بعد ہی ضیاء الحق کو ہلاک کروادیا گیا جس میں امریکی سفیر بھی مارا گیا۔

بعد کو یہی شخص جارجیا کا صدر بن بیٹھا۔سوویت یونین ٹوٹنے کے بعد جارجیا آج بھی امریکی مفادات کے لیے اہم جگہ ہے۔

۲۹ راگست ۲۰۰۹،ترکی بھی صلیبی کافر اتحاد میں شامل ہوگیا

کبھی مسلمانوں نے ترکوں کے لیے اپنی جانیں دی تھیں۔ان کے بہتے ہوئے خون پر خون کے آنسو بہائے۔مولانا محمد علی جوہر اور گاندھی جی نے خلافت کو بچانے کی تحریک چلائی۔ہندوستانی حریت پسندوں کی پناہ گاہ افغانستان ہی تھا۔نیتا جی سبھاش چندر بوس پٹھان کا بھیس بنا کر مولانا ملیح آبادی کے تعاون سے میرے بڑے بھائی مائل ملیح آبادی کے ساتھ ٹرین سے پشاور تک گئے تھے اور متعلقہ پٹھان کے سپرد کر کے واپس آ گئے تھے جہاں سے ان کو افغانستان پہنچا دیا گیا تھا۔

استنبول میں ایران نے بھی خبردار کیا کہ افغانستان میں پیدا ہونے والے دہشت گردوں پر مکمل طور پر قابو نہ پایا گیا تو اس کا دائرہ وسطی ایشیا تک پھیل جائے گا۔وہیں ترکی نے اپنی فوجوں کی تعداد دوگنی کرنے کا اعلان کیا۔

ایران کو پتہ نہیں کہ افغان دلاوروں کی امریکہ سے ٹکر لینے کی وجہ سے ہی امریکی مداخلت سے وہ محفوظ ہے لیکن ایران کی اپنی نفسیات ہے جس سے نکل نہیں پا رہا ہے۔

ایرانی وزیر خارجہ منوچہر متقی نے پاکستان کے واقعات کو امریکی بربریت کے بجائے اس کی جڑیں افغانستان میں تلاش کرلیں۔

ترکی کے وزیر خارجہ احمد داؤد ارگلو کہتے ہیں کہ ترک فوج کی تعداد افغانستان میں سولہ سو ہو جائے گی۔کیا اس طرح وہ صلیبی کافروں کے دلوں کو جیت لیں گے۔ہاں اللہ کو ناراض کر کے ناٹو کے سربراہ آندرس نوگ رسموسن کی خوشنودی ضروری حاصل کرلیں گے۔

پاکستان، افغانستان کے صدر اور امریکہ

پاکستان اور افغانستان کے صدر امریکہ میں کیا کر رہے تھے کہ سوات پر قہر ٹوٹ پڑا۔ افغانستان میں روس کی موجودگی کے وقت امریکی صدور نے کیسے ہمدردانہ بیانات دیئے تھے اور روس کے جاتے ہی امریکہ اپنے اتحادیوں کے ساتھ افغانستان پر ٹوٹ پڑا۔ سوات آپریشن کے وقت امریکی فوجیوں نے مغربی افغانستان کے فراہ صوبہ پر بمباری کر کے سینکڑوں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس بمباری میں سفید فاسفورس بھی استعمال کیا گیا۔ عالمی برادری امریکی اور یورپی فوجوں کی قتل و غارت گری پر خاموش ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیمیں بھی چپ ہیں۔ افغانستان میں اس طرح کی بمباری وقفہ وقفہ سے ہوتی رہتی ہے جس کے جواب میں قابض طاقت کہتی ہے کہ ہم نے تحقیقات کا حکم دے دیا ہے۔ آپ کو کیا حق ہے کہ پہلے بمباری کریں پھر تحقیقات کا حکم دیں۔

پاکستان اور افغانستان کی سرحدیں ملی ہوئی ہیں اور پاکستانی سرحد پر وہی قوم ہے جو افغانستان میں ہے یعنی پشتون۔

امریکہ میں ۹/۱۱ کے افسانہ کو حقیقت کا روپ دے کر افغانستان پر پل پڑنے کا کیا جواز تھا۔ یہ وہی بکری اور بھیڑیے والی کہانی ہے۔

اوباما تو چلو ٹھیک ہے جو کر رہا ہے وہ اپنے قومی مفادات کے تقاضوں کو پورا کر رہا ہے مگر یہ دو کفر نما انسان یعنی کرزئی اور زرداری اپنے اقتدار پر چند روز رہنے کے لیے اپنی قوم کے خون کو پانی کی طرح کس اصول کے تحت بہانے پر راضی ہو گئے اور چند روزہ امریکہ کے زیر سایہ حکومت کا مزہ لینے کے لیے ملت فروشی پر راضی ہو کر نئے میر جعفر و میر صادق بننے پر کیوں تیار ہو گئے۔

دونوں ملت فروشوں کے درمیان اوباما سے کیا طے ہوا پتہ نہیں، مگر جو سامنے ہے وہ یہ کہ سوات خونریزی کا مرکز بن گیا۔ افغانستان میں امریکی بمباری پاکستانی فوج جسے بیرونی دشمنوں سے لڑنا تھا وہ اپنے ہی شہریوں پر حملہ آور ہے اور سقوط ڈھاکہ کو فراموش کر کے وہی سبق صوبہ سرحد میں دہرانے پر تیار ہے۔

سوات اور فاٹا میں جو کچھ ہو رہا ہے وہاں کے عوام کے دلوں میں پاکستانی فوج کے لیے صرف نفرت کے سامان پیدا کرے گا۔

جو لوگ مشرف کی امریکی غلامی کے نتیجہ میں اقتدار میں آئے وہ تو مشرف سے بھی بڑے امریکی

غلام ثابت ہو رہے ہیں۔

بجائے اس کے کہ پارلیمنٹری کمیٹی سوات اور فاٹا کا جائزہ لیتی لیکن پارلیمنٹ نے بھی ہری جھنڈی دے دی۔ کیا پاکستان کی پوری لیڈرشپ بزدل ہے اور امریکی غلامی کے جال میں گرفتار ہو چکی ہے۔

جمہوریت، امریکہ اور پاکستان

جمہوریت کے کچھ اپنے تقاضے ہیں۔ سولہ کروڑ کی پاکستان قوم کیا پرامن مظاہرے کر کے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو افغانستان سے نکلنے پر مجبور نہیں کر سکتی ہے؟ روزانہ امریکی سفارت خانہ پر کیا ہزاروں لوگ دھرنا نہیں دے سکتے ہیں؟ کیا کوئی لانگ مارچ کراچی اور لاہور سے سوات تک ترتیب نہیں دیا جا سکتا ہے کہ جنگ بند کرو، خونریزی روکو؟ اور پاکستانی طالبان کو بھی پاکستان کے اندر کارروائیوں سے روکنے کا بھی واحد طریقہ یہی جمہوری راستہ ہے۔ لڑائی افغانستان میں ہے، وہیں لڑی جانی چاہئے۔ ساری توانائی وہیں خرچ ہونی چاہئے۔

خان عبدالغفار خاں نے اسی ہتھیار کو استعمال کر کے انگریز جیسی طاقت کو پسپا ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ بازار قصہ خوانی کے درودیوار اور صوبہ سرحد سے پنجاب تک جیلیں اس خونی داستان کی گواہ ہیں۔ لہٰذا پاکستانی طالبان کو اپنی لڑائی کا رخ پاکستان میں پرامن مظاہروں اور دھرنوں کی شکل میں بدل دینا چاہئے یا افغانستان کے علاقوں میں داخل ہو کر دشمن پر بھرپور وار کرنا چاہئے۔

سوات کے واقعات، وہاں ہونے والے معاہدہ اور پھر فوجی آپریشن کا رشتہ وہاں کی حکومت سے ہے مگر دنیا قریب آ چکی ہے۔ وحدت ملت کا تصور ختم ہوتا جا رہا ہے۔ نسلی بنیادوں پر رشتے استوار ہو رہے ہیں۔ تو یہ بات امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو نہ بھولنا چاہئے کہ ہندوستان کی زمین پر بھی تقریباً تین کروڑ پٹھان رہتے ہیں۔ اگر وہ اٹھ کھڑے ہوئے تو ہندوستان میں امریکہ کے لیے ایک نیا مسئلہ پیدا ہو جائے گا۔

پاکستانی میڈیا نے اپنے کردار کو داغدار بنا لیا ہے۔ سوات میں بمباری اور قتل و غارت سے توجہ ہٹانے کے لیے ریلیف کے مناظر دکھائے جاتے رہے ہیں۔ آخر ریلیف کی نوبت کیوں آئی۔ لوگ اپنے علاقوں سے ہجرت کرنے پر مجبور کیوں ہوئے؟

مولانا صوفی محمد سے نفاذ شریعت کا معاہدہ کیوں کیا اور اس معاہدہ کے بعد اچانک سوات پر فوجی یورش امریکہ میں اوباما کی بغل میں بیٹھے زرداری کی موجودگی میں کیوں شروع ہوگئی۔ آخر اس طرح کے

پراسرار واقعات کا مرکز پاکستان ہی کیوں بن گیا ہے۔ کیا لال مسجد کا واقعہ کچھ اس سے مختلف تھا۔

یہ کیسی جمہوریت ہے، نہ اصل فریق سے بات چیت نہ وعدوں کی پابندی۔ طالبان حکومت کے خاتمہ کے بعد افغانستان سے جو لوگ پاکستان آئے تھے ان کے قیام کا کوئی نظم رہا ہوگا۔ ان کا رہنما کون تھا؟ ان کو کن علاقوں میں آباد کیا گیا؟ یہ حکومت کی ذمہ داری تھی کہ یہ ساری بات اس کی جانکاری میں ہو۔

طالبان کا ریکارڈ کیا ہوا

روسی قبضہ کے وقت آنے والوں کا بھی ریکارڈ تھا تو طالبان کا بھی ریکارڈ ہوگا۔ مگر جان بوجھ کر امریکی دباؤ میں آ کر حقائق کو چھپانے کا عمل فوجی حکومت بھی کرتی رہی اور جمہوری حکومت بھی کر رہی ہے تو اس کو سیاسی بے شرمی ہی کہہ سکتے ہیں۔

امریکہ افغانستان میں اپنی ہاری ہوئی جنگ پاکستان کے کندھے پر بندوق رکھ کر جیتنا چاہتا ہے۔ افغانستان میں امریکی اتحادیوں پر حملے جاری ہیں۔ یہ کارروائیاں تنہا افغانی طالبان کر رہے ہیں۔ پاکستانی طالبان سے ان کا تعلق اس لیے ظاہر نہیں ہوتا کہ دونوں کے طریق کار میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ وہ بیرونی حملہ آوروں سے جنگ کر رہے ہیں اور یہ اپنوں ہی کا خون بہا رہے ہیں۔ اس کی ذمہ دار پاکستان کی سرکار ہے۔

امریکہ نے افغانستان میں رہنے کی طویل منصوبہ بندی کر لی ہے جس کی مدت تیس چالیس سال پر بظاہر پھیلی ہوئی ہے۔ یہ اس کے منصوبہ بند پروجیکٹوں سے ظاہر ہوتا ہے۔

اوباما نے موجودہ کمانڈران چیف افغانستان جنرل میک کرنن کو واپس بلا کر عراق کے بدنام جنرل کرسٹل کو مقرر کیا ہے جو ایک ظالم تفتیشی افسر کے طور پر عراق میں بدنام ہو چکے ہیں۔ امریکی میڈیا افغانستان کی جنگ کو اوباما کی جنگ بتا کر پیش کر رہا ہے۔

روسی صدر کا کہنا ہے کہ امریکہ افغانستان کی زمین پر اپنا قبضہ جمائے رہنا چاہتا ہے۔ دہشت گردی کے نام پر امریکہ اور نیٹو نے افغانستان کی اٹھائیس اہم جگہوں پر اپنے اڈے قائم کر لیے ہیں جن میں ۱۳ ہوائی اڈے بھی شامل ہیں۔ یہ ہوائی اڈے بڑی اہم جگہوں پر ہیں جہاں سے امریکہ، ہندوستان، روس، چین اور ایران پر کنٹرول رکھ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ تیل اور گیس کے کنویں جو کیسپین اور خلیج فارس میں ہیں، ان پر بھی للچائی ہوئی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ وہ ۲۰۲۵ تک اس علاقہ کے چالیس فیصد گیس اور تیل اپنے استعمال میں لانے کی سوچ رہا ہے۔ اپنے مقاصد پورے کرنے کے لیے امریکہ ناٹو اتحادیوں کے

علاوہ آسٹریلیا، جاپان اور جنوبی کوریا کو بھی افغانستان میں لے آیا ہے۔ وہ اپنے ہوائی اڈوں کو مضبوط کر رہا ہے اور ہیروئن کے کاروبار کو ترقی دے رہا ہے۔ امریکہ کے حوالے سے روسی صدر نے یہ بھی کہا کہ امریکہ کو چاہئے کہ افغانستان سے واپسی کا ٹائم ٹیبل طے کرے۔ انٹرویو میں روسی صدر دیمتری میدویدف نے افغانستان میں قائم امریکی اڈوں کو ایشیا اور یورپ کے لیے خطرناک قرار دیا۔

یہ تو امریکی منصوبے ہوئے۔ لیکن افغانی طالبان کی اسلامی تحریک ملا عمر کی قیادت میں اپنا بھی منصوبہ رکھتی ہے کہ کسی قیمت پر امریکی بالادستی کو قبول نہیں کیا جائے گا۔

پاکستان میں امریکہ کے اشاروں پر فوجی یورش بھی ان افغانوں یا پشتونوں کو دبا نہ سکے گی جو افغان برسرِ جنگ طالبان سے ہمدردی رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے اوباما کے اشارے پر آزاد قبائل پر پاکستانی فوج اتنا تو ظلم نہ کر سکے گی جتنا ظلم ان کے بزرگ انگریزوں کے زمانہ میں جھیل چکے ہیں اور آج بھی وہ ان کی یادوں اور روایتی کہانیوں میں زندہ ہیں۔ اس وقت اس علاقہ کو ایک عبدالغفار خاں کی ضرورت ہے جو پرامن اور عدم تشدد کے مظاہروں کے ذریعہ حکومت پاکستان کو غیروں کا آلہ کار بننے سے روکنے کا کام کرے اور عوامی طاقت کے ذریعہ اسے صحیح راستے پر لا کر امریکی غلامی سے نجات دلا سکے۔

افغان پناہ گزیں دنیا کے ۶۹ ملکیوں میں موجود ہیں

اقوام متحدہ کے ادارہ برائے پناہ گزیں (یو این ایچ سی آر) کی رپورٹ کے مطابق دنیا میں پناہ گزینوں کا سب سے بڑا میزبان ملک پاکستان ہے، دوسرے نمبر پر شام اور تیسرے پر ایران ہے۔

پاکستان میں گذشتہ سال کے آخر تک ملک کے اندر بے گھر ہونے والے لوگوں کی تعداد ایک لاکھ چھبیس ہزار تھی۔

دو لاکھ ۴۷ ہزار افغان شہری پاکستان سے از خود اپنے وطن واپس ہو چکے ہیں۔ گذشتہ تیس برسوں میں افغانستان میں ساٹھ لاکھ لوگوں نے بین الاقوامی پناہ لی ہے جو ۲۰۰۸ تک کم ہو کر تیس لاکھ رہ گئی تھی۔ دنیا میں ہر چوتھا آدمی افغان پناہ گزیں ہے۔ اس رپورٹ کے مطابق ظلم و ستم سے تنگ آ کر اپنا وطن چھوڑنے والوں کی تعداد چالیس لاکھ تک ہو چکی ہے۔

اسلام آباد میں متعین امریکی سفیر نے کہا تھا کہ دہشت گردی کے خلاف امریکی جنگ کی معاونت کے بدلہ میں پاکستان کو ایک خوشحال ملک بنا دیا جائے گا جہاں زندگی کے لیے ضروری چیزوں کی بھرمار ہوگی۔ لیکن اس وقت ۷۵ فیصد لوگ پاکستان میں بنیادی ضرورتوں سے محروم اور افلاس کی زندگی گزار

رہے ہیں۔ جون میں ہر سال پیش ہونے والا بجٹ جو اشارے لے کر آیا ہے وہ خسارہ کا بجٹ ہے۔ جہاں یہ عکاسی ہوتی ہے کہ اقتصادی شعبہ میں معاملہ مشرف سے آگے نہیں بڑھا ہے بلکہ اور بدتر صورت حال کا سامنا ہے۔ نئی حکومت کو اقتصادی بدحالی سے نجات حاصل کرنا تھی۔ زرداری نے ججوں کی بحالی کے سلسلہ میں کہا تھا کہ عوام نے ججوں کی بحالی کے لیے نہیں روٹی، کپڑے اور مکان کے لیے ووٹ دیا ہے۔ لیکن زرداری نے روٹی، کپڑے اور مکان سے لاکھوں کو محروم کر دیا۔ اپنے ہی وطن میں لوگوں کو بے وطن کر دیا۔ پاکستان کی گیلانی حکومت کے پاس اقتصادیات کی بحالی اور افلاس و غربت کے خاتمہ کا کوئی پروگرام نہیں ہے، نہ اقتصادیات کا کوئی ماہر۔ وزارت خزانہ وزیر اعظم کے پاس ہے۔ وہ ایک بینکار شوکت عزیز کو مشیر خزانہ بنا کر کام چلا رہے ہیں اور قومی اسمبلی مین وفاقی بجٹ وزیر مملکت حنا ربانی نے پیش کیا ہے۔ موجودہ حکومت کے پاس کوئی وزیر خزانہ تک نہیں ہے۔ کیا ہوس ہے اپنے دائرہ اختیار سے باہر والی چیزوں پر قبضہ رکھنے کی مجھے ایک تاریخی واقعہ یاد آ رہا ہے کہ ایک عورت نے محمود غزنی کے دربار میں شکایت کی کہ فلاں علاقہ میں میرا مال و اسباب اور کاروباری قافلہ لوٹ لیا گیا۔

بادشاہ نے اس کی بات سن کر کہا، بڑی بی وہ علاقہ یہاں سے دور اور دشوار گذار ہے اس لیے میں کوئی مدد نہیں کر سکتا۔

بوڑھی عورت نے کہا کہ جس علاقہ کا انتظام نہیں کر سکتے اس پر قبضہ جمائے کیوں بیٹھے ہو۔ اسے کسی دوسرے کے حوالہ کر دو تا کہ وہ وہاں امن و امان قائم کر سکے۔

پرویز مشرف کے دور میں بھی شوکت عزیز اور حنا ربانی موجود تھیں۔ مشرف کے زمانہ کے ناکام وزیر خزانہ گیلانی حکومت میں وزارت خزانہ پر قابض ہیں تو کیا اس سے بہتر کوئی ریزلٹ دے سکیں گے۔

موجودہ بجٹ آئی ایم ایف کا تیار کیا ہوا ہے۔ خسارے کے بجٹ کا مطلب ہوتا ہے کہ ملکی اقتصادیات میں قرضوں کا بوجھ بڑھے گا اور آئی ایم ایف کا مقصد بھی یہی ہے۔

عالمی مالیاتی ادارہ مین آئی ایم ایف کا کنٹرول امریکہ کے ہاتھ میں ہے۔ گیلانی حکومت نے ایک بار پھر ملکی اقتصادیات کو آئی ایم ایف کی زنجیروں میں باندھ دیا ہے۔ حکم یہ ہے کہ عوام پر بوجھ بناؤ، امیروں اور دولت مندوں کو رعایتیں دو۔ آئی ایم ایف کے حکم پر بجلی، گیس اور دیگر اشیاء پر زرتلافی کا درجہ (سبسڈی) بہ درجہ خاتمہ کا اعلان اس کی علامت ہے کہ مہنگائی بڑھے گی، اقتصادی تباہی و بربادی عام ہوگی۔ لہٰذا نہ روزگار کے مواقع پیدا ہوں گے نہ صنعتی پیداوار میں اضافہ ہوگا۔ وہ بجلی، گیس اور دیگر اشیاء پر زرتلافی سے تو کترا رہی ہے مگر جاگیرداروں اور زمینداروں کو ٹیکس کے دائرہ میں لانے پر تیار نہیں

ہے۔دولت مند طبقہ کو ٹیکس سے آزاد رکھا جائے اور عوام پر ٹیکس کا بوجھ بڑھایا جائے۔
شوکت عزیز کا کہنا ہے کہ زراعت پر ٹیکس میری موت کا پیش خیمہ ہوگا لیکن امریکہ کے اشارے پر اپنے ہم وطنوں کو خاک و خون میں ڈبو کر لاکھوں کو بے گھر کر دینا کیا ان کی زندگی کی علامت ہوگا۔

پاکستانی طالبان اور فوج

پاکستان کی حکومت نے کالعدم تنظیم تحریک طالبان پاکستان کے سربراہ بیت اللہ محسود کے خلاف راہ نجات کے نام سے فوجی آپریشن شروع کر دیا ہے۔
دوسری طرف قاری زین الدین محسود نے اعلان کیا ہے کہ وہ بیت اللہ کے خلاف اس آپریشن میں حکومت کے ساتھ تعاون کریں گے۔یہ فیصلے ذاتی انا کے تماشوں کے سوا کچھ اور نہیں ہیں۔لاکھوں افغان دنیا کے ۶۹ ملکوں میں بے وطنی کی زندگی گزار رہے ہیں اور یہ باہم گردن زدنی میں لگے ہیں۔
سوال ہو سکتا ہے کہ کیا یہ فوجی آپریشن واقعی فیصلہ کن ہوگا یا پچھلے فوجی آپریشنوں کی طرح ناکام ہو کر پاکستان کے لیے نئے مسائل پیدا کرے گا۔طالبان ٹینکوں، ہیلی کاپٹروں اور جیٹ طیاروں کے مقابلہ پر آنے کے بجائے اپنی محفوظ پناہ گاہوں میں چلے جاتے ہیں۔
بعض تبصرہ نگاروں کا کہنا ہے کہ سوات میں ہونے والے فوجی آپریشن کے دوران طالبان جنگجو آپریشن سے پہلے ہی علاقہ سے نکل گئے یا آپریشن کے نتیجہ میں بے گھر ہونے والے خاندانوں میں شامل ہو گئے۔جنوبی وزیرستان میں بیت اللہ محسود کے مقامی طالبان کے خلاف سخت کارروائی ہوئی تو خطرہ یہ ہے کہ طالبان کی اکثریت اور ان کی لیڈر شپ پہاڑی سلسلوں سے افغانستان چلی جائے گی یا بلوچستان میں داخل ہو جائے گی۔جنوبی وزیرستان میں سیکورٹی فورسز کو سخت مزاحمت کا بھی سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔جنوبی وزیرستان طالبان کے لیے انتہائی اسٹریٹجک اہمیت کا حامل ہے جسے وہ آسانی سے شاید نہیں چھوڑیں گے۔ جب کہ ماضی میں پاکستانی حکومت خود بیت اللہ محسود سے دو بار معاہدے کر چکی ہے۔اس دشوار گزار پہاڑی علاقہ میں طالبان کی مضبوطی کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ دو سال پہلے بیت اللہ گروپ نے تین سو کے قریب سیکورٹی فورسز کے لوگوں کو اغوا کر لیا تھا جن کو بعد کو ایک معاہدہ کے تحت رہا کروایا گیا۔کالعدم تنظیم تحریک طالبان پاکستان اور دوسرے طالبان گروپ پاکستان میں ایک بڑی بلکہ مسلح قوت بن کر ابھرے ہیں جس نے پاکستان کی بنیادوں کو ہی ہلا دیا ہے۔اگر پاکستان کی فوج جلد ہی طالبان لیڈر شپ کو زیر نہ کر سکی تو ان کا اثر و رسوخ پاکستان میں مزید بڑھنے کا اندیشہ ہے۔

بلوچستان، گلگت اور جنوبی پنجاب میں مزید طالبان تحریک سے وابستہ لوگ کھڑے ہو سکتے ہیں۔

افغانستان سے جب طالبان پاکستان آئے تھے تو اس وقت علاقہ کے لوگوں نے اسلامی جذبہ کے تحت ان کی مدد کی تھی لیکن اس وقت یہ مدد نسل و قومیت کی بنیاد پر ہے۔

جنوبی وزیرستان میں کئی گروپ طالبان کے نام پر سرگرم عمل ہیں۔ وزیری قبائل کے طالبان ملا نذیر کے ساتھ ہیں اور محسود قبائل کے طالبان بیت اللہ محسود کے ساتھ ہیں۔ مختلف اوقات میں کئی گروپ آئے اور غائب ہو گئے۔ کچھ مدت پہلے حاجی شریف، نور اسلام، ملا جاوید، مولوی عباس اور مولانا عبدالعزیز کے الگ الگ گروپ تھے لیکن پھر وہ سب خاموش ہو گئے۔

محسود قبیلہ میں طالبان کے دو گروپ تھے۔ ایک عبداللہ محسود کا۔ عبداللہ کا تعلق محسود کی ذیلی شاخ سلمٰی خیل سے تھا اور بیت اللہ کا تعلق شوبی خیل سے ہے۔ عبداللہ محسود کی ہلاکت کے بعد ان کے چچازاد بھائی قاری زین الدین جانشین بنائے گئے۔ قاری زین الدین نے بیت اللہ کی سرداری کو قبول نہیں کیا۔ یہ اپنے سو ساتھیوں کے ساتھ الگ کھڑے ہیں۔ قاری زین الدین طالبان کمانڈر ترکستان بیٹنی کے پاس آرٹا نک میں ہیں۔ ان کا اعلان ہے کہ وہ حکومت سے تعاون کریں گے۔ گذشتہ چند مہینوں کے دوران زین الدین اور بیٹنی کے ساتھیوں نے ٹانک اور ڈیرہ اسماعیل خان میں بیت اللہ محسود کے پندرہ آدمیوں کو ہلاک کر دیا تھا۔ قاری زین الدین کے ساتھ افرادی طاقت زیادہ نہیں ہے لیکن جنوبی وزیرستان میں فوجی آپریشن کے دوران بیت اللہ محسود کے لیے خطرہ ضرور ہے۔ اس لیے کہ وہ قاری بیت اللہ کے ہر ٹھکانے سے واقف ہے اور جنوبی وزیرستان سے باہر جانے والے راستے بھی قاری زین الدین جانتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ پاکستان میں کارروائیاں کرنے والے مسلمان نہیں ہیں۔ آج وہی فوج قاری کو بہادر سپاہی قرار دے رہے ہیں جو کل بیت اللہ کو بہادر سپاہی کے لقب سے نواز چکے تھے۔

جنوبی اور شمالی وزیرستان تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار کلو میٹر میں پھیلا ہوا ہے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ جس قوم میں غدار پیدا ہونے لگتے ہیں اس قوم کے مضبوط قلعے ریت کا ڈھیر ثابت ہوتے ہیں۔

تو کہاں جائے گی کچھ اپنا ٹھکانا کر لے

نیت کا اظہار زبان سے نہیں عمل سے ہوتا ہے۔ دل و زبان کی دوری شکوک و شبہات کو جنم دیتی ہے۔ خیال میں رعنائی ہو، زبان میں چاشنی ہو، الفاظ کی تراش و خراش اور حاشیہ آرائی کے ذریعہ ایک دلفریب تقریر و تحریر تو سامنے آ سکتی ہے، سننے والوں کو ساغر کو مرے ہاتھ سے لینا کہ چلا میں کا پیغام بھی

دے سکتی ہے لیکن لکھنے والے یا تقریر کرنے والے کے چہرہ کو نہیں بدل سکتی۔شعلہ بیانی اور جادو بیانی ایک طرف اور پھول کی پتی سے ہیرے کا جگر کاٹنے کا عمل ایک طرف۔اس حقیقت سے باخبری ہی اصل چیز ہے۔ہم دلوں کو نہیں بدل سکتے مگر زبان کے ذریعہ دلوں کو قریب لا سکتے ہیں اور نیک عمل کے ذریعہ ایک عظیم انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔

امریکی صدر اوباما نے جامعہ الازہر میں جو مصر کے دارالسلطنت قاہرہ کی عظیم و قدیم علمی درسگاہ ہے، جو کہا وہ ایک دلفریب اور مسلمانوں کے مزاج کے عین مطابق تھا۔انہوں نے سات مسائل کا تفصیل سے ذکر کیا، پرتشدد انتہا پسندی، اسرائیل-فلسطین قضیہ، جمہوریت، مذہبی آزادی، ایٹمی ہتھیاروں کا پھیلاؤ، حقوق نسواں، اقتصادی ترقی کے مواقع جوان کی نئی فکر کی عکاسی ہے، بش کے لب و لہجہ سے الگ ایک چیز ہے۔قرآنی آیات سے تقریر کی تزئین کاری مسلمانوں کے دلوں کو چھونے والی اور اس کے نتیجہ میں ۳۷ بار تالیاں بجوانے کا ریکارڈ قائم کرنے والی ہے۔لیکن دوسرا رخ یہ ہے کہ شاید ان کے پاس کوئی ٹھوس لائحہ عمل نہیں ہے۔وہی مرغے کی ایک ٹانگ کہ القاعدہ نے ۱۱/۹ کو تین ہزار انسانوں کو قتل کر دیا جن کا کوئی قصور نہیں تھا۔جس عمارت پر یہ حملہ ہوا آخر اس دن اس میں کام کرنے والا کوئی یہودی کیوں حاضر نہیں تھا۔بس اسی نکتہ پر ۱۱/۹ کا سارا معاملہ طے ہو سکتا ہے۔مگر کل تو یورپ کی رگ جاں پنجہ یہود میں تھی، آج امریکہ کی رگ رگ کو اس نے اپنے جال میں لے لیا ہے۔اسے توڑے بغیر کوئی فیصلہ امریکہ کا صحیح سمت میں ہو ہی نہیں سکتا۔

کوئی بنیادی تبدیلی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک امریکہ اپنی ترجیحات، اپنی فکر، اپنے بین الاقوامی نشانے، اپنی پالیسیوں اور اپنی حکمت عملی کا رخ مسلم دشمنی کی طرف سے موڑ کر صلیبی جنگ کی نفرت انگیز سیاست سے باہر نہ آ جائے۔

خود ان ہی کے قول کے مطابق ہر ورلڈ آرڈر جو ایک قوم کو دوسری قوم پر فوقیت دے گا ناکام رہے گا۔نہیں بلکہ ایک نئے ہٹلری نظام کو جنم دے گا۔

اس کے بعد پاکستان اور افغانستان میں تشدد پسندوں کا پیچھا کرنے کا آپ کا اعلان کیا خود تشدد پسندی پر کاربند رہنے اور دنیا کا داروغہ بننے کا اعلان نہیں ہے؟ کیا امریکہ دنیا کی نگہبانی کرنے والی پولس ہے؟ انہوں نے اپنے ہی ایک سابق صدر کا قول نقل کیا، (تھامس جیفرسن) نے کہا تھا— امید ہے ہماری طاقت کے ساتھ ساتھ ہماری دانش میں بھی اضافہ ہوگا اور ہم یہ سبق سیکھ لیں گے کہ جتنا ہم طاقت کا کم استعمال کریں گے اتنا ہی ہماری طاقت میں اضافہ ہوگا۔کیا جیفرسن کے بعد سے اوباما تک امریکہ کا

کوئی صدر اس قول پر عمل کر رہا ہے۔ ہر جگہ طاقت کا استعمال، ہر جگہ دوسری قوم پر فوقیت حاصل کرنے کا جنون؟

اور جنون کا سبب ہے کہ یورپ کے چالیس ملکوں کی فوجوں کے ساتھ امریکی فوجیں افغانستان میں صلیبی جنگوں کے جنون کے ساتھ مسلمانوں کا خون بہا رہی ہیں۔

آخر ساری دنیا کی کمزور قوموں اور عالم اسلام میں امریکہ کے خلاف نفرت کیوں پائی جاتی ہے؟ اس کا سبب ہے امریکہ کی اپنی فکر ہے جو سامراجی ہے، استعماری انداز، زہر آلود رعونت، بالا دستی کا جذبہ اور دوسروں، خاص کر عالم اسلام پر تسلط حاصل کرنے کا پاگل پن، مکروہ دخل اندازی، اپنی فوجی طاقت کا زعم، قول و عمل میں دوریاں، حقوقِ انسانی اور آدمیت کے احترام کا دوہرا پیمانہ اور دھونس جمانے کا غنڈوں، لفنگوں جیسا انداز۔ لہٰذا اوباما کو خود اپنے قول کے مطابق اپنے گریبان میں جھانکنے کی ضرورت ہے نہ کہ دوسروں کے گریبان چاک کرنے والا وطیرہ اختیار کر کے اپنے لیے نفرت کے سامان فراہم کرتے رہنے والا عمل۔

جہاد افغانستان میں سات دن

پانی پانی کر گئی مجھ کو قلندر کی یہ بات
تو جھکا جب غیر کے آگے نہ من تیرا نہ تن

چمن سامنے ہے شکستہ ہیں بازو خجل ہو رہے ہیں ہم آزاد ہو کر
اب ہوں کسی کے جذبِ کرم ہی کا منتظر میری طلب تو ہے میری تاب وتواں سے دور

۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو جب روس نے پوری فوجی طاقت کے ساتھ افغانستان پر حملہ کیا تو دنیا سمجھ رہی تھی کہ کمیونزم کا یہ سرخ گھوڑا جس طرح سمرقند و بخارا، تاشقند وغیرہ کو تاراج کر چکا ہے، افغانستان میں بھی اسلامی شعائر کو روندنے میں کامیاب ہو جائے گا۔ لیکن افغانستان کے مسلمانوں نے اس بے لگام گھوڑے کو شوق شہادت سے سرشار ہو کر لگام لگانے میں کامیابی حاصل کر لی۔

کتنے ہی نوجوان جہاد میں جانے کے لیے تیار ہو گئے

میں راہ شوق میں منت کش رہبر نہیں ہوتا
مرے داغ جگر کافی ہیں میری رہنمائی کو

پاکستان کے نوجوان افغانستان کے مشہور مجاہد عالم دین مولانا ارسلان رحمانی سے منسلک ہو کر

میدانِ جہاد میں کود گئے۔

پاکستان میں مولانا ارشاد احمد کی تنظیم حرکت الجہاد اسلامی رضا کاروں کو افغانستان لے جا کر اپنے کیمپ میں کچھ دن تربیت دیتے پھر محاذ پر پہنچا دیتے۔

صوبہ پکتیا میں ارغون اور اسی محاذ پر شترنہ کے افغان کمانڈر مولانا فریدالدین جو مجاہدین کی کسی تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں ان سے مل کر پاکستانی طلبا نے روسی چھاؤنی پر حملہ کا منصوبہ بنایا۔ ۲۵ جون ۱۹۸۵ کی شام کا وقت مقرر ہوا۔ دشمن کی یہ چھاؤنی اصل مقام سے پانچ گھنٹہ کی دوری پر تھی۔ راستہ پہاڑی، کچا اور دشوار گزار۔ بڑی محنت کے بعد ایک ٹریکٹر اور اس کے پیچھے ٹرالی مل گئی۔ نماز عصر کے بعد پینتالیس مجاہدین کا یہ دستہ ایک افغان کمانڈو مولانا عید محمد کی قیادت میں روانہ ہو گیا جس میں محاذ شترنہ کے کئی افغان مجاہد بھی شامل تھے۔ پروگرام تھا کہ گیارہ بجے رات تک شترنہ پہنچ کر حالات کا جائزہ لیں گے اور نماز فجر کے بعد چھاؤنی پر حملہ کر دیں گے۔ مگر جاسوسی کے نتیجہ میں دشمن ہی نے ان پر حملہ کر دیا جس میں مولانا ارشاد احمد صاحب شہید ہو گئے۔ عمر ۲۹ سال ۲۰ دن تھی، شادی کو چار ماہ ہوئے تھے۔

اس کے بعد مجاہدین کی ایک جماعت وہاں آ گئی۔ وہ زخمیوں اور شہداء کو لے گئی اور ان کی تدفین میں قریبی گاؤں کے ہزاروں لوگوں نے شرکت کی۔

موت نہ اپنی آمد سے پہلے مطلع کرتی ہے اور نہ وقت مقررہ سے مقدم و موخر ہو سکتی ہے۔

ہری ہے شاخ تمنا ابھی جلی تو نہیں
دبی ہے آگ جگر، مگر بجھی تو نہیں
جفا کی تیغ سے گردن وفا شعاروں کی
کٹی ہے برسر میداں، مگر جھکی تو نہیں

حافظ قاری امیر احمد شہید گلگتی، حاجی شیر بن احمد خاں کے صاحبزادے گلگت میں پیدا ہوئے۔ قرآن کریم حفظ کیا۔ فن قرأۃ و تجوید راولپنڈی میں مکمل کر کے درس نظامی کے لیے دارالعلوم کراچی میں داخلہ لیا۔ عمر ۱۲ یا ۱۳ سال تھی۔ شہادت کے وقت عمر ۲۰ سال کے قریب تھی۔

۱۹۸۴ء میں جب دارالعلوم میں سالانہ تعطیلات ہوئیں تو یہاں سے سیدھے افغانستان جا کر جہاد میں شریک ہو گئے۔

تعطیلات ختم ہونے سے پہلے میدان جہاد سے چند روز کے لیے گلگت گئے اور کراچی واپسی کے وقت والدین سے آئندہ سال جہاد میں شرکت کی اجازت چاہی۔ والد نے فرمایا کہ تم ایک مرتبہ جہاد میں

حصہ لے چکے ہو، حافظ قاری بھی ہو چکے ہو۔ مزید تعلیم میں مشغول رہو۔ یہ تحصیل علم بذات خود جہاد ہے۔

بیٹے نے ادب سے جواب دیا— جہاد افغانستان میں ہمیں جن حالات و واقعات کا مشاہدہ ہوا ہے ان کی موجودگی میں خاموش تماشائی بن کر بیٹھ جانا غیرت ایمانی کے خلاف ہوگا۔ وہاں ماؤں، بہنوں کی عصمتیں لٹ گئی ہیں، مساجد و مدارس کو مویشی خانہ بنا دیا گیا ہے، آبادیاں ویران اور فصلیں تباہ ہو چکی ہیں۔

والد نے ان کے جذبہ کو دیکھ کر دوبارہ جہاد میں شرکت کی اجازت دے دی مگر ماں نے کہا، بیٹا ہمارا بھی تم پر حق ہے۔ سال بھر آنکھوں سے اوجھل رہتے ہو۔ ہم تمہارے آنے پر خوشی مناتے ہیں۔ کم از کم چھٹیاں تو ہمارے ساتھ گزارا کرو۔

عظیم بیٹے نے نرمی سے جواب دیا— پیاری امی! میں نے دنیا کی چند روزہ خوشیاں آخرت کی دائمی خوشیوں پر قربان کر دی ہیں۔ اب دنیا کی خوشیوں کی تمنائیں مجھ سے وابستہ نہ رکھیں۔ انشاء اللہ آخرت میں ہم سب کو دائمی خوشیاں ملیں گی۔ اس کے بعد ماں کی مامتا نے بھی اجازت دے دی۔

چنانچہ اپنے ساتھیوں کے ساتھ افغانستان میں ارغون کے محاذ پر پہنچ گئے اور ۶/شوال ۱۴۰۵ھ کو ''شرنہ'' کے خونریز معرکہ میں شہید ہو گئے۔

جوہر انساں عدم سے آشنا ہوتا نہیں
آنکھ سے غائب تو ہوتا ہے فنا ہوتا نہیں

اس طرح ایران کے ایک سنی خاندان کے فرزند عبدالواجد علم دین کی پیاس لے کر پاکستان آئے۔ دارالعلوم کراچی میں داخلہ لیا۔ ذہن میں یہ بات پختہ ہو چکی تھی کہ مسلم قوم کو جہاد کے بغیر عزت نہیں مل سکتی۔ ۱۴۰۵ھ کی سالانہ تعطیل میں ارغون کے محاذ پر مصروف جہاد رہے اور شرنہ کے معرکہ میں شہادت کی عظمتوں سے سرفراز ہوئے۔ ان مجاہدوں کا قول تھا ''جب مرنا ہی ہے تو شہادت کی موت مرا جائے''۔

زندگی کی آگ کا انجام خاکستر نہیں
ٹوٹنا جس کا مقدر ہو یہ وہ گوہر نہیں

مولوی محمد سلیم برمی ۱۹۶۱ء میں پاکستان آئے کہ علم دین حاصل کر کے اپنے وطن کے بیکس مسلمانوں کو جہاد کے لیے تیار کریں گے۔

دارالعلوم کراچی میں تین سال زیر تعلیم رہے۔ درس عالیہ کی تکمیل کر چکے تھے۔ درس نظامی کے دو

سال باقی تھے۔مگر جہاد افغانستان میں روانہ ہو گئے۔ساتھیوں سے کہا کہ دعا کرنا مجھے شہادت نصیب ہو۔طبیعت میں ظرافت تھی۔محاذ جنگ پر آگ و گولوں کی بارش میں بھی مزاحیہ جملوں سے ان کے ساتھی لطف اندوز ہوتے رہے۔

ایک روز چار ساتھیوں کے ساتھ ان کو گشت کی ڈیوٹی پر بھیجا گیا۔واپسی میں یہ لوگ راستہ بھول گئے۔ایک ساتھی نے مشورہ دیا کہ مقررہ قاعدہ کے تحت تین فائر کئے جائیں تا کہ ہمارے ساتھی ان کو سن کر جوابی فائر کریں۔اس طرح ہمیں راستہ کا اندازہ ہو جائے گا۔مگر دوسرے ساتھی نے کہا ہم فائر کیسے کریں،دشمن کی چوکی کے قریب ہیں۔

سلیم صاحب نے ہنس کر کہا— آہستہ سے فائر کرو تا کہ دشمن نہ سن سکے۔بہر حال شرنہ کے معرکہ میں زخمی ہو گئے۔پاکستان لانے کے لیے دوسرے زخمیوں کے ساتھ اونٹ پر باندھ دیا گیا مگر خون زیادہ بہہ جانے کی وجہ سے راستہ میں ہی ایک افغان گاؤں ''موش خیل'' میں دم نکل گیا۔

قریب کے گاؤں والے بھی آ گئے۔اپنے گاؤں لے جانا چاہتے تھے کہ جہاں ان کے امیر اور دیگر شہداء کو دفن کیا گیا ہے ان کو بھی وہیں دفن کیا جائے۔مگر موش خیل والے راضی نہ ہوئے اور بحث وتکرار کے بعد موش خیل میں دفن ہوئے۔دونوں گاؤں والوں کے آنسو اس برمی مجاہد کو نذرانہ عقیدت پیش کر رہے تھے۔

سر خاک شہیدی، برگہای لالہ می پاشم
کہ خونش بانہال ملت ما سازگار آمد

فیصل آباد کے مولانا ارشاد احمد صاحب کراچی میں درس نظامی کے آخری سال میں تھے۔عمر کا بیسواں سال تھا۔جہاد میں جانے کو تیار ہو گئے۔دو اور طالب علم سیف اللہ اختر اور عبدالصمد سیال جو مرحلہ عالیہ کے سال اول کے طالب علم تھے،جہاد کے لیے تیار ہو گئے۔تین مجاہدوں پر مشتمل یہ جماعت وجود میں آئی جو آگے چل کر حرکۃ الجہاد الاسلامی کی شکل اختیار کر گئی۔

ان تینوں نے پشاور پہنچ کر افغانستان کے اور وہاں کی مجاہد تنظیموں کے بارہ میں معلومات فراہم کیں اور افغانستان کے مشہور مجاہد عالم دین مولانا ارسلان رحمانی کے ساتھ جہاد میں شامل ہو گئے۔

ملتان سے ڈیرا اسماعیل خاں کا سفر شروع ہوا اور مغرب کے وقت وہاں پہنچ گئے۔نماز کے بعد سفر کے اگلے مراحل کی تفصیلات طے ہوئیں۔عشاء کی نماز کے بعد مجاہدین سے محاذ کی تازہ صورت حال اور جنیوا سمجھوتہ،جس کے مذاکرات جنیوا میں چل رہے تھے،ان کے مختلف پہلوؤں پر غور ہوا۔

یہ شعبان کی پندرہویں شب تھی۔ عبادت کے لیے جاگنا تھا مگر طے ہوا ابھی سو جایا جائے اور تین بجے رات میں بیدار ہوا جائے اور منزل کی طرف روانہ ہو جایا جائے اور بس ہی میں تلاوت اور ذکر و دعا کے ساتھ سفر جاری رکھا جائے۔

۱۵رشعبان ۱۴۰۸ھ بمطابق ۳راپریل ۱۹۸۸ء اخیر شب میں آنکھ کھلی تو دفتر میں بڑی چہل پہل تھی۔ مجاہدین تیاری میں لگے تھے۔ بس کرایہ پر لے لی گئی تھی۔ وضو کر کے گاڑی میں سوار ہوئے۔ شہر سے باہر جاتے جاتے صبح کے چار بج چکے تھے۔ ڈیرہ اسماعیل خاں سے قافلہ میں دفتر کے ناظم قاری نعمت اللہ بھی سوار ہو چکے تھے۔ دو اور پاکستانی مجاہد گاڑی تیزی سے شمال مغرب کی طرف دوڑ رہی تھی۔ سب لوگ تلاوت و دعا میں مشغول تھے۔ لطیف اور ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں۔

صبح سوا پانچ بجے یہ شہر ٹانک کے مضافات میں داخل ہو گئے۔ سڑک کے کنارے ایک ناہموار میدان تھا۔ بس اس کے آخری حصہ میں ایک نیم پختہ ہوٹل کے سامنے جا کر رکی۔ یہاں کا ماحول ایسا پرکیف معلوم ہوا جیسے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ جاتے ہوئے۔

نماز فجر سے فارغ ہو کر ہوٹل میں جو کچھ میسر تھا اسی پر ناشتہ ہوا۔ آگے دوپہر سے پہلے کچھ ملنے کی امید نہ تھی۔ اس کے بعد بس مغرب کی طرف روانہ ہو گئی۔

کچھ دیر سیدھے چلنے کے بعد سڑک رفتہ رفتہ بل کھاتی ہوئی پہاڑی علاقہ میں داخل ہوئی اور جنوبی وزیرستان کا خوبصورت علاقہ شروع ہوا۔ دونوں طرف چھوٹی بڑی پہاڑیاں، اونچی نیچی زمین پر لہلہاتی کھیتیاں، دور تک پھیلی ہوئی وادیاں، پہاڑی ندیاں اور جگہ جگہ پانی کے سرد و شیریں چشمے۔ یہ آزاد علاقہ ہے جو عرف عام میں علاقہ غیر کہلاتا ہے۔

یہاں قبائلی زندگی کا راج ہے۔ ہر قبیلہ آزاد ہے۔ جا بجا پہاڑوں اور اونچے نیچے میدانوں میں آبادیاں ہیں۔ مکانات کچے یا نیم پختہ۔ بستیوں کے اندر اور باہر جا بجا قلعہ نما بڑے بڑے کچے مکانات بھی ہیں جو بلندیوں پر بنائے گئے ہیں۔ ان میں فائرنگ کے لیے مورچے بنے ہوئے ہیں۔

یہاں سڑک کی چوڑائی کم ہو گئی۔ پہلے کچی بنی تھی، جہاد افغانستان کے دوران پختہ بنائی گئی جو جنوبی وزیرستان کے مغربی کنارے تک مڑتی اور بل کھاتی چلی گئی ہے۔

اسی آزاد علاقہ کو پار کر کے افغانستان کی وہ سرحد آتی ہے جہاں سے ارغون کے محاذ پر جانا تھا۔ اس علاقہ میں زیادہ تر لوگوں کا ذریعہ معاش گلہ بانی ہے۔ کہیں کہیں خانہ بدوشوں کے قافلے بھی نظر آتے ہیں جو گرمیاں گزارنے کے لیے پہاڑوں کی طرف چل پڑتے ہیں۔

دس بجے دن میں پہاڑوں کے بیچ ایک کچا ہوٹل پہاڑی نالے کے قریب دکھائی دیا۔اس پہاڑی نالے کا پانی سب نے سیر ہو کر پیا۔پھر چائے کا دور چلا اور تر و تازہ ہو کر سب لوگ پھر مغرب کی طرف روانہ ہوئے۔اب یہ لوگ جنوبی وزیرستان کے مرکزی شہر 'دانا' کے پاس تھے۔ وہاں کے مشہور عالم مولانا نور محمد صاحب کا پیغام ملا کہ دانا میں ہم آپ کے منتظر رہیں گے اور دوپہر کا کھانا آپ حضرات ہمارے ساتھ کھائیں گے۔ایک گھنٹہ کے بعد یعنی گیارہ بجے ہم دانا شہر میں داخل ہو گئے۔ یہاں کی شاندار جامع مسجد کے سامنے بس رکی۔ دروازے پر کھڑے طلباء نے پختون روایات کے تحت جو کلاشنکوفوں سے لیس تھے پرتپاک استقبال کیا۔مولانا نور محمد صاحب بھی تشریف لائے،بغل گیر ہوئے اور اپنے دفتر اوپر کی منزل میں لے گئے جہاں فرش پر تکیے لگے ہوئے تھے۔مسجد اور دفتر کی ساری عمارتیں جدید طرز کی بنی ہوئی ہیں۔

جنوبی وزیرستان کے جن علاقوں سے یہ گزرے اور خود دانا میں رہائشی مکانات تو کچے یا نیم پختہ بنے ہیں اکثر آبادی غریب ہے۔مگر جامع مسجد ایسی شاندار بنائی ہے کہ اس علاقہ میں ویسی کوئی عمارت دکھائی نہیں دیتی۔دیواروں پر ماربل چپس اور موزائک لگا ہوا ہے۔دفتر میں ہر طرف الماریاں تھیں جن میں اردو، فارسی اور عربی کی کتابیں سجی ہوئی تھیں جو مولانا کے علمی ذوق کا پتہ دیتی تھیں۔مسجد سے ملحق دینی مدرسہ دارالعلوم وزیرستان دانا ہے جس میں درس نظامی کے ساتھ عصری علوم اور انگریزی پڑھانے کا بھی انتظام ہے۔

مولانا نور محمد صاحب مسجد کے خطیب اور دارالعلوم کے مہتمم ہیں۔ یہ اس علاقہ میں مجاہدین افغانستان کے بڑے حامی اور ان کی امیدوں کا مرکز ہیں۔انہیں کی بدولت جنوبی وزیرستان میں مجاہدین کو راہ داری کی سہولتیں میسر ہیں۔

یہاں بھی روسی جاسوسوں کی کمی نہیں جو مجاہدین کے خلاف پروپیگنڈے میں مصروف رہتے ہیں اور روس کی مالی امداد پانی کی طرح بہاتے رہتے ہیں۔مگر مولانا اور ان کے ساتھیوں نے ان سازشوں کو کسی حد تک ناکام بنا دیا ہے۔یہاں کے غیرت مند مسلمان ہر مہم میں محاذ پر جا کر شریک جہاد ہوتے رہتے ہیں۔ مولانا نے جہاد افغانستان نام کی ایک کتاب بھی لکھی ہے۔محاذ ارغون کے بارے میں ان سے معلومات حاصل ہوئیں۔ساتھ ہی انہوں نے روسیوں کی طرف سے کی جانے والی سازشوں پر بھی روشنی ڈالی۔

جنیوا سمجھوتہ اور آزاد قبائل

مولانا نور محمد صاحب نے بتایا کہ آزاد قبائل نے فیصلہ کیا ہے اور بہتر ہوگا کہ آپ حضرات بھی ہماری طرف سے اعلان کر دیں کہ جنیوا سمجھوتہ میں اگر مجاہدین افغانستان کے موقف کو نظر انداز کیا گیا یا ان کی امداد پر کسی طرح کی روک لگائی گئی تو حکومت پاکستان اپنی مجبوریوں کے تحت اس پر دستخط کر بھی دے لیکن آزاد قبائل پر یہ سمجھوتہ ہرگز لاگو نہ ہوگا۔ ہم ایسے سمجھوتہ کو ابھی سے مسترد کرتے ہیں اور اعلان کرتے ہیں کہ جب تک روسی فوجیں اور ان کے مشیر افغانستان سے نکل نہیں جاتے اور پورے افغانستان پر مجاہدین کی اسلامی حکومت قائم نہیں ہو جاتی ہم مجاہدین کی امداد جاری رکھیں گے اور ان کے شانہ بشانہ لڑتے رہیں گے۔

ظہر کی نماز کے بعد ہم اسی بس میں آگے روانہ ہو گئے۔ ہمیں غروب آفتاب سے پہلے جنوبی وزیرستان کے سرحدی قصبہ ''بگڑ'' پہنچنا تھا جو پاکستان و افغانستان کی سرحد پر مجاہدین کا مرکز ہے۔ رات وہاں گزار کر اگلی صبح افغانستان کے صوبہ ''پکتیکا'' میں داخل ہونا تھا۔ تقریباً ایک گھنٹہ کے بعد قصبہ ''اعظم وارسک'' آیا۔ اس کی آبادی سے ذرا آگے پاکستان کی فوجی چوکی تھی۔ بس اس کے پاس سے گزرتی ہوئی آگے نکل گئی۔ پختہ سڑک یہاں ختم ہوگئی۔ ٹانک کے بعد صبح سے اب تک سفر مغرب کی طرف ہوتا رہا۔ مگر اب یہ وزیرستان کے بالکل آخری کنارے پر پہنچ چکے تھے۔

آگے فلک بوس پہاڑوں کی قدرتی فصیل نے راستہ روک رکھا تھا جو شمال و جنوب میں حد نگاہ تک چلی گئی تھی۔ اسی قدرتی فصیل کے پیچھے مغرب میں افغانستان ہے۔ یہاں سے ان ہیبت ناک پہاڑوں کو عبور کر کے افغانستان میں داخل ہونے کا یا تو راستہ نہیں یا اگر ہے تو وہ ارغون کے محاذ پر نہیں جاتا۔ اسی لیے بس اس پہاڑی سلسلہ کے دامن میں پہنچ کر شمال کی طرف مڑ گئی۔ اب یہ ایک سنسان وادی میں شمال کی طرف جا رہے تھے۔ دونوں طرف پہاڑی سلسلے۔ بائیں طرف وہی پہاڑی سلسلہ تھا جس کے پیچھے افغانستان ہے۔

چند میل آگے جا کر وادی تنگ ہوگئی اور بس رفتہ رفتہ دائیں طرف کے پہاڑی سلسلہ میں شمال ہی کی طرف اوپر چڑھنے لگی۔ ڈانواڈول رفتار سے نہ جانے کتنے پہاڑ عبور کرنے کے بعد سامنے ایک بہت اونچا سرسبز و شاداب پہاڑ نظر آیا جو چیڑ کے خوشنما اونچے درختوں سے ڈھکا ہوا تھا اور چوٹیاں برف سے چمک رہی تھیں۔ رفتہ رفتہ اس پہاڑ پر چڑھائی شروع ہوئی۔ یہاں کچی تنگ اور چکردار سڑک پر جگہ جگہ

نوکیلے پتھر ابھرے ہوئے تھے۔ بس مشکل سے جھولے کی طرح جھولتی ہوئی رینگ رینگ کراوپر چڑھ رہی تھی اور نئی ہونے کے باوجود اس کی چول چول سے صدائے احتجاج بلند ہو رہی تھی۔ راستہ کی دقتوں کی وجہ سے ادھر آنے کے لیے کرایہ کی گاڑی مشکل ہی سے ملتی ہے۔

اس پہاڑ پر چڑھائی کے دوران پاکستانی فوج کی ایک اور چھاؤنی کے کچھ حصے اور مورچے دکھائی دیئے۔

مسلمانوں کی سرحدوں کو دشمن کے حملوں سے بچانے کے لیے جو خدمات انجام دی جاتی ہیں ان کو احادیث نبویہ میں ''الرباط'' کہا گیا ہے۔ حضور اکرمؐ نے جہاد ہی کی طرح اس خدمت کے بھی خصوصی فضائل ارشاد فرمائے ہیں۔

ایک گھنٹہ کی لگاتار چڑھائی کے بعد برف پوش چوٹیاں آ گئیں۔ یہاں سے کچھ ڈھلان کے بعد قصبہ ''بگڑ'' آنے والا تھا۔ راستہ میں سب نے ایک چشمہ کا پانی پیا۔ عصر کا وقت ہو رہا تھا۔ وضو بھی کر لیا گیا۔ کچھ اور نیچے چل کر بگڑ شروع ہو گیا۔ یہاں مجاہدین کی تنظیموں کے کئی مراکز ہیں۔

پاکستان مجاہدین کی تنظیم حرکۃ الجہاد الاسلامی جس کے زیر اہتمام یہ سفر ہو رہا تھا، اس کا بھی ایک مرکز یہاں تھا۔ بس چلتے چلتے مغرب کی طرف مڑی اور ایک چشمہ کو عبور کر کے ایک پہاڑی ڈھلان پر رک گئی۔ ڈھلان پر نوجوانوں کا مسلح دستہ ہمیں سلامی دینے کے لیے چاق و چوبند کھڑا تھا۔ ہم بس سے اترے اور سب سے بغل گیر ہوئے۔ بیشتر دینی مدارس کے طلباء تھے جو کراچی سے دو روز پہلے یہاں پہنچے تھے اور ہمارا انتظار کر رہے تھے۔

ہم سپاہی ہم سپہ گر ہم امیر
باعدو فولاد و بایاراں حریر

یہ مرکز افغانستان کے مجاہد رہنما مولانا ارسلان رحمانی کا ہے جو افغانستان کے مشہور رہنما استاد عبد ربّ الرسول سیاف کی تنظیم اتحاد اسلامی افغانستان کے اہم ستون ہیں۔ افغانستان کے صوبہ پکتیکا کے کمانڈر ہیں۔ کابل کی حکومت نے ان کو زندہ یا مردہ لانے پر کئی لاکھ روپوں کا انعام رکھا ہے۔

نشاط کامراں اس کا حیات جاوداں اس کی
جو دل لذت کش ذوقِ نگاہِ یار ہو جائے

مجاہدین نے اس مرکز میں اسلحہ کے ذخیرے دکھائے۔ مختلف قسم کے گولے، راکٹ، میزائل۔ سامنے کھلا ہوا میدان ہے جو روسی گاڑیوں کا قبرستان ہے جو مجاہدین نے ان سے چھینی تھیں۔ کئی روسی

ٹرک بکتر بند گاڑیاں۔ایک ہیلی کاپٹر کا ملبہ،ایک روسی ٹینک کی توپ کا دہانہ،ایک آئل ٹینکر اس میدان میں پڑے تھے۔

مرکز میں گھومتے اور تفصیلات جانتے ہوئے مغرب کا وقت ہو گیا۔

ناگاہ فضا بانگ اذاں سے ہوئی لبریز
وہ نعرہ کہ ہل جاتا ہے جس سے دل کہسار

۱۴ر جولائی ۱۹۸۶ء کو ارغون کے علاوہ خرگوش کے قریب ایک بڑا معرکہ ہوا۔دو بجے کے قریب جب میدان کارزار گرم تھا مجاہدین نے وقفہ وقفہ سے چھوٹی چھوٹی جماعتیں بنا کر ظہر کی نماز ادا کی۔نماز کے بعد دو منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ دشمن کے گولے سے ایک مجاہد زخمی ہو گیا۔سیف اللہ خالد اس کو اٹھانے کے لیے مورچہ سے نکلے مگر کسی دوسرے مجاہد نے اسے لپک کر اٹھا لیا۔سیف اللہ اپنے مورچہ کی طرف مڑنے کو تھے کہ دشمن کا ایک گولہ ان کے قریب آ کر پھٹا جس سے وہ اسی وقت شہید ہو گئے۔

نامش از خورشید و مہ تابندہ تر
خاک قبرش از من و تو زندہ تر

روس نے شروع میں ظاہر شاہ کو استعمال کیا۔روس کے اشارہ پر ظاہر شاہ نے ثقافتی انقلاب برپا کیا۔اس کا مقصد اسلامی اقدار کی پامالی اور دینی قوتوں کو مٹا دینا تھا۔پردہ کے خلاف بھی منظم تحریک چلائی گئی۔ایک قومی اجتماع میں ایک مسلم خاتون کی چادر روند کر اعلان کیا گیا—اب ہمیشہ کے لیے تاریکی کا خاتمہ کر دیا گیا ہے۔

اہل قندھار نے اس کے خلاف آواز اٹھائی تو ظاہر شاہ نے فوج بھیج کر سینکڑوں مسلمانوں کو قتل کروا دیا اور اپنے چچیرہ بھائی و بہنوئی داؤد خان کو وزیر اعظم بنا دیا۔یہ دس سال وزیر اعظم رہا۔سیکولر اور کمیونسٹ نظریات کا حامی تھا۔افغانستان کے کمیونسٹ نور محمد ترہ کئی، ببرک کارمل اور حفیظ اللہ امین اسی کے زیر سایہ پروان چڑھے تھے۔اس کے خلاف افغانستان میں علمائے کرام کی تنظیم خدام الفرقان کھڑی ہوئی۔اس کے صدر شیخ محمد اسماعیل مجددی تھے۔مولانا ارسلان رحمانی نے بھی اس میں حصہ لیا۔

۱۹۷۲ء میں روس نے ظاہر شاہ کو معزول کروا کر داؤد کو جمہوریہ افغانستان کا صدر بنوا دیا۔ظاہر شاہ نے روس سے وفاداری میں ملک وملت سے جو غداری کی تھی وہ روم میں جلاوطن کر دیا گیا۔

داؤد کو روس اس لیے لایا تھا کہ شاید یہ لادینیت پھیلانے میں کامیاب ہو جائے گا،اس نعرہ کے ساتھ—

افغانیوں کی غیرت دیں کا ہے یہ علاج
ملا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو

لیکن وہ ناکام ہی رہا اور ۲۷ر اپریل ۱۹۷۸ء کو روس کے اشارہ پر نور محمد ترہ کئی نے صدر داؤد کو قتل کر دیا اور کمیونسٹ انقلاب کا نعرہ دیا۔ اسی طرح داؤد کو بھی ملک وملت سے غداری کی سزا ملی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ہی فرما دیا — جو شخص لوگوں کو خوش کرنے کے لیے اللہ کی ناراضگی مول لیتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ان ہی لوگوں کے حوالہ کر دیتا ہے۔ (مشکوٰۃ)

کمیونسٹ حکومت کے اعلان کے ساتھ جہاد کی تحریک عام ہوگئی۔

سرخ انقلاب کے دسویں دن مولانا عبدالغنی نے ''دار شخیل'' سے اعلان جہاد کیا۔ مولانا ارسلان رحمانی نے، جو ارغون صوبہ پکتیکا کے رہنے والے ہیں، کمیونسٹوں کے خلاف پورے ملک کے مفتیوں سے رابطہ قائم کر کے متفقہ طور پر جہاد کا فتویٰ دیا۔ اس کے بعد چھاپہ مار جنگ شروع ہوگئی جس میں ڈھیرے ڈھیرے عوام بھی شریک ہوگئے۔ سب سے پہلے ان لوگوں نے ان سرکاری اسکولوں کو برباد کر دیا جہاں مسلم بچوں کو کمیونزم کی تعلیم دی جارہی تھی۔

سرکار نے دینی مدارس بند کر دیئے۔ جو بند نہ ہو سکے ان پر بلڈوزر چلا دیئے گئے۔ دیکھتے دیکھتے نورستان، سمنگان، ہرات، بدخشاں اور پنجشیر کے علماء اور عوام بھی جہاد میں شامل ہو گئے۔ ترہ کئی حکومت نے اس جہاد کو کچلنے کے لیے بھرپور فوجی طاقت کے ساتھ زہریلی گیس تک کا استعمال کیا۔ ۱۵ر مارچ ۱۹۷۹ء کو ہرات میں بیس ہزار مسلمانوں کو شہید کیا گیا۔

مولانا ارسلان رحمانی نے اپنے رفقاء کے ساتھ ارغون، شرانہ اور خیر کوٹ وغیرہ کے علاقوں پر قبضہ کر لیا۔ ان کی کارروائیاں کابل کے قریب تک جا پہنچیں۔

مجاہدین کو اس سے بھی کامیابی ملی کہ سرکاری فوج کا بڑا حصہ مجاہدین سے آ کر مل گیا۔ ۹۸ فیصد عوام مجاہدین کے چھپنے اور کھانے پینے کا انتظام کرتے تھے۔

روس نے ترہ کئی کی مجاہدین کے سامنے بے بسی کو دیکھتے ہوئے اپنے چوتھے مہرے حفیظ اللہ امین کو آگے بڑھایا جس نے ترہ کئی کو قتل کر کے کرسی صدارت پر قبضہ کر لیا۔ مگر اسے بھی کام کا دیکھ کر صرف تین ماہ بعد حفیظ اللہ امین کی جگہ ببرک کارمل کو افغانستان کا صدر بنا کر ۲۷ر دسمبر ۱۹۷۹ء کو اپنی فوجیں افغانستان میں اتار دیں۔

روس یہ سمجھتا تھا کہ اس نے جس طرح دوسری ریاستوں کو ہڑپ کر لیا ہے یہاں بھی ویسی ہی

کامیابی ملے گی۔اس کے بعد پاکستان اور بلوچستان کے ساحلوں پر اس کا قبضہ ہوگا۔روسی فوجوں کے آتے ہی افغانستان کی بستی بستی میں جہاد کے شعلے بھڑ کنے لگے۔وہ ایک ایسے ملک میں داخل ہوئے تھے جس کا دامن غلامی کے داغ سے پاک ہے۔

جب ببرک کارمل بھی نام ہوگیا تو روس نے چھٹے مہرہ نجیب اللہ کو آزمایا جو کابل کی گرتی ہوئی کرسی صدارت پر اپنی قسمت کو روتا رہا۔

ہوئی نہ زاغ میں پیدا بلند پروازی
خراب کر گئی شاہین بچے کو صحبت زاغ

نجیب اللہ کی دَم توڑتی حکومت صرف شہروں اور چھاؤنیوں تک محدود رہ گئی۔پورے ملک میں مجاہدین کی اذان گونجنے لگی۔

آغوش میں اس کی وہ تجلی ہے کہ جس میں
کھو جائیں گے افلاک کے سب ثابت و سیار

شروع میں مجاہدین کے پاس صرف بندوقیں تھیں جو عام طور پر افغان گھرانوں میں ہوا کرتی ہیں۔انہوں نے پٹرول اور صابن کا گھول بوتلوں میں بھر کر آگ لگانے والے بم بنا لیے تھے۔وہ روسی گاڑیوں اور ٹینکوں پر قریب جا کر مارتے اور ٹینک آگ کے شعلوں میں تبدیل ہو جاتا۔

جہاد شروع ہونے کے بعد مسلم ممالک کے اہل خیر حضرات کی طرف سے مالی امداد آنے لگی تو مجاہدین نے پاکستان کے آزاد قبائل سے ہتھیار خرید کر روسی چوکیوں پر حملہ کر کے روسی ہتھیار لوٹنا شروع کر دیئے۔اس طرح بڑی تعداد میں روسی ہتھیار ان کے پاس آ گئے جس سے مقابلہ میں آسانی ہوگئی۔

مجاہدین کا سب سے بڑا ہتھیار صبر و توکل ہے جو چودہ سو سالہ تاریخ میں دشمن کے لیے ہمیشہ حیرت کا موجب رہا ہے۔اس جہاد میں دینی مدارس کے طلبا اور علمائے حق پیش پیش تھے۔نہ جانے کتنے طلبا اور علماء نے جام شہادت نوش کیا۔

سورہ احزاب میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے—ان میں کچھ تو وہ ہیں جو اپنا عہد پورا کر چکے (یہاں تک کہ شہید ہو گئے) اور کچھ وہ ہیں جو شہادت کے مشتاق ہیں۔

ہفت کشور جس سے ہو تسخیر بے تیغ و تفنگ
تو اگر سمجھے تو تیرے پاس وہ ساماں بھی ہے

افغانستان میں جو جہاد جاری تھا روسی جارحیت کے خلاف اس کے پورے دس سالہ اعداد و شمار تو

ہمارے پاس نہیں ہیں، لیکن ڈاکٹر عبداللہ عزام نے اپنی عربی کتاب "عَبْدٌ وَ بَصائرِ لِلْجِهَاد" میں ۱۹۸۳ء سے ۱۹۸۵ء تک کے اعداد و شمار درج کئے ہیں۔

مجاہدین نے ان تین برسوں میں دشمن کا اسلحہ اور ساز و سامان برباد کیا——

طیارے اور ہیلی کاپٹر	۸۰۰
ٹینک	۴۰۴۶
فوجی گاڑیاں	۷۰۵۲
بھاری اسلحہ	۳۸۷

ان تین برسوں میں جو فوجی سامان دشمن سے چھینا——

ٹینک	۸۷
فوجی گاڑیاں	۶۰۹
بھاری اسلحہ	۸۰۷
ہلکے ہتھیار	۱۷۴۸۰

تین برسوں میں دشمن کے جانی نقصان کے اعداد و شمار——

مجاہدین کے ہاتھوں قتل ہوئے	۸۳۳۶۵
ان میں افسروں کی تعداد	۳۸۶۸
زخمیوں کی تعداد	۴۴۸۴۴
ان میں افسروں کی تعداد	۳۰۰۰
گرفتار ہوئے	۹۵۸۰
ان میں افسروں کی تعداد	۳۵۱
افغان فوج کے جو سپاہی اور افسر مجاہدین سے آملے	۱۶۰۴۸
ان میں افسروں کی تعداد	۴۷۷

نو سال میں تین سال کے اعداد و شمار سے باقی سات سالہ جنگ میں روس کی بربادی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

روس کے خلاف مجاہدین کو ملنے والی امریکی امداد کے بارہ میں مجاہدین کسی خوش فہمی کا شکار نہیں تھے۔ وہ جانتے تھے کہ امریکہ اپنے مفادات کے سلسلہ میں یہ سب کچھ کر رہا ہے اور جب امریکی مفادات کا

تقاضا ہوگا تو وہ روس سے مل کر بھی افغانیوں کی پشت میں خنجر مارنے میں ذرا پس و پیش نہ کرے گا۔

جنیوا معاہدہ بھی مجاہدین اپنی پیٹھ میں امریکی خنجر ہی تصور کرتے تھے۔ جنیوا معاہدہ امریکہ نے روس سے مل کر تیار کیا تھا کہ روس کے جانے کے بعد بننے والی حکومت اسلامی نہ ہو بلکہ سیکولر حکومت ہو جو امریکہ کی دست نگر ہو اور روس کے لیے بھی قابل قبول ہو۔ امریکہ چاہے گا تو مجاہدین کو اسلحہ دے سکے گا مگر پاکستان پر پابندی عائد ہوگی کہ وہ مجاہدین کو امداد دے گا نہ حمایت کرے گا۔ مجاہدین کو فوراً پاکستان سے نکل جانے پر مجبور کرے گا۔ پاکستان اپنے اخبارات اور دیگر ذرائع ابلاغ پر پابندی عائد کرے گا کہ وہ مجاہدین کی نہ حمایت کرے گا نہ ایک لفظ اپنے قلم اور نیوز چینل پر نکالے گا۔ روس کے جانے کے بعد حکومت مجاہدین کی نہ ہوکر بلکہ ان لوگوں کی حکومت ہوگی جن سے روس و امریکہ دونوں راضی ہوں گے۔ اس لیے مجاہدین نے اسے یہ کہتے ہوئے مسترد کر دیا کہ:

اے طائرِ لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی

امریکہ ایک طرف اسٹینگر میزائل مجاہدین کو دے کر روس پر دباؤ بڑھا رہا تھا، دوسری طرف روس اور امریکہ پاکستان پر دباؤ ڈال رہے تھے کہ وہ جنیوا سمجھوتہ پر دستخط کر دے۔ امریکی دراصل اس شعر کی مصداق ہیں:

تاک میں بیٹھے ہیں مدت سے یہودی سود خوار
جن کی روباہی کے آگے ہیچ ہے زورِ پلنگ

انجینئر احمد شاہ، جن کو افغانستان کی تمام مجاہد تنظیموں نے متفقہ طور پر افغانستان کی عبوری حکومت کا صدر چنا ہے، ان سے ایک صحافی نے پوچھا کہ آپ حضرات کی طرف سے جنیوا سمجھوتہ کو رد کئے جانے کے نتیجہ میں اگر امریکہ نے امداد بند کر دی تو آپ کیا کریں گے؟ انہوں نے جواب دیا کہ پہلی بات اور اصل بات تو یہ ہے کہ ہم نے یہ جہاد کسی انسانی امداد یا امریکی امداد کے بھروسہ پر نہیں بلکہ اللہ کے بھروسہ پر شروع کیا تھا۔ چنانچہ دو سال تک ہمیں کوئی امریکی امداد نہیں ملی۔ ہم اللہ کی مدد کے سہارے روس سے برسر پیکار رہے۔ امریکی امداد تو دو سال بعد آنا شروع ہوئی۔ اگر آئندہ بھی امریکی امداد بند ہوگئی تو ہمیں فکر نہیں۔

دوسری بات یہ کہ اس جہاد میں ہمیں دشمن سے اسلحہ چھیننے کا فن خوب آ گیا ہے۔ لہٰذا جب تک افغانستان میں روسی فوجیں اور ان کا اسلحہ موجود ہے، انشاءاللہ ہمیں اسلحہ کی کمی پیش نہ آئے گی۔

تیسری بات مجاہدین کی تعداد کم وبیش پانچ لاکھ ہے۔ پانچ لاکھ کی عظیم فوج پچھلے نو سال سے ایک سپر طاقت سے نبرد آزما ہے۔

افسوس صد افسوس کہ شاہیں نہ بنا تو
دیکھے نہ تری آنکھ نے فطرت کے اشارات

جہاں ہم ٹھہرے تھے وہاں سے ارغون تک کا سفر تین چار گھنٹے کا تھا، مگر کچھ مجاہدین رات ہی کو روانہ ہو رہے تھے۔ سخت سردی میں پک اَپ میں سفر کے لیے سراپا شوق بنے ہوئے تھے۔ شاید انہیں کے لیے شاعر مشرق نے کہا تھا:

تو رہ نورد شوق ہے منزل نہ کر قبول
لیلیٰ بھی ہمنشیں ہو تو محمل نہ کر قبول
اے جوئے آب بڑھ کے ہو دریائے تند و تیز
ساحل تجھے عطا ہو تو ساحل نہ کر قبول

ان کو رخصت کر کے ہم سو گئے۔

پیر کا دن، ۴راپریل ۱۹۸۸ء

آنکھ کھلی تو فجر کی نماز کی دلکش آواز اپنا رس گھول رہی تھی۔

وہ سحر جس سے لرزتا ہے شبستان وجود
ہوتی ہے بندۂ مومن کی اذاں سے پیدا

نماز و ناشتہ کے بعد تقریباً نو بجے صبح کو یہ قافلہ جیپوں میں روانہ ہوا۔ قصبہ بگڑ کی آبادی سے گزرتے ہوئے دیکھا کہ راستہ میں مجاہدین کے کئی مراکز تھے۔ بعض جگہ مجاہدین وردی میں پریڈ کرتے دکھائی دیے۔

شمال مغرب کی طرف کچے پہاڑی راستہ پر چلتے ہوئے انگور اڈہ آیا۔ یہ افغانستان اور پاکستان کی سرحد پر ہے۔ یہاں کی دوکانیں، جن پر بورڈ فارسی اور پشتو میں تھے۔ بستی کے کنارے ہماری جیپیں رکیں تو میزبان مجاہدین ہمارے لیے کچھ سامان لینے چلے گئے۔ اس لیے کہ اب ارغون تک راستہ میں کوئی بستی ایسی نہیں ہے جہاں کچھ مل سکے۔

تقریباً ایک گھنٹہ بعد تینوں جیپیں پھر شمال مغرب کی طرف روانہ ہو گئیں۔ انگور اڈہ سے نکلتے ہی ہم افغانستان میں داخل ہو چکے تھے۔ یہ افغانستان کا صوبہ پکتیکا ہے۔ افغانستان کا بڑا صوبہ پکتیا تھا۔

کمیونسٹوں نے اپنے تسلط کے زمانہ میں اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا اور دوسرے کا نام پکتیکا رکھ دیا۔ ارغون صوبہ پکتیکا کا ایک ضلع ہے۔ اس کا مرکزی شہر شرانہ ہے۔ اسے شرنہ بھی کہتے ہیں۔ یہ صوبہ اور اس کے شہر روسی تسلط سے آزاد ہو چکے ہیں۔ افغانستان کی سرزمین پر محمود غزنوی اور ابدالی کی غیرت وحمیت کی داستانیں بکھری پڑی ہیں۔

دل کو تڑپاتی ہے اب تک گرمئ محفل کی یاد
جل چکا حاصل مگر محفوظ ہے حاصل کی یاد

جیپیں پانی میں دھنستی ہوئی ڈولتی چل رہی تھیں۔ کہیں پانی تیز آ جاتا تو دائیں بائیں کے ٹیلوں پر ان کو چلانا پڑتا۔ ایک جیپ دوبارہ ندی کی دلدل میں پھنسی۔ اسے موٹا رسہ باندھ کر دوسری جیپ کی مدد سے کھینچ کر نکالا گیا۔ شوقِ جہاد میں راستہ کی دشواریاں ولولہ انگیز تھیں اور پر کیف بھی۔

کچھ تقاضائے جنونِ جستجو ہی دل میں ہے
کیا کشش ورنہ طلسم جادۂ و منزل میں ہے

کئی گھنٹہ چلنے کے بعد چھوٹا قصبہ رباط آیا۔ مگر جیپیں اس سے کترا کر ایک پہاڑی کے دامن میں رکیں۔ اب ارغون کے مرکز جہاد تک دو گھنٹہ کا سفر اور رہ گیا تھا۔

جس قدر تھکتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں قدم
اعتبارِ قربِ منزل اور بڑھتا جائے ہے

یہاں کی نشاط انگیز فضا میں چند قدم چل کر اور ندی کا صاف شفاف پانی پی کر تھکن دور ہوگئی۔ یہیں سب نے وضو کیا اور اذان دے کر نماز پڑھی ظہر کی۔ نماز ظہر ہمیں ارغون میں پڑھنا تھی مگر راستہ کی تبدیلی کی وجہ سے دو یہیں بج گئے۔

یہاں سے وادئ ارغون کا سفر پہاڑی جنگلوں سے ہو کر گزرتا تھا۔ یہ ٹیلے زیادہ تر موٹی بجری کے تھے۔ پیچھے کی طرح سنگلاخ نہیں تھے۔ اس لیے جیپ کی رفتار تیز رہی۔ ڈیڑھ گھنٹے تک جنگل میں اونچے نیچے ٹیلوں پر چلنے کے بعد جیپ ایک ٹیلہ پر چڑھی تو آگے نشیب میں وسیع وعریض وادی جو چاروں طرف کہساروں سے گھری ہوئی تھی، سامنے آ گئی۔ اس کی لمبائی شمال سے جنوب تک بیس کلومیٹر ہوگی اور چوڑائی پانچ کلومیٹر۔ ڈرائیور نے بتایا یہی وادئ ارغون ہے۔ اب ہم اس میں جنوب مشرق کہسار سے اترنے والے ہیں۔ وادی کے اس پار شمال مغرب میں مجاہدین کے مراکز نظر آ رہے تھے۔ وادی عبور کر کے وہیں پہنچنا تھا۔ تین روز کے صبر آزما انتظار کے بعد سامنے منزل دیکھ کر شوق ومسرت کی لہریں رگ

رگ میں دوڑنے لگیں۔

دل کو تپش شوق کی یہ لذتِ پیہم
مل تو گئی لیکن بڑی مشکل سے ملی

وادی کو عبور کر کے جیسے ہی اس مغربی کہسار میں داخل ہونے لگے جہاں مجاہدین کی مختلف تنظیموں کے مراکز تھے، سامنے ایک پہاڑی کے دامن مین حرکۃ الجہاد اسلامی کے جوان باوردی مسلح ایک پک اَپ پر سوار ہمارے منتظر نظر آئے۔ انہوں نے ہم لوگوں کو دیکھتے ہی نعرہ تکبیر کے ساتھ ہوا میں کئی فائر کئے اور اپنی پک اَپ پر روانہ ہو گئے۔ ہماری جیپیں اس کے پیچھے چلنے لگیں۔ پہاڑیوں کے پیچ وخم سے گزر کر ہماری جیپیں مرکز کے چاق وچو بند مجاہدین کی دو رویہ قطار کے سامنے جا کر رکیں۔ حرکۃ الجہاد اسلامی کے مرکزی کمانڈر مولانا خالد زبیر نے بڑی گرم جوشی سے ہمارا استقبال کیا۔ مجاہدین کی توپوں نے سلامی دی۔ ان میں پاکستان کے دینی مدارس کے طلبہ تھے۔ پاکستان کے دینی مدارس میں پاکستان کے علاوہ مختلف ملکوں کے طلبا زیر تعلیم رہتے ہیں جن میں پاکستان کے مختلف صوبوں، پاکستانی کشمیر، ایران، افغانستان، برما، بنگلہ دیش اور آسٹریلیا کے طلبا بھی تھے جو چھٹیوں میں جہاد کی تربیت کے لیے آئے ہوئے تھے۔ طلباء کے علاوہ کراچی اور پنجاب کے علماء، قراء اور عام شہری بھی ان مجاہدین میں شامل تھے جنہوں نے نو سال سے اپنی زندگی جہاد میں وقف کر دی تھی۔ یہ سب بھی ہماری آمد پر خوشی سے نعرے لگا رہے تھے۔

الٰہی یہ تیرے پراسرار بندے — جنہیں تو نے بخشا ہے ذوق خدائی
دونیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا — سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

دشمن کی ارغون چھاؤنی کی بڑی حفاظتی چوکی ''زامہ خولہ'' یہاں سے شمال میں چند کلومیٹر ہے جہاں کل حملہ کرنا ہے۔ دشمن کی چوکی پر نظر رکھنے کے لیے زامہ خولہ کے قریبی پہاڑوں میں قائم ہے۔ اس مرکز کا نام ''مترزگاہ'' ہے۔ پہاڑوں پر مجاہدین کی مقررہ تعداد دوربینوں سے دشمن کی نقل وحرکت پر نگاہ رکھتی ہے۔

گمان آباد ہستی میں یقیں مردِ مسلماں کا — بیاباں کی شب تاریک میں قندیل رہبانی
مومن کے جہاں کی حد نہیں ہے — مومن کا مقام ہر کہیں ہے

ارغون کے علاقہ میں مجاہدین کا مشترکہ مقصد ارغون شہر اور اس کی چوکیوں کی حفاظت اور شہر کو فتح کرنے کا ہے:

اللہ کے وعدہ پہ مجاہد کو یقیں ہے
وہ فتح مبیں فتح مبیں فتح مبیں ہے

افغانستان کے جو شہر آزاد نہیں کرائے جا سکے ہیں ان کے گرد بھی مجاہدین کے ایسے ہی مراکز ہیں۔ ان شہروں کے گرد وہ اپنا گھیرا تنگ کرتے جا رہے ہیں۔

افلاک سے ہے اس کی حریفانہ کشاکش
خاکی ہے مگر خاک سے آزاد ہے مومن

ہم نے مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی، صدر دارالعلوم کراچی کے ذریعہ ڈیرہ اسماعیل خان سے ارغون تک کے مناظر آپ کے سامنے پیش کر دیئے مگر اب امریکہ اور پاکستان کی حکومت اس راستہ کو بند کرنا چاہتی ہے جس راستہ سے مجاہدین افغانستان میں داخل ہوئے تھے اور آخر کار نو سال کی پیہم جدوجہد کے بعد روس کو افغانستان سے نکلنے پر مجبور کر دیا تھا۔ یہ تو آنے والا کل بتائے گا کہ امریکہ کی شکست کو طالبان کے ہاتھوں کیسے یقینی بنایا جائے گا۔ اس لیے کہ امریکہ اور پاکستان حکومت اس عام راستہ کو تو بند کر سکتی ہے مگر بے شمار دوسرے تنگ راستوں کو نہیں بند کر سکتی جہاں سے مجاہدین پہنچتے رہیں گے۔

شاہیں کبھی پرواز سے تھک کر نہیں گرتا
پر دم ہے اگر تو، تو نہیں خطرۂ افتاد

مجاہدین کو اللہ نے انکساری کی دولت سے نوازا ہے۔

خاکی و نوری نہاد بندۂ مولا صفات — ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل — اس کی ادا دلفریب، اس کی نگاہ دل نواز
نرم دمِ گفتگو گرم دمِ جستجو — رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاک باز
اک توشہ امید کرم لے کے چلا ہوں — کچھ اس کے سوا پاس نہیں زاد سفر اور
ہوائے بیاباں سے ہوئی ہے کاری — جواں مرد کی ضربت غازیانہ
جھپٹنا پلٹنا پلٹ کر جھپٹنا — لہو گرم رکھنے کا ہے اک بہانہ

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کار کشا، کارساز

تقدیر کے قاضی کا یہ فتویٰ ہے ازل سے
ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات

عالم ہے فقط مومن جانباز کی میراث　　　مومن نہیں جو صاحب لولاک نہیں

مجاہدین کے اہم کام یہ ہیں:

ہر وقت دشمن پر نگاہ رکھنا، دوربینوں سے اس کی نقل وحرکت کی اطلاع اپنے کمانڈر کو دینا، فوری اور ہنگامی حکم ملنے پر دشمن کے خلاف فوری کارروائی کرنا، جاسوسی کے ذریعہ دشمن کے حالات معلوم کرنا، دشمن کے خلاف کارروائی کے لیے اس کے بہت قریب پہنچ کر مورچہ بندی کرنا، خندقیں کھودنا، دشمن کی طرف سے بچھائی گئی بارودی سرنگوں کو صاف کرنا، لڑائی کے دوران جو مجاہد زخمی ہو جائیں ان کی حفاظت کرنا۔

بجلی ہوں نظر کوہ و بیاباں پہ ہے میری
میرے لیے شایاں خس و خاشاک نہیں ہے

ہوئے احرار ملت جادہ پیما کس تحمل سے
تماشائی شگافِ در سے ہیں صدیوں کے زندانی

مرا دل مری رزم گاہ حیات　　　گمانوں کے لشکر، یقیں کا ثبات
یہی کچھ ہے ساقی متاع فقیر　　　اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
جس منزل دشوار پہ اب دل کا گذر ہے　　　اک ایک قدم پر وہاں آتا ہے خدا یاد

باطل کے فال و فر کی حفاظت کے واسطے
یورپ زرہ میں ڈوب گیا دوش تا کمر

وہی زمانہ کی گردش پہ غالب آتا ہے
جو ہر نفس سے کرے عمر جاوداں پیدا

مجاہدین کے حملے دشمن کی چوکیوں پر جاری ہیں۔

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موج تند و جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہہ و بالا

وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے
زمانہ کے سمندر سے نکالا گوہر فردا

فطرت کے تقاضوں پہ نہ کر راہ عمل بند
مقصود ہے کچھ اور ہی تسلیم و رضا کا

مجاہدین جو محاذ جنگ پر ہیں ان کے لیے گولہ باری کی یہ جنگ زندگی کا انتہائی دلچسپ کھیل اور

عبادت بن گئی۔ گولوں کے دھماکے چنوں کے بھننے والی پٹ پٹ آواز بن کر رہ گئے۔

رہے ہیں اور ہیں فرعون میری گھات میں اب تک
مگر کیا غم کہ میری آستیں میں ہے ید بیضا

دشمن کی طرف سے گولہ باری کی تندی مجاہدین کے لیے اپنے کمانڈر کے حکم کے آگے اس سے زیادہ نہیں۔

مرے نالے ہی میرے دل کی تسکیں
مجھے مطلب نہیں ان کے اثر سے

ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے۔ (آل عمران)
جہاں کہیں تم ہو گے موت تم کو آ کر پکڑے گی۔ اگر چہ تم مضبوط قلعوں میں ہو۔ (نساء)
اور جب کبھی کسی جاندار کا مقررہ وقت آ جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ اس کو ہرگز مہلت نہیں دیتا۔ (المنافقون:۱۱)

ان آیات نے موت کی حقیقت کو مجاہدین پر کھول دیا اور وہ روسی فوجوں سے ٹکرا گئے اور اب روس کے بعد امریکہ اور اس کے اتحادیوں سے لوہا لے رہے ہیں۔

نقش ہیں سب ناتمام خونِ جگر کے بغیر
نغمہ ہے سودائے خام، خونِ جگر کے بغیر
لہو پانی کیا ہے مدتوں غم کی کشاکش نے
کوئی آسان ہے کیا خوگر آزار ہو جانا

امریکہ کے اشاروں پر چلنے والے حکمرانوں کا انجام

دنیا کے تمام ظالم حکمرانوں، اپنے عوام پر ظلم کرنے والوں اور ملکی دولت لوٹ کر اپنی تجوریاں بھرنے والوں کے لیے انقلاب فرانس ایک تازیانہ عبرت ہے۔

فرانس ایک امیر ترین ملک تھا۔ لیکن فرانس کے حاکموں کے جنگی جنون نے اسے دیوالیہ کر دیا۔ یہ واقعہ سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی میں پیش آیا۔ امراء کا طبقہ کلیسا کے اعلیٰ عہدیدار اور شاہی خاندان کے لوگ اپنی عیاشیوں کے لیے دو کروڑ دس لاکھ ننگے بھوکے لوگوں پر نئے نئے ٹیکس لگا رہے تھے۔ پادریوں کی حالت اور خراب تھی۔ بظاہر دیندار تھے لیکن شاہی خاندانوں کی بہت سی جاگیروں کے یہی

مالک تھے۔ جو بادشاہوں نے دین کی خدمت کے نام پر عطا کیں تھیں۔ جب ظلم حد سے بڑھ گیا تو عوامی غصہ پھوٹ پڑا تو شاہی خاندان کے لوگوں نے اپنی جان بچانے کے لیے اپنے زرنگار کپڑے اپنے ملازموں کو دے دیئے اور ان کے سادہ اور معمولی لباس پہن کر پیرس سے فرار ہو گئے۔ لیکن چوبیس گھنٹوں کے اندر بادشاہ اور ملکہ پہچان لیے گئے اور شاہی گھرانے کے لوگ گرفتار کر لیے گئے۔ پیرس کی سڑکوں پر انہیں اسی لباس میں گھمایا گیا۔ ۲۱ر جون ۱۷۹۳ء کو لوئی شانز دم کا سر قلم کر دیا گیا اور ۱۶ر اکتوبر ۱۷۹۳ء کو اس کی ملکہ میری انتونیت کی بھی گردن ماردی گئی۔

دنیا کے تمام ظالموں کو مریان بٹلر کی کتاب کے جملے یاد رکھنا چاہئے۔ دنیا کے تمام غاصبو، جابرو اور ظالمو آنے والے دنوں سے ڈرو، تم دنیا کو تاریکی میں نہیں رکھ سکتے۔ انسانیت کو اس کے تمام حق دے دو۔ اپنی تمام زیادتیوں کو ٹھیک کر لو اس سے پہلے کہ تباہ و برباد کر دیئے جاؤ۔

اسی پس منظر میں اگر پرویز مشرف پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی بہت دنوں تک تاریکی میں نہ خود رہ سکے نہ اپنے معاملات کو رکھ سکے۔ ۳ر نومبر ۲۰۰۷ء کو آئین پاکستان کو پارہ پارہ کر دیا اور ایک غیر قانونی عبوری حکم نامہ نافذ کر دیا۔ آخر کار پاکستان کی عدالت عالیہ نے اپنے عامرانہ احکامات کی وضاحت کے لیے طلب کر لیا ہے۔

پاکستانی اٹارنی جنرل نے اعلان کیا کہ حکومت مشرف کا دفاع نہیں کرے گی۔ مشرف نے پہلے ۱۲ر اکتوبر ۱۹۹۹ء کو جمہوری حکومت پر شب خون مارا۔ ان کے ظلم و جبر کی فہرست لمبی ہے۔ ۳ر نومبر ۲۰۰۷ء کو مشرف نے سپریم کورٹ کے جج کو بھی برطرف کر دیا تا کہ اپنے دور حکمرانی کو طول دے سکیں۔ مگر اب ان کے امریکی آقا ان کے کسی کام نہ آ سکیں گے اس لیے وہ کبھی کسی اپنے اشاروں پر دوڑنے والوں کے کام نہ آ سکے۔ جب ان پر برا وقت پڑا اور وہ عوامی عتاب کا شکار ہوئے۔ رضا شاہ پہلوی ایران کے بادشاہ تھے۔ امریکی اشاروں پر ہر اچھا برا کام کرنے والے یہ بڑے روشن خیال بادشاہ تھے۔ عریانیت کو رواج دینے والے ایران کے شاہ کو آزادی، حریت اور غیرت ایمانی کی پھوٹتی ہوئی شعاعیں برقعہ اور علماء کے جبوں سے صاف نظر آتی تھیں۔ اسی لیے اسلامی قدروں کو پامال کر کے کالجوں میں لڑکیوں کو شلوار کی جگہ اسکرٹ پہننے پر مجبور کر دیا۔ شراب کی دوکانوں کا چلن عام کر دیا۔ برقعہ پوش خواتین پر تشدد تا کہ وہ برقعہ اتار دیں، قحبہ خانوں کا چلن، بازار حسن کا عام رواج، شاہ ایران کو جنوبی ایشیا میں امریکہ کا تھانیدار سمجھا جاتا تھا۔

ایران میں اسلامی انقلاب کا بگل بجا تو شاہ ہیلی کاپٹر سے راہ فرار اختیار کرنے پر مجبور ہوا مگر امریکہ

نے طوطا چشمی کا مظاہرہ کیا۔ اس نے اسے اپنے ملک میں رکھنا بھی گوارہ نہ کیا۔ آخر جلاوطنی کی زندگی گزار کر مصر میں سپرد خاک ہوگیا۔

امریکی بینکوں میں شاہ کے کروڑوں ڈالر جمع تھے۔ ان پر بھی قبضہ کرلیا۔

ایسا ہی ایک چلی کا جنرل اگستو پنوشے تھا جس کو امریکہ نے اکسایا اور ۱۹۷۳ء میں جمہوری حکومت کا تختہ پلٹ دیا اور پھر امریکہ کے اشارہ پر اپنے ملک کے امریکہ مخالف سیاسی رہنماؤں کو قتل کروایا اور فوج کو اپنے ہی عوام پر بھیڑیوں کی طرح نوچنے پر چھوڑ دیا۔

سترہ سال تک پنوشے کا ظلم چلی کے عوام جھیلتے رہے مگر جب عوامی انقلاب آیا تو پنوشے لندن بھاگ گیا۔ اس نے سوچا تھا کہ وہاں کی حکومت اسے سہولیات فراہم کرے گی کیونکہ پنوشے کے کروڑوں ڈالر امریکہ اور برطانیہ کے بینکوں میں جمع تھے۔ پنوشے کو دس برس تک تو برطانیہ کی قید میں گزارنے پڑے۔ اس کے بعد ۲۰۰۰ء میں برطانیہ نے اپنے وفادار کو چلی کی حکومت کے حوالہ کردیا جہاں اسے کئی قسم کے مقدمات کا سامنا کرنا پڑا اور ان مصائب کو جھیل کر ۲۰۰۶ میں موت کی آغوش میں چلا گیا۔

پانامہ کا جنرل نوریگا وہائٹ ہاؤس کا غلام تھا۔ امریکہ نے نوریگا کو کمیونسٹوں کے خلاف لڑوایا۔ ۱۹۹۰ء تک وہ امریکی وفاداری کے لیے خون کی ہولی کھیلتا رہا۔ اجتماعی قبروں کی ہزاروں لائنیں بنوادیں مگر جب وقت پڑا تو امریکہ نے آنکھیں پھیر لیں۔ پندرہ برسوں سے اپنی خدمات کا بدلہ امریکہ سے چاہ رہا ہے مگر کوئی سنوائی نہیں۔

۱۹۸۶ء میں امریکی سی آئی اے نے فلپائن میں مارکوس کی حکومت کو پلٹ دیا۔ مارکوس بائیس سال تک امریکی مفادات کے لیے کمیونسٹوں سے جنگ کرتا رہا۔

۲۲ر ستمبر ۱۹۸۰ء کو عراق کے صدر صدام حسین نے امریکی اشارہ پر ایران کے خلاف جنگ شروع کی۔ اس جنگ میں بیس لاکھ مسلمان مارے گئے لیکن صدام نے اپنی غلطی محسوس کی تو امریکہ اس کا دشمن ہوگیا تو امریکہ نے اس کے ملک پر حملہ کرکے اسے پھانسی پر چڑھایا۔ خود عراقی عدالت کے ذریعہ امریکہ کے غلام عراقی ججوں نے ۳۰ر ستمبر ۲۰۰۶ء کو اسے پھانسی پر لٹکادیا۔

اسی طرح انگولا کا جوناس سیومبی بیس برس سے نامرادی کی زندگی گزار رہا ہے۔ اس لیے کہ امریکہ نے اپنی آنکھیں پھیر لی ہیں۔ جوناس دس برس تک امریکی اشارے پر کمیونسٹوں کا خون بہاتا رہا۔ مگر امریکہ نے کمیونسٹوں سے سمجھوتہ کرکے اسے بے سہارا چھوڑ دیا۔

اب یہی حشر جنرل پرویز مشرف کا ہونے والا ہے۔

مشرف مکا لہرا کر کہتے تھے بے نظیر کا قصہ ہمیشہ کے لیے تمام ہو چکا ہے مگر ان کے اقتدار سے ہٹنے کے بعد یہ ہوا۔ افتخار چودھری کو بھی مشرف نے ماضی کی چیز قرار دیا تھا۔ آج اسی افتخار چودھری نے ان کو عدالت کے سامنے اپنے جرائم کی صفائی دینے کے لیے طلب کیا ہے جہاں ان کے ساتھ انصاف کے تقاضے پورے ہوں گے اور ان سے کہا جائے گا کہ اپنی زیادتیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھو اور اپنی زبان سے بیان کرو اور جس طرح تم نے دوسروں کو برباد کیا ہے اپنی بربادی کا نظارہ کرو۔

جنوبی اور شمالی وزیرستان تقریباً ساڑھے گیارہ ہزار کلومیٹر
میں پھیلا ہوا ہے
جس قوم میں غدار پیدا ہونے لگیں تو اس قوم کے مضبوط
قلعے ریت کا ڈھیر ثابت ہوتے ہیں۔

روس نے افغانستان پر حملہ کیوں کیا؟

کیمونزم کا شاید اصل مقصد تھا ہر قوم کی آزادی اور نوآبادیاتی نظام سے ایشیا و افریقہ کو نجات دلانا۔ مگر روس کی کیمونسٹ پارٹی اقتدار ملنے کے بعد مفاد پرستی کا شکار ہوتی چلی گئی اور سوویت یونین پر روسی آمریت غالب آتی چلی گئی اور وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کو اپنی غلامی کے جال میں پھنسالیا۔

اگرچہ ۲۴ر دسمبر ۱۹۷۹ء کو افغانستان پر سوویت قیادت میں شدید اختلاف تھا۔ وزیر دفاع استینوف فوجی مداخلت کے حق میں تھے لیکن خفیہ ایجنسی کے جی بی کے سربراہ اندرویوف افغانستان پر فوج کشی کے مخالف تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ فوجی حملہ کی صورت میں افغانستان کے اردگرد کی مسلم ریاستیں متحد ہو جائیں گی اور ان کی ہم نوائی کے لیے امریکہ میدان میں آجائے گا۔

۱۹۷۷ء میں صدر برزنیف سے صدر داؤد کی ملاقات ہوئی تو یہ ملاقات خوف، شکوک، خدشات اور کشیدگی کی فضا میں ہوئی۔ صدر برزنیف نے تحکمانہ لہجے میں داؤد سے کہا کہ افغانستان ناوابستگی کے باوجود مغربی طاقتوں سے قریب تر ہوتا جا رہا ہے اور اس نے ناٹو ممالک کے ساتھ اتنے منصوبے شروع کر دیے ہیں کہ افغانستان کی ناوابستگی مجروح ہوتی دکھائی دے رہی ہے۔ صدر برزنیف کے اس ترش اور حاکمانہ لہجے کو داؤد نے پسند نہ کیا اور غصہ سے کہا کہ ہم سوویت یونین کو افغانستان پر حکم چلانے کی اجازت نہ دیں گے اور نہ اس سے پوچھ کر اپنی خارجہ پالیسی مرتب کریں گے۔

انہوں نے کہا کہ ہم غریب رہیں گے مگر رہیں گے آزاد۔

اس جواب سے صدر برزنیف حیرت زدہ رہ گئے اور داؤد سے ہاتھ ملائے بغیر اٹھ کر چلے گئے۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ ۱۹۷۴ء میں ذوالفقار علی بھٹو کی کوششوں سے جن کا مقصد تھا کہ داؤد کو پاکستان، سعودی عرب اور مشرق وسطیٰ کے تیل سے مالا مال ملکوں کے قریب لانا، اس زمانہ مین جنوبی افغانستان میں بند کی تعمیر کے لیے سعودی عرب نے ایک معاہدہ پر دستخط کیے تھے اور مصر سے فوجی امداد کا بھی معاہدہ

ہوگیا تھا۔

اس کے بعد مارچ ۱۹۷۸ء میں جنرل ضیاء الحق نے داؤد کو اسلام آباد دورہ کی دعوت دی۔ اس سے سوویت یونین پر دہشت طاری ہوگئی۔ اس کو خوف تھا کہ کہیں افغانستان میں سوویت مخالف حکومت نہ برسر اقتدار آجائے اور اس کی اپنی جنوبی سرحد کے لیے خطرہ لاحق ہوجائے۔ ۱۹۷۹ء میں داؤد کا تختہ الٹے جانے اور ترہ کئی کے اقتدار پر قبضہ کے بعد سوویت یونین نے قدرے اطمینان کی سانس لی تھی کہ اسے ایران کے اسلامی انقلاب نے مزید حراساں کردیا۔ مگر اکتوبر ۱۹۷۹ء میں حفیظ اللہ امین نے ترہ کئی کو قتل کرادیا تو حالات دگرگوں ہوگئے اور اسی ہیجانی کیفیت میں سوویت قیادت نے افغانستان پر حملہ کا فیصلہ کرلیا جس نے افغانستان پر بھی تباہی نازل کردی اور خود بھی بکھر گیا۔ اگرچہ ہندوستان روس کا طرفدار رہا اور پاکستان، امریکہ، سعودی عرب، مصر، برطانیہ اور چین تک افغان مجاہدین کے طرفدار بن گئے اور اس طرح سوویت یونین کو ذلت ورسوائی کے ساتھ افغانستان سے بھاگنا پڑا جس کے نتیجہ میں وسطی ایشیا کی مسلم ریاستیں تو آزاد ہوگئیں مگر افغانستان روسی جارحیت کے بعد امریکہ اور اس کے یورپی صلیبی کفر کی اتحادی طاقتوں کی جارحیت کا شکار ہے۔

سوویت دہشت گردی سے امریکی دہشت گردی تک

جس قوم کی گود میں سورماؤں، بہادروں، دلاوروں، مجاہدوں، سرفروشوں نے جنم لیا، جنہوں نے وقت کی ظالم و جابر وحشیانہ سپر پاور قوموں کے خلاف مورچہ لیا اور اپنے عزم و جوان حوصلہ اور اپنے خون سے ایک عظیم الشان تاریخ لکھی اور فلسفہ جہاد کو زندہ رکھا۔

سوویت دہشت گردی سے امریکی دہشت گردی تک اس خطہ میں دہشت گردی ظلم و جبر اور وحشت و بربریت کی آگ دہک رہی ہے۔ تاریخ کے اسٹیج پر ایک طویل والمناک ڈرامہ چل رہا ہے۔

افغانستان اگرچہ امت مسلمہ کا ایک اہم حصہ بھی ہے اور مسئلہ بھی مگر عالم اسلام خود انہیں طاقتوں کے اشاروں پر رقصاں ہے جو افغانستان میں خون ناحق کے ذمہ دار ہیں۔

یہ مسلم فاتحین کا علاقہ ہے۔ برصغیر کی تاریخ انہیں کے کارناموں سے روشن ہے۔ غوری، سوری، لودی، خلجی، تغلق اور مغل سب اسی علاقہ یا اس گزرگاہ سے تعلق رکھتے ہیں۔

صوفیائے کرام کے سلسلوں کا بھی یہی مرکز رہا ہے۔

ابوالاعلیٰ مودودی کے جد امجد خواجہ قطب الدین مودودی چشتی اسی خطہ سے تعلق رکھتے تھے، چشتی سلسلہ کے بانی ہوئے۔ اجمیر کے خواجہ معین الدین چشتی، کلیر شریف کے علاء الدین صابر، پاک پٹن کے فریدالدین مسعود، بہار شریف کے خواجہ نور محمد، حضرت حاجی امداد اللہ مکی، گولڑہ کے پیر سید مہر علی شاہ اور تھانہ بھون کے مولانا اشرف علی تھانوی اسی سلسلہ کی نمایاں شخصیات ہیں۔

افغانستان آج خون میں ڈوبا ہوا ہے۔ شہداء کی تعداد کا اندازہ نہیں جو لاکھوں تک جا پہنچی ہے۔ آبادی کی بڑی تعداد در بدر کی ٹھوکریں کھا رہی ہے۔

امریکہ نے روس کے خلاف جن کو ہتھیار دیئے تھے روس کے جاتے ہی وہ ان پر پل پڑا ہے اور ان کو دہشت گرد کہہ کر دنیا میں بدنام کرتا رہا ہے۔

جب برطانوی سامراجیت کا سورج نہیں ڈوبتا تھا وہ یہیں آ کر غروب ہوا تھا۔

روسی سامراجیت، جس کے بارہ میں مشہور تھا کہ وہ جہاں جاتا ہے وہاں سے واپس نہیں ہوتا، اس کو بھی یہیں سے شکست کھا کر بھاگنا پڑا اور اپنی عالمی سپر پاور کی حیثیت بھی کھو بیٹھا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ دو بڑی طاقتوں کا انجام ہمارے سامنے ہے۔ تیسری طاقت امریکہ اور اس کے لواحقین انشاءاللہ شکست کے دہانے پر ہیں۔

اس جہاد میں ایک طرف امریکی سامراج ہے تو دوسری طرف امریکہ کے ایجنٹ مسلم ممالک اور تیسری طرف مسلم ملکوں کے عوام۔ یا یوں کہیں کہ مسلم عوام اور کفر یورپ و امریکہ۔

''شہیدوں کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے''

نوشتہ دیوار بنتی جارہی ہے۔

ہمیں حق و باطل کے معرکہ میں اپنے دشمنوں اور دوستوں کو پہچاننا ہے۔ منافقین کی ریشہ دوانیوں کا پتہ لگانا ہے۔

امریکہ اور اس کے مسلم ایجنٹوں کے رسوا کن انجام پر سب کی نظر ہے اور انجام کا عمل کسی نہ کسی شکل میں جاری وساری ہے جو عنقریب کھل کر سامنے آجائے گا۔

یہ نکتہ اہم بھی ہے اور پراسرار بھی کہ بڑی طاقتوں کے لیے شروع سے ہی افغانستان پر کشش کیوں رہا ہے۔ انیسویں صدی میں روس اور برطانوی طاقتیں اس پر قبضہ کا منصوبہ بناتی رہیں۔ روس سے پہلے برطانوی سامراج انیسویں صدی میں شاہ شجاع کو لے کر افغانستان میں داخل ہوا اور کابل پر قابض ہو گیا۔

۱۹۱۷ء میں روس سوشلزم کے سایہ میں چلا گیا۔ مگر نیت نہیں بدلی۔ وہی زار شاہی والا مزاج۔

سوویت یونین کے سربراہ لینن اور افغانستان کے بادشاہ امان اللہ خاں میں تعلقات دوستانہ تھے۔

یہیں سے روس نظریات کی بنیادوں پر افغانستان میں داخل ہوتا رہا۔

۱۹۱۷ء کے انقلاب سے پہلے زار روس کی نظر تو تھی افغانستان پر لیکن نظریاتی قوت نہ تھی اور فوجی

قوت بھی اتنی نہ تھی جو برطانوی طاقت کا مقابلہ کرتی۔

لیکن سوشلسٹ انقلاب کے بعد سوویت یونین ایک طاقتور پوزیشن کا مالک تھا۔ اس لیے اس نے پہلے افغانستان میں اپنے نظریاتی دوست پیدا کئے اور پھر وہ مرحلہ آ گیا جب فوجی طاقت کے ساتھ سرزمین افغانستان میں داخل ہو گیا جہاں کے جیالوں نے سکندر اعظم کے بڑھتے قدم روک دیئے تھے۔

انیسویں صدی کے وسط میں برطانوی سامراج جب افغانستان میں داخل ہوا تو اس راستہ سے آیا تھا جہاں افغان شہسواروں کی تلوار کی جھنکار اور گھوڑوں کی ٹاپوں کی گونج سنائی دے رہی تھی۔ یعنی ہندوستان۔

افغانوں کے لیے فرنگی فوجوں کا داخلہ ایک بڑا چیلنج تھا۔ آزادی اور حریت کی پاسدار قوم کے لیے یہ غلامی سے کم نہ تھا۔ برطانوی سامراج کی آمد نے جہاد کی نئی روح پھونک دی۔ اس طویل کشمکش کو جنم دینے والا شاہ شجاع تھا جو شاہ امان اللہ کے زمانہ تک جاری رہی۔

برطانوی سامراج اس مدت میں شکست سے دوچار ہوتا رہا۔ افغانستان میں تیسری افغان جنگ کے بعد شکست کا بدترین داغ لے کر رخصت ہو گیا۔

افغان قوم نے اپنے وقت کی سپر پاور کا غرور خاک میں ملا دیا۔

۱۹۱۹ء سے ۱۹۷۲ء تک افغانستان ایک پرامن ملک تھا۔ عوامی زندگی پرسکون تھی۔ غیر ملکی سامراج سے آزاد تھا۔ امان اللہ کے بعد نادر شاہ اور اس کے بعد ان کا بیٹا ظاہر شاہ بادشاہ بنا۔

یہ بیسویں صدی تھی جہاں برطانوی سامراج کا سورج ڈوب چکا تھا۔ سرخ سامراج پیدا ہو چکا تھا۔ ایک سامراج رخصت پذیر تھا۔ دوسرا سامراج پھنکار رہا تھا۔ اس کی نظر بھی افغانستان پر تھی۔

مشرق وسطیٰ، افریقہ اور مشرقی یورپ کو یہ سامراج اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔ مزدور انقلاب کا نقیب بادشاہوں کا مخالف، کمزور، مظلوم اور کچلے ہوئے عوام کا حامی و مددگار۔ جن ملکوں میں ایسی حکومتیں قائم ہوئیں وہ فوجی جرنلوں، کرنلوں کے ذریعہ بادشاہوں کی حکومتیں پلٹ کر قائم کی گئیں.. بادشاہوں کے بعد بدترین فوجی ڈکیٹروں کی حکومتیں قائم کی گئیں اور روسی سرپرستی میں انہیں عوامی حکومت کے معزز لقب سے نوازا گیا۔ ان جرنلوں نے بدترین ظلم و جبر کا مظاہرہ کیا۔ اسلام کی زمین پر اسلام کو ذلیل کرنے کے لیے ظالمانہ طریقے بنائے گئے۔ غیرت مند اسلامی عوام کے خون سے سوشلزم کی نقاب کو رنگین بنایا گیا۔

ان کی بدترین مثال مصر، شام، لیبیا، عراق، یمن اور افریقی ممالک ہیں۔ مصر کے حکمرانوں نے

اخوان المسلمین کا خون بہایا، ان کے عالموں کو قید و بند اور موت کی سزائیں دیں اور ان فرعون صفت حکمرانوں کی مدد سوویت یونین کرتا رہا۔

اس نے ایسی حکومتوں کو عوام دوست اور ترقی پسندی کے القاب سے نوازا۔ پوری دنیا کی ترقی پسندی کے نام پر روس حامی یونین، بائیں بازو کی سیاسی پارٹیاں اور ترقی پسند شاعر و ادیب اس ظلم و جبر کی معاون و مددگار بنی رہیں اور انہوں نے یہ نہیں سوچا کہ وہ ظالموں کی حمایت کر رہی ہیں اور سرخ انقلاب کے نعرے لگاتی رہیں اور اس طرح کی حکومتیں اپنے عوام کا خون بہاتی رہیں۔

ان کی مخالفت کرنے والوں کو سرمایہ داروں کا ایجنٹ، سامراج کا دلال، ترقی پسندی کا دشمن کہہ کر عوام میں بدنام کیا گیا۔

اسلامی پارٹیاں بھی رجعت پسند اور ترقی کی دشمن اور عوام کو افیم پلانے والی کہی گئیں۔

سوشلسٹ اور کمیونسٹ پارٹیوں نے اپنے کو عوام کا دوست سائنسی فکر کا حامی، مزدوروں کا مسیحا اور طلبا کا حامی و مددگار قرار دے کر ان کو اپنے جال میں پھنسانے کا کام کیا۔

سوویت یونین نے مشرق وسطیٰ میں افریقہ میں مشرقی یورپ میں اور چین تک میں اپنے اثرات پھیلانے میں کامیابی حاصل کی۔ مگر پاکستان، افغانستان، ایران اور انڈونیشیا میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

سوویت یونین اور چین میں ۱۹۶۰ء میں اختلافات ابھر کر سامنے آ گئے۔ چین اپنے رہنما ماؤزے تنگ کے سوشلزم کے تحت آگے بڑھنے لگا۔

چین کے بعد انڈونیشیا میں کمیونسٹ پارٹی اثر انداز ہونے میں کامیاب ہو چکی تھی۔ چینی کمیونسٹوں نے صدر سوکارنو کی حکومت کا تختہ پلٹنے کی سازش رچی۔ مگر فوجی جنرلوں اور طلباء نے اسے ناکام بنا دیا۔ اس تصادم میں ہزاروں لوگ مارے گئے۔

اس ناکامی سے سبق لے کر چین نے مسلم ممالک میں اپنی پالیسی تبدیل کر دی اور سازشوں کے ذریعہ حکومت پر قبضہ کرنے کے طریقہ کار کو بدل دیا۔ انڈونیشیا کے اس ناکام انقلاب سے چین بہت بدنام ہوا۔

مگر سوویت یونین کی سازشیں جاری رہیں۔ وہ ایران، پاکستان اور افغانستان کی طرف للچائی نظروں سے دیکھتا رہا۔ پاکستان میں ناکام ہوا۔ ایران میں ڈاکٹر مصدق کے ذریعہ کئے گئے اقدامات بھی اس کے ناکام ہو گئے۔ اب افغانستان بچ رہا تھا۔

افغانستان میں روسی فکر ونظر کا تضاد یہ تھا کہ بادشاہت اور پرانے نظام حکومت کی مخالفت کے باوجود امان اللہ خاں سے لے کر ظاہر شاہ تک ان کی حمایت کے سہارے افغانستان میں سرخ پرچم لہرانے کے خواب دیکھتا رہا۔ سرخ پرچم تو نہ لہرا سکا مگر سرزمین افغانستان کو ضرور ان کے خون سے رنگین کرتا رہا۔

سوویت یونین نے یہاں سڑکیں بنائیں مگر ترقی کے منصوبوں پر عمل نہ کیا، نہ کارخانے لگائے۔ اس کو ایک پچھڑا ملک بنائے رکھا۔

پاکستان کی بائیں بازو کی جماعتیں بھی اس رجعت پسند بادشاہت کی حمایت کرتی رہیں۔ اس لیے کہ ان کے آقا کی پسند یہی تھی۔

یہ پارٹیاں پاکستان میں تو ایک ترقی پسند جمہوری حکومت کے خواب دیکھا کرتی تھیں مگر افغانستان مین اسی فرسودہ نظام کی حامی تھیں۔ ان پارٹیوں نے افغانستان میں نہ جمہوریت کا مطالبہ کیا نہ الیکشن کے ذریعہ منتخب سرکار نہ بادشاہت کے خاتمہ کا ذکر۔ انہوں نے ۱۹۴۷ء سے ۱۹۷۲ء تک ظاہر شاہ کی حمایت جاری رکھی۔

لیکن اب وہ وقت آ گیا جس کا خواب سوویت یونین ۱۹۱۹ء سے دیکھ رہا تھا۔ بادشاہت کو ختم کرنے کے لیے سردار داؤد کو ظاہر شاہ کا تختہ پلٹنے کا حکم دیا۔ داؤد ظاہر شاہ کا چچازاد بھائی بھی تھا اور داؤد کی بہن ظاہر شاہ کی بیگم تھی۔ ظاہر شاہ کا تختہ اس وقت پلٹا گیا جب وہ یورپ کے دورہ پر تھے۔ پاکستان کے بائیں بازو کے دانشور داؤد کے مداح بن گئے۔ اس لیے کہ روس یہی چاہتا تھا۔ ان میں اکثر وہ لوگ تھے جو مختلف پروگراموں میں کابل جاتے رہے تھے اور شاہی مہمانی کا شرف حاصل کرتے رہے تھے۔ لیکن اب سردار داؤد کے حامی بن گئے۔

ایران کی سیاسی تبدیلیوں پر روس کی نظر تھی۔ اسلامی انقلاب کی دھمک سے ہراساں تھا لہٰذا عجلت میں افغانستان کے کمیونسٹوں کو حکم دیا کہ داؤد کا سرتن سے جدا کر دیا جائے۔

اپریل ۱۹۷۸ء میں کمیونسٹوں نے فوجی بغاوت کے زور پر داؤد کے محل کو گھیر لیا اور اس رات خونی کھیل میں تقریباً چالیس ہزار لوگ قتل ہوئے۔ اس فوجی انقلاب میں علماء، دانشور، طالب علم، فوجی افسر، سفارت کار، سیاستداں، پروفیسر صاحبان، غرض یہ کہ ہر شعبہ زندگی سے تعلق رکھنے والے لوگ شامل تھے۔

یہ افغانستان کی وہ خونی رات تھی جس میں روس نے ایک وحشیانہ غیر انسانی اور دہشت گردانہ کردار ادا کیا۔

اپریل ۱۹۷۸ء کا یہ انقلاب ثور کے نام سے پکارا گیا اور نور محمد ترا کئی اس کے اول صدر مقرر ہوئے۔

نور محمد ترا کئی جو مارکس وادی تھا، لیکن مسلمانوں کو بے وقوف بنانے کے لیے تسبیح ہاتھ میں لیے رہتا تھا، عام طور پر ایران وافغانستان میں تسبیح ہاتھ میں لٹکائے رہنا تقریباً ایک فیشن سا بن کر رہ گیا ہے۔
ترا کئی کے آتے ہی افغان عوام روس کی چالوں کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور نعرہ جہاد بلند ہو گیا۔ برٹش سامراج کے بعد یہ دوسرا جہاد عظیم تھا جو ایک جابر طاقت کے خلاف اپنی جانوں کو ہتھیلیوں پر لے کر نکلا تھا۔

آپ جانتے ہیں کہ جہاد ہمیشہ جابر اور زبردست طاقت کے خلاف اہل ایمان کا صبر آزما اور دشمن کو شکست سے دو چار کرنے کا ایسا ہتھیار ہے جو کبھی کند نہیں ہوتا۔ دشمن کے اعصاب پر سوار ہو کر اس کی رگ رگ کو توڑ دینے کا نام جہاد ہے۔ افغانستان میں ظلم و ستم جس انتہا کو پہنچ گیا تھا اس سے نجات کا واحد راستہ جہاد ہی تھا۔

ترا کئی کے انقلابِ ثور کے بعد سوویت یونین نئی دشواریوں سے دو چار ہوتا چلا گیا۔ اب ترہ کئی بھی اس کے نشانہ پر تھا۔ لہٰذا کو ترا کئی کو ہٹا کر روس حفیظ اللہ امین کو لایا۔ حفیظ اللہ امین بھی کچھ نہ کر سکا تو ببرک کارمل کو آزمایا اور ساتھ ہی اپنی فوج بھی افغانستان میں اتار دی۔ مگر مجاہدین کے ولولہ کو یہ فوجی طاقت بھی دبا نہ سکی۔

مجاہدین نو سالہ جدوجہد کے بعد روس کو شکست سے دو چار کر چکے تھے۔ جدید دنیا کی سپر پاور شرمساری کے عالم میں دریائے آمو کو پار کر رہی تھی جہاں اس کی پیشانی پر ناکامی کا سیاہ داغ تھا جسے دریا کا پانی بھی صاف نہ کر سکا۔

داغ چھوٹا نہیں یہ کس کا لہو ہے قاتل
ہاتھ بھی دکھ گئے دامن ترا دھوتے دھوتے

کمیونسٹوں کا اندازِ فکر دیکھئے ان سے کیا کہلاتا ہے

جب روس افغانستان میں داخل ہوا تو پاکستان نیشنل پارٹی کے سربراہ غوث بخش بزنجو اپنے ایک انٹرویو میں فرما رہے تھے، سوویت فوجیں واپس نہیں جائیں گی۔ میرے نزدیک اس حوالہ سے افغانستان کا باب بند ہو چکا ہے۔ افغانستان کبھی بھی مغرب کے زیر اثر نہیں رہے گا۔ یہ قصہ اب ختم سمجھو۔ ایک

سوال کے جواب میں انہوں نے کہا کہ آپ اس کو طاقت کے ذریعہ نہیں ڈھکیل سکتے۔ آپ اس کو جنگ کے ذریعہ نہیں نکال سکتے۔ نہ سبوتاژ کارروائی کے ذریعہ۔ آپ سرخ فوج کو جنگ کے ذریعہ شکست نہیں دے سکتے۔ اس طرح اور تلخیاں پیدا ہوں گی"۔

نواب بگتی نے کہا۔ سوشلزم تو پوری دنیا پر چھانے کی طرف تیزی سے بڑھ رہا ہے اور سرمایہ داری کی بساط تیزی سے لپٹتی جا رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ ہر دوسرے یا تیسرے سال دنیا کے ہر دو ملک میں سے ایک سوشلسٹ بنتا چلا جائے گا۔ ہم نے تو کسی سوشلسٹ ملک کو سرمایہ دارانہ ملک میں تبدیل ہوتے ہوئے نہیں دیکھا۔

مسلمانوں کے ان لیڈروں نے شاید اسلامی دنیا کے عظیم مفکر عنایت اللہ خاں علامہ مشرقی کا وہ خطبہ مصر نہیں پڑھا جو خطبہ صدارت ہے۔ جس کے بعد عالم اسلام کے علماء نے ان کو "علامہ المشرق" کے لقب سے پکارا تھا اور پھر وہ اسی نام "علامہ مشرقی" کے خطاب سے مشہور ہو گئے۔ اس خطبہ میں انہوں نے ۱۹۲۶ء میں پیش گوئی کی یا اعلان کیا کہ سوویت یونین پچاس برس میں ٹوٹ جائے گا۔ لوگوں کے پوچھے جانے پر علامہ نے بتایا کہ قرآن حکیم میں ہر قوم کا حساب موجود ہے۔ مجھے قرآن کی حساب دانی بتا رہی ہے کہ یہ نظام غیر فطری اصول پر کھڑا کیا گیا ہے۔ لہٰذا اس کا ختم ہونا قدرت کا اٹل قانون ہے۔

یہ سوویت یونین کے جاہ و جلال کا زمانہ تھا۔ کیا علامہ کی قرآنی حساب دانی اور ان کی خبر سچ ثابت نہیں ہوئی؟

امریکہ اور افغانستان تاریخ کے آئینہ میں

امریکی زوال کی پیش گوئی کرنے والا عالم اسلام میں کوئی مفکر موجود نہیں ہے۔ مگر تاریخی حقائق ہمارے سامنے دھیرے دھیرے کھل رہے۔

افغانستان کے ایک شاعر عبدالرحمٰن خاں پژواک نے جو مختلف شعبوں سے بھی وابستہ رہے اور یو این او میں بھی افغانستان کے نمائندہ رہے۔ بھارت میں افغانستان کے سفیر بھی رہے۔ وہ شاعر و ادیب تھے اور متعدد کتابوں کے خالق ہیں جو انگریزی اور پشتو میں لکھی گئی۔

انہوں نے افغانستان پر سکندر کے حملہ سے متعلق ایک نظم لکھی ہے جس میں سکندر کے حملہ کو لطیف پیرایہ میں بیان کیا ہے۔ سکندر ایران کو برباد کر کے افغانستان کی طرف بڑھا تو پختونوں سے اس کا

مقابلہ ہوا۔

انہوں نے اپنی نظم میں کہا کہ میں نے سنا ہے کہ یونان کا بادشاہ سکندر جب ساری دنیا کو فتح کرنے کے ارادہ سے غرور کے ساتھ چلا تو اس کی راہ میں ابر سے زیادہ کوئی چیز نہ تھی۔ اس نے خدا کی مخلوق پر ظاہر کیا کہ وہ شمشیر و اسلحہ کا خدائے قہار ہے۔

اس کے اسلحہ کی نوک سے ایک زمانہ کا خون ٹپکتا تھا۔ جو بھی خاک اڑتی تھی وہ بادشاہوں کی تباہی و بربادی کی خاک تھی۔

جیسے ہی اس نے دارا یعنی ایران کو زیر کیا تو یہ آرزو اس کے سینہ میں مچلنے لگی کہ افغانستان کو بھی اپنے قبضہ میں لے لے۔ پھر اس نے فولاد کے اس درکو اپنے مضبوط ہاتھوں سے پوری طاقت سے کھینچا اور چاہا کہ افغانستان کو فتح کر کے ہندوستان جا پہنچے۔

مگر شاید اس کو خبر نہ تھی کہ یہ مملکت دشمنوں کے لیے آگ سے کم نہیں اور پختونوں کی کمان سے نکلا ہوا تیر دشمن کے جگر کو جلا کر راکھ کر دیتا ہے۔

غرض یہ کہ چالیس مہینہ تک سرگرداں رہا مگر پختونوں نے اسے آگے بڑھنے نہ دیا۔

تو سکندر کی ماں نے اسے خط لکھا کہ وہ کون مائیں ہیں جنہوں نے ایسے بیٹے پیدا کئے ہیں جو میرے بیٹے کی راہ روکنے والے ہیں۔ ماں نے ان کو دیکھنے کی خواہش ظاہر کی۔

سکندر نے چند پختون نوجوان، جو اس کی قید میں تھے، یونان روانہ کر دیئے اس ہدایت کے ساتھ کہ ان کو عزت واحترام سے رکھنا۔ اس وقت کے بادشاہوں میں بش کا مزاج پیدا نہیں ہوا تھا۔

پھر ایک طشت میں افغانستان کی مٹی بھی دی اور کہا کہ جس مکان میں ان کو رکھنا کسی روز جب یہ باہر گئے ہوں اس مکان میں اسے پھیلا دینا۔ یعنی خاک افغانستان۔

ایسا ہی ہوا۔ سکندر کی ماں نے ان سے محبت و شفقت کا برتاؤ کیا اور ایک دن جب یہ افغان باہر سے گھوم پھر کر اپنی قیام گاہ پر آئے تو افغانستان کی وہ خاک گھر میں پھیلائی جا چکی تھی۔ بس جیسے ہی اپنے وطن کی خاک پر ان کے قدم پڑے وہیں انہوں نے تلواریں نکال لیں اور مارنے مرنے پر تیار ہو گئے اور گھوڑوں پر سوار ہو کر افغانستان کی طرف چل پڑے۔

یہاں پڑواک کہتے ہیں کہ شراب کے ہزار مٹکے پینے والوں کو اتنا مست نہیں کرتے جتنا وطن کی خاک کا ایک ذرہ وطن سے محبت کرنے والوں کو مست کر دیتا ہے۔

بہر حال سکندر کو راستہ بدل کر بلوچستان کے راستہ ہندوستان آنا پڑا۔

افغان درویش اور سکندر

دوسرا مورچہ سکندر کا ایک افغان درویش سے ہوا۔ ایک یونانی وقائع نگار نے لکھا کہ جب سکندر پختون خواہ یعنی افغانستان کے علاقہ میں داخل ہوا تو اس کی مڈبھیڑ ایک مقامی درویش سے ہوگئی جو بہت ضعیف و کمزور تھا۔ مگر دل کا توانا و غنی تھا۔ اس نے سکندر کی طرف کوئی توجہ نہ دی مگر سکندر جو اس وقت تک آدھا دنیا فتح کر لینے کا دعویدار تھا اس درویش کی روحانی طاقت سے گھبرا گیا۔

سکندر نے اپنے قاصد اس کے پاس بھیج کر کہلایا کہ تم کو ڈیوس دیوتا کے فرزند نے یاد کیا ہے۔ اگر تم نے حکم کی تعمیل کی تو وعدہ کیا جاتا ہے کہ تمہیں قیمتی تحائف سے نوازا جائے گا اور اگر انکار کیا تو سخت ترین سزا دی جائے گی۔

درویش نے یہ پیغام سن کر کہا، میں سکندر کے پاس نہیں جاؤں گا۔ وہ جھوٹا ہے۔ اس لیے کہ وہ کسی دیوتا کا بیٹا نہیں ہے، پوری دنیا کیا ہے؟ اسے پتہ ہی کیا؟ اور کیا دنیا اس نے ناپ لی ہے۔ لہٰذا آدھی دنیا کا فاتح ہونے کا اس کا دعویٰ بھی جھوٹا ہے۔

جہاں تک اس کی طرف سے تحفے دینے کا سوال ہے تو وہ شخص جس کی خواہشیں خود پوری نہیں ہوئی ہیں کسی دوسرے کو کیا دے گا۔ جہاں تک اس کی دھمکیوں کا تعلق ہے تو ان سے میں ڈرتا نہیں۔ اس لیے کہ اگر میں زندہ رہا تو میرا وطن مجھے کھلائے گا، اگر میں مر گیا تو اس جسم سے نجات مل جائے گی۔ مجھے یقین ہے کہ موت کے بعد میں ایک بہتر اور پاک زندگی کی طرف لوٹ جاؤں گا۔

تاریخ کا یہ کردار عجیب ہے کہ وہ اپنے کو کبھی جھٹلاتی نہیں بلکہ دہراتی رہتی ہے۔

سردار داؤد کے قتل کے بعد افغانستان پر سوویت یونین کی گرفت مضبوط ہوتی چلی گئی۔ ملک پر نور محمد ترہ کئی قابض ہو گیا۔ وہ کٹر مارکسسٹ تھا۔ وہ خلق پارٹی سے تعلق رکھتا تھا۔ پرچم پارٹی بھی مارکسسٹ کمیونسٹوں کی پارٹی تھی۔ اس کا سربراہ ببرک کارمل تھا۔ دونوں پارٹیوں میں سوویت یونین کے اصل حامی لوگ تھے۔ نور محمد ترہ کئی نے افغانستان میں وہ تمام کام کر ڈالے جو روس میں لینن نے کئے تھے۔ لوگوں سے زمینیں چھین لی گئیں، بے شمار خواتین قتل کر دی گئیں۔ اس کے دور میں مخالفین کو موت کے

گھاٹ اتارنے کا کام کیا گیا۔

جس رات کیمونسٹوں نے سردار داؤد کا تختہ پلٹا تقریباً پچیس ہزار لوگ قتل کر دیئے گئے۔ کابل کے قریب چل چرخی جیل میں ۱۲۵۰۰۰ افراد کو پھانسیاں دے دی گئیں۔ جن میں اعلیٰ افسر، اہل علم اور تاجر شامل تھے۔ اس کا مقصد صرف عوام پر دہشت طاری کرنا تھی۔ کیمونسٹوں نے اپنی بدبختی سے ایک مستحکم افغانستان کو انارکی کی طرف ڈھکیل دیا۔

لیکن جلد ہی نور محمد ترہ کئی کو بھی روس کے اشارہ پر قتل کر دیا گیا۔ ۱۹۷۹ء میں چالیس روسی مشیروں کو ہرات میں قتل کر دیا گیا۔ سوویت یونین کے اقتدار اعلیٰ پر یہ کاری ضرب تھی۔

افغانستان میں کیمونسٹوں کے خلاف مجاہدین کی صف بندی ہو رہی تھی۔ روس کو اس طرح کی مزاحمت کا اندازہ نہ تھا۔ اس نے اسلحہ بھیجنے کی رفتار تیز کر دی تھی۔

اس کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ خلق اور پرچم پارٹی اپنے اثر میں افغان کو لینے میں ناکام رہی ہیں۔

کیمونسٹوں کی افغان عوام میں پالیسیاں ناکام ہو رہی تھیں حالانکہ روس میں انقلاب کے بعد سے ہی اس نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔

افغانستان کے سیدھے سادے لوگ کیمونسٹ فلسفہ کو سمجھ نہ سکے اس لیے کہ افغان سماج مضبوطی سے اسلامی بنیادوں پر کھڑا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ روس کے خلاف مجاہدین منظم ہونے لگے۔ اس سے گھبرا کر کیمونسٹوں نے روس کی طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

ہرات میں روسی مشیروں کا قتل روس کے لیے بڑا صدمہ تھا۔ اس نے غضبناک ہو کر اپنے فوجی جنرل الیکسی کو افغانستان روانہ کیا۔ اس جنرل نے ۱۹۶۸ء میں چیکوسلواکیہ کو قابو میں کرنے میں اہم رول ادا کیا تھا۔

اس جنرل نے آتے ہی افغان فوج کی مدد سے کابل کے قریب کی ایک آبادی جہاں پندرہ سو لوگ رہتے تھے جن کے بارہ میں یہ خیال تھا کہ یہ لوگ مجاہدین کے ہمدرد ہیں۔ جنرل الیکسی کی کمان میں افغان فوج اور پولس نے اشتراکی کفر کی حکومت مضبوط کرنے کے لیے سب کو موت کی نیند سلا دیا تا کہ دوسری آبادیوں پر ہیبت طاری کی جائے۔

لیکن ان کارروائیوں سے نہ مجاہدین خوفزدہ ہوئے نہ ان کی مدد کرنے والے افغان عوام۔

اب سوویت یونین نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنی فوجی طاقت کے ساتھ افغانستان میں داخل ہو گا۔

اس کے ساتھ ہی اس نے اپنے دوسرے جنرل پولاسکی کو افغانستان بھیجا جو روس کی بری فوج کا

کمانڈر تھا۔ وہ اپنے پچاس فوجی افسروں کے ساتھ آیا اور دو مہینہ تک جائزہ لیتا رہا۔ اس نے حفیظ اللہ سے کہا — وہ سوویت یونین سے درخواست کرے کہ وہ سرخ فوج افغانستان بھیج دے۔

حفیظ اللہ اس کے لیے تیار نہ ہوا تو روسی جنرل کی تیوریوں پر بل پڑ گئے اور اس کی مرضی کے خلاف دسمبر ۱۹۷۹ء میں سوویت فوج بگرام ایئر پورٹ پر اتر گئی۔ دوسری جانب سالانگ سرنگ سے روسی فوج داخل ہو رہی تھی اور ۲۷ دسمبر ۱۹۷۹ء کو ہیلی کاپٹروں اور جہازوں کے ذریعہ کابل کے ہوائی اڈے پر فوج اتر گئی۔ اس نے کابل کی تمام سرکاری عمارتوں پر حملے شروع کر دیئے۔

حفیظ اللہ امین کابل کے اپنے محل دارالامان میں تھا۔ جب تک اس کو اس سازش کا علم ہوا تمام جگہوں پر سرخ فوج قابض ہو چکی تھی۔ حفیظ اللہ امین اور اسکے حفاظتی دستہ نے روسی حملہ آوروں کا مقابلہ کیا مگر صبح ہونے سے پہلے اس مقابلہ نے دم توڑ دیا۔

حفیظ اللہ امین، اس کے خاندان والے اور حفاظتی دستہ کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

یکم جنوری ۱۹۸۰ء کو ساٹھ ہزار روسی فوج افغانستان میں داخل ہوگئی۔ روسی فوج کے سائے میں ببرک کارمل بھی آ گیا۔ اب افغانسان روسی فوج کے قبضہ میں تھا۔

ببرک کارمل بھی بینٹ کی شکل میں روسی کلہاڑی میں زیادہ دیر نہ چل سکا۔ اس بینٹ کے بعد روس نے نجیب اللہ کا بینٹ استعمال کیا مگر افغانستان کی زمین سے لاوا ابلنے لگا۔ مجاہدین نے دس سال مقابلہ کیا۔ آخرکار روسی فوج ذلت و رسوائی کا داغ لیے نجیب کو اکیلا چھوڑ گئی جو افغان مجاہدین کے سامنے جھک گیا۔

اس پوری کہانی میں امریکہ اور اس کی کلہاڑی کے بینٹوں کے لیے ایک بڑا سبق موجود ہے۔

تاریخ اپنے کو دہرا رہی ہے۔ چیکوسلواکیہ نے چوبیس گھنٹے کے اندر روسی فوجوں کے آگے ہتھیار ڈال دیئے تھے۔ مگر افغانستان میں روس نے اپنی پوری طاقت لگا دی، زہریلی گیس کا استعمال کیا۔ نیپام اور کلسٹر بم پھینکے: گن شپ ہیلی کاپٹروں کا استعمال کیا۔ مگر افغان عوام کو ایک دھن، ایک ہی پکار آزادی، جس کے لیے انہوں نے مارکسی کفر کا ایسا مقابلہ کیا کہ دنیا دنگ رہ گئی اور اشتراکیت کا چراغ اسلامی جذبہ حریت کے آگے گل ہو گیا۔

امریکہ کیا کوئی نیا پیغام لایا ہے۔ نئی فوج اور نئے ہتھیار لایا ہے۔ امریکی اور ناٹو کا مشترکہ کفر دس برسوں سے افغانستان میں نبرد آزما ہے۔ کیا روس سے مختلف کسی نتیجہ کی امید میں افغانوں کا خون بہا رہا ہے۔

یہاں ذرا ٹھہر کر عالمی سطح پر ان چہروں کو پہچاننے کی ضرورت ہے جس میں اپنے بھی ہیں اور غیر بھی جو مجاہدین افغانستان یا طالبان افغانستان کو غیر اسلامی فعل قرار دے رہے ہیں مسلمانوں کی وہ لابی، پاکستان میں ہو عالم اسلام میں یا ہندوستان میں ان کو پہچاننے کی ضرورت اور یہ جاننے کی ضرورت کہ ان کی ڈور کس کے ہاتھ میں ہے۔ دراصل یہی اسلام کے اصل دشمن اور غیروں کے فرمانبردار و تابعدار ہیں یہ خدا اور رسولؐ سے رشتہ توڑ کر امریکہ کو اپنا آقا اور خداوند قدوس مان چکے ہیں اور عنقریب اپنے انجام کو پہنچنے والے ہیں۔

امریکی جارحیت، اقوام متحدہ اور مسلم ممالک

افغانستان امریکہ اور اس کی لونڈیوں کی جارحیت کا شکار ہے۔ ناٹو ممالک کی حیثیت امریکی لونڈیوں سے زیادہ نہیں اور یو این او امریکی وارڈ بوائے سے زیادہ کچھ نہیں ہے۔ رہے مسلم ممالک جہاں بادشاہ ہیں، فوجی کمانڈر ہیں، شیوخ ہیں اور امریکی جمہوریت کے غلام صدور وزیر اعظم صاحبان۔ اسلامی کانفرنس پر عمل اور اپنے عوام کو غلام بنانے والے بدکردار حکمرانوں کا حقہ باز جتھا ہے۔

۱۹۲۶ء میں مصر کی موتمر عالم اسلام کی کانفرنس میں علامہ مشرقی نے کہا تھا کہ مسلم ممالک کا کوئی ایسا اتحاد جس کا سربراہ انگریزوں کا غلام ہو زیادہ خطرناک ہوگا۔ آج اسلامی کانفرنس اسرائیل اور امریکہ کے اشاروں پر ناچنے والوں سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتی۔

مسلم ممالک کے عوام اپنی حکومتوں کی کارکردگی سے بے زار ہیں اور ان کے دل افغان عوام کے ساتھ ہیں۔ ان کی دعاؤں اور ہمدردی کے نتیجہ میں تاریخ کا لکھا پورا ہوا اور ایک طاقتور سوشلسٹ ریاست اور اس کے ہمنواؤں کا خاتمہ ہو گیا۔

اکیسویں صدی کے شروع ہوتے ہی امریکہ جیسی سپر پاور ایک نامعلوم لوگوں کے حملہ سے لرز گیا۔ اس کی بڑی طاقت ہونے کا طلسم ٹوٹنے لگا تو اس نے گھبراہٹ میں افغانستان پر حملہ کر دیا۔

افغانستان امریکہ اور نیٹو فوجوں کی وحشیانہ بمباری کا شکار ہے۔ مسلم ممالک کے حکمراں اپنے ملکوں میں اسلامی فکر کی ترسیل کے خوف سے دشمن کے ہمنوا بنے ہوئے ہیں مگر افغانستان کے عوام اب روس کے بعد مغربی کفر کی طاقتوں سے نبرد آزما ہیں جس کی سربراہی امریکہ کر رہا ہے۔ افغان عوام طالبان کے ساتھ ہیں اور کفر و شرک والحاد کی متحدہ طاقت سے لوہا لے رہے ہیں۔ وہ تمام طاقتیں جو کل سوویت یلغار کی ہمنوا تھیں اور امریکی سامراج کے خلاف تھیں آج اسلام دشمنی کے جذبہ کے ساتھ امریکی جارحیت کی

حمایت کر رہی ہیں۔

آج کا پاکستان اور وہاں کی ساری جماعتیں، جماعت اسلامی کو شاید چھوڑ کر امریکہ کی یا تو حمایت کر رہی ہیں یا اس کی جارحیت پر خاموش ہیں۔

دنیا کی ترقی پسند قوتیں، سیکولر طاقتیں اور انسانی حقوق کی علمبردار تنظیمیں انٹرنیشنل کورٹ آف جسٹس اور مسلم ملکوں کی اسلامی کانفرنس عرب لیگ وغیرہ سب امریکہ کی کھلی یا بند حمایتی ہیں۔

افغانستان کے طالبان نے حق و باطل کے درمیان ایک ایسی لکیر کھینچ دی ہے جہاں سب کے چہروں کی نقابیں اُلٹ گئی ہیں۔

آخری عمر میں ظاہر شاہ کا کردار بھی دنیا کے سامنے آ گیا۔ قبر میں پیر لٹکانے والا سابق شاہ جو روس کا بھی پٹھو تھا مرتے وقت امریکی ڈالروں میں لپٹ کر اپنی قوم کے گلے میں امریکی غلامی کا پھندا پہنا کر قبر کی زینت بن گیا اور یہ بھول گیا کہ اقتدار کا پانسا پلٹتے ہی افغانستان کے عوام اس کی قبر کو کھود کر اس کی باقیات کو افغانستان کی پاک دھرتی کے باہر پھینکوا سکتے ہیں۔

ایک افغان بچہ برطانوی فوجوں کے سائے میں شاہ شجاع کے نام سے افغانستان آیا تھا اس کا انجام کیا ظاہر شاہ کو معلوم نہیں ہے۔ نور محمد ترہ کئی کا انجام بھی اس کے سامنے ہے، داؤد کا بھی، امین کا بھی اور بے شمار غداران وطن کے انجام سے یہ سب واقف ہیں۔ آج کا افغانستان شہیدوں، مجاہدوں اور دین کے لیے جان کی بازی لگانے والوں کا افغانستان ہے جنہوں نے صدائے آزادی، خود انحصاری اور اسلامی زندگی پر لبیک کہتے ہوئے اپنی جانیں قربان کر دیں۔

دہشت گردی اور افغانستان

سوال یہ ہے کہ افغانستان میں دہشت گردی کس نے شروع کی؟ افغانستان ایک مضبوط، پرامن اسلامی ملک تھا۔ وہاں خون خرابہ کا ذمہ دار کون ہے؟ معصوم افغان نو جوانوں کا خون کس نے بہایا؟ کون بہا رہا ہے؟ یہ کون لوگ تھے اور ہیں جو وہاں خون کی ہولی کھیل رہے ہیں؟ عصمتیں سرعام لوٹنے والے اور بچوں کا خون بہانے والے کون ہیں؟

افغانستان دہشت گردی کا شکار ہے۔ لاشیں بے گور و کفن پڑی سڑ رہی ہیں اور قابض قوتیں ان پر رقص کر رہی ہیں۔ طالبان کی بے دخلی کے بعد دنیا کے سامنے جو نقشہ ہے اس کو بنانے والا کون ہے؟ اسلامی دنیا بے حیائی اور بے غیرتی کی زندگی گزار رہی ہے جہاں نبض تن تو چل رہی ہے مگر نبض دل بے

حرکت ہے۔او آئی سی بڑا نام ہے مگر درشن ندارد۔

کیا آج جو کچھ افغانستان میں ہورہا ہے طالبان نے کیا تھا؟ کیا انہوں نے عورتوں کی عزت لوٹی تھی؟ معصوم بچوں کا خون انہوں نے بہایا تھا؟ آبادیوں پر بمباری انہوں نے کی تھی؟ انتشار اور بدامنی کو انہوں نے جنم دیا تھا؟

ظاہر شاہ کے باپ سردار نادر شاہ ''بچہ سقہ'' کو شکست دیکر ۱۶/اکتوبر ۱۹۲۹ء میں لوگوں کے کہنے پر تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوئے تھے۔ظاہر شاہ ان کے اکلوتے بیٹے تھے۔۸/اکتوبر ۱۹۳۳ء کو نادر شاہ کو قتل کردیا گیا۔۱۹۷۳ء میں سردار داؤد نے ظاہر شاہ کا تختہ پلٹ دیا جن کی بہن ظاہر شاہ کی ملکہ تھی۔ظاہر شاہ اٹلی کے دورہ پر تھے وہیں جلاوطنی کی زندگی گزارتے رہے۔انہوں نے چالیس سال حکومت کی۔

داؤد کے قابض ہوتے ہی افغانستان ڈیموکریٹک ریپبلک ہوگیا۔

یہاں سے افغانستان کی بربادی کا دور شروع ہوا۔داؤد کو کیا خبر تھی کہ:

شاخ نسریں پہ چٹکتی ہوئی معصوم کلی
مکر زرات گلستاں ہے یہ معلوم نہ تھا

اس وقت خلق اور پرچم پارٹیاں سوویت یونین کی غلام تھیں اور دونوں کی منزل کمیونسٹ انقلاب تھی۔فوج میں بھی کمیونسٹوں کا عمل دخل موجود تھا۔

داؤد کو خبر نہ تھی کہ اپنے بھائی سے بے وفائی کی وہ زنجیر خود اس کی گردن میں عنقریب پڑنے والی ہے۔خلق اور پرچم اپنے روسی آقاؤں کے اشارہ پر پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی کے نام سے وجود میں آگئی۔

سردار داؤد سوویت یونین کا طرفدار ضرور تھا مگر بنیادی طور پر کمیونسٹ نہ تھا۔

امیر اکبر خیبر جو پرچم اخبار کا ایڈیٹر تھا، اس کو کسی نے قتل کردیا۔اس کے جنازہ میں کمیونسٹوں کی بھیڑ تھی۔

سردار داؤد نے کمیونسٹوں کے بڑے لیڈروں کو گرفتار کرلیا۔لیکن فوج میں موجود کمیونسٹ عناصر پر اس کی نظر نہ تھی۔یہ معاملہ روسی قیادت کے لیے سنگین تھا۔لہٰذا اس نے داؤد کو ہٹانے کا فیصلہ کرلیا اور اپریل ۱۹۷۸ء کی رات میں کمیونسٹ فوجیوں نے اس کے محل پر حملہ کر کے سردار داؤد اور اس کے پورے خاندان کو قتل کردیا۔فوج میں سردار داؤد کے حامی تمام فوجی افسروں کو بھی موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔

افغانستان کی تاریخ کی یہ پہلی اور بدترین دہشت گردی تھی۔جن لوگوں نے یہ کارنامہ انجام دیا وہ اشتراکی تھے، عوام دوست تھے، فوج کے اعلیٰ افسر تھے۔یونیورسٹیوں میں جدید تعلیم حاصل کئے ہوئے

لوگ تھے۔

اس میں نہ ملا تھے نہ مولوی تھے، نہ داڑھی ٹوپی والے تھے۔اس دہشت گردی کی بنیاد طالبان نے کہاں رکھی تھی۔اس میں علماء بھی نہ تھے۔لیکن اسلام دشمن طاقتیں یہی چلاتی پھر رہی ہیں کہ دہشت گرد اسلام ہے، دہشت گرد مسلمان ہے۔

ہمارے سامنے پوری تاریخ ہے کہ دنیا میں دہشت گردی کرنے والے غیر مذہبی لوگ تھے اور ہیں۔ یہ کمیونسٹ ہیں، سوشلزم کے حامی ہیں، سیکولرازم کے طرفدار ہیں۔

افغانستان میں جن کے ہاتھ افغانوں کے خون میں ڈوبے ہوئے ہیں، سارے یہی لوگ تو ہیں جن کا ذکر اوپر ہوا ہے۔

افغانستان میں خواتین، بچے اور نوجوان قتل ہو رہے ہیں، عورتیں بیوہ ہو رہی ہیں، غریبوں کے گھر اجڑ رہے ہیں، بے گناہ لوگ جن کا کوئی قصور نہیں ہے، صرف یہ کہ وہ آزاد رہنا چاہتے ہیں، مارے جا رہے ہیں، جہاں روس کے بعد امریکہ کا وحشیانہ رقص جاری ہے۔مغرب کی ترقی یافتہ قومیں اس وحشیانہ رقص میں برابر کی شریک ہیں۔مغربی تہذیب کی نمائندگی کرنے والے ممالک نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ انسانیت کی اور اسلام کی دشمن تہذیب ہے۔انہیں مسلمانوں سے عداوت ہے، نفرت ہے۔ مغربی دنیا نے اسی جذبہ کے تحت ہٹلر کے خلاف اتنا شور مچایا کہ لوگ امریکہ کے ایٹم بم کو بھول جائیں جو اس نے جاپان پر گرایا تھا۔اور دیکھتے دیکھتے ہیروشیما اور ناگاسا کی موت کی آغوش میں جا پہنچے تھے۔

ٹونی بلیئر کا یہ دعویٰ کہ وہ القاعدہ پر حملہ آور ہے مگر مارے جا رہے ہیں افغان۔ان ملکوں نے سوچا تھا کہ چند دنوں میں طالبان، امریکہ اور ناٹو کے قدموں میں آ جائیں گے مگر دس برس کے قریب ہونے کو آ رہے ہیں انہیں جھکا نہ پائے، نہ ان کا زور کم کر پائے۔نہ روس کی تباہی ان کے سامنے ہے نہ انگریزوں کی بربادی سے سبق لے رہے ہیں اور اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھود رہے ہیں۔

امریکہ اور برطانیہ سے کوئی پوچھے کہ آپ القاعدہ پر کیوں حملہ آور ہیں؟ القاعدہ کا لیڈر کھلے عام کہہ چکا ہے کہ ہماری تمہاری کوئی لڑائی نہیں، تم ہمارے علاقوں سے نکل جاؤ، تم ہمیں چین سے بیٹھنے نہ دو گے ہم تمہیں چین سے بیٹھنے نہ دیں گے۔

آپ ہمارے گھر میں کیوں گھستے ہیں، اسے خالی کر دیجئے ورنہ:

ہم تو کیا تاریخ انسانی بتا سکتی نہیں
کھا چکی ہے کتنے قاہر تاجداروں کو زمیں

کمانڈر جلال الدین حقانی نے کتنی صحیح بات کہی تھی کہ امریکی سپاہی بزدل اور کمزور ہیں۔ روسی پھر بھی بہادر تھے۔ انہوں نے افغان مجاہدین کا پہاڑوں اور زمین پر مقابلہ کیا تھا لیکن امریکہ نہ تو زمین پر اترنا چاہتا ہے نہ پہاڑوں پر۔

طالبان امریکہ اور نیٹو کو یہ حق کیسے دے دیں کہ وہ افغانستان میں اپنی مرضی کی حکومت بنائیں اور چلائیں۔ امریکہ دراصل افغانستان پر کنٹرول کر کے یہاں سے پاکستان اور ایران پر اپنا پھندا تنگ کرنا چاہتا ہے۔ ایرانی لیڈرشپ اپنی گردن دینے کو تیار نہیں ہے جب کہ پاکستان اپنی گردن اس کے پھندے میں دے چکا ہے۔

پشاور میں ایک ایسا قبرستان موجود ہے جس میں پختونوں کے ہاتھوں قتل ہونے والے انگریزوں کی قبریں موجود ہیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول ہے کہ جو انسان جسم کو قتل کرتا ہے اس سے ڈرنے کی ضرورت نہیں بلکہ اس سے ڈرو جو جسم و روح دونوں کو قتل کرنا چاہتا ہے۔

افغانستان میں کیا برطانیہ کی پینتالیس ہزار فوج تہس نہس ہو گئی۔ سوویت یونین کے پندرہ ہزار صرف کمانڈر مارے گئے اور اب نمبر ہے امریکہ اور نیٹو کا۔

آسیا یک پیکر آب و گل است
ملت افغان در آن پیکر دل است

برطانوی سامراج کے زمانہ میں جب بھی ہندوستانیوں پر کوئی مصیبت پڑی تو ہندوستانی، خاص کر یہاں کے مسلمان افغانستان میں پناہ لیتے تھے اور افغانی بہ چشم وسران کے ساتھ بہتر سلوک کرتے تھے۔ ان کی آمد پر کبھی کوئی پابندی نہ لگاتے تھے۔

۱۹۷۴ء میں بلوچستان کے ایک رہنما نے ایک پاکستانی صحافی کو انٹرویو دیتے ہوئے بتایا کہ ہم بلوچیوں پر جب بھی کوئی مصیبت پڑی تو ہم نے ہمیشہ افغانستان کی طرف ہجرت کی اور وہاں پناہ لی اور افغانوں نے ہمیں پناہ دی۔ افغانستان ہمارے لیے ایک نعمت کی مانند رہا ہے۔

یہ افغانیوں کا مزاج ہے کہ اپنے مہمان کی عزت بھی کرتے ہیں، ان کی پلکیں ان کے لیے فرش راہ بھی ہوتی ہیں اور اپنے ملک میں ہر خطرہ سے ان کو بچاتے بھی ہیں۔

کیا ہندوستان کو یاد نہیں کہ انگریزی ظلم سے بچنے کے لیے ہزاروں ہندوستانی افغانستان ہجرت کر گئے تھے اور ہندوستان کی پہلی جلاوطن حکومت بھی افغانستان میں ہی قائم ہوئی تھی۔ افغانوں نے برطانوی سرکار کی ناراضگی سے بے فکر ہوکر اس جلاوطن حکومت کی پذیرائی بھی کی تھی۔

اس بات کے پیش نظر ہماری ہندوستانی حکومت کو اپنے رویہ پر غور کرنا چاہئے اور امریکی دباؤ میں آ کر افغان حکومت جو امریکی بیساکھیوں پر قائم ہے، افغان قوم اور افغان عوام کے جذبات کا احترام کرتے ہوئے اپنے قدیم رشتوں کو سامنے رکھ کر درست فیصلہ کرنا چاہئے تا کہ ہمیں کوئی احسان فراموش نہ کہے۔

اس تاریخی پس منظر کو سامنے رکھ کر ملا عمر اور اسامہ کے معاملہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اگر ملا عمر ڈالر کے چکر میں پھنس کر اسامہ بن لادن کو امریکہ کے حوالہ کر دیتا تو چند دنوں کے لیے سامراجی طاقتیں اور غلام مسلم ممالک کے حکمران اور شیوخ پاکستان اور عالم اسلام کے علماء ومشائخ ملا عمر کی تعریف ضرور کرتے اور اسلام کی پیشانی سے دہشت گردی کا امریکی لیبل چڑھانے کی کوشش کرتے۔ یورپ، امریکہ اور جاپان کی طرف سے اربوں ڈالر کی امداد بھی مل جاتی۔ مگر افغانستان کی تاریخ داغدار ہو جاتی۔ افغانوں کی روایت ختم ہو جاتی۔ مہمان نوازی اور غریب پروری کی افغانی خصلت پامال ہو جاتی اور ملا عمر قوم کی نظروں سے اسی طرح گر جاتا جس طرح دوسرے غداران قوم وملت فروش کر چکے ہیں۔ ملا عمر نے کوئی بڑا کارنامہ انجام نہیں دیا ہے بلکہ اپنے بزرگوں کی روایت پر عمل کر کے ملت افغان اور اسلامی غیرت وحمیت کی پاسداری کر کے اپنے کو اور اپنے قومی کردار کو سربلند کرنے کی کوشش کی ہے۔

ملا عمر نے وہی کیا ہے جو سلطان ٹیپو نے کیا تھا، جو بسمل اور اشفاق اللہ خاں نے کیا تھا اور سب سے بڑھ کر تاریخ اسلام کی وہ سرخ لکیر جو امام حسین علیہ السلام نے اپنے اور یزیدی فوجوں کے بیچ کھینچ دی تھی۔ ملا عمر نے اپنے اور امریکی فوجوں کے بیچ کھینچ کر پوری قوم کی اخلاقی اور اسلامی قدروں کو سربلندی عطا کر دی ہے اور بس۔

یہ اس لیے ہے کہ ملا عمر اور ان کے ساتھیوں کی نبض دل چل رہی ہے۔ باقی لوگوں کی نبض تن چل رہی ہے۔

یہ مسئلہ صرف ملا عمر اور افغانستان کا نہیں ہے۔ اس آئینہ میں ان احسان فراموشوں کے چہرے بھی دکھائی دے رہے ہیں اور ان کمیونسٹوں کے بھی جو امریکی سامراج کی مخالف میں آگے آگے رہتے تھے جو ویتنام کے عوام کے لیے بے چین تھے جن کے نعرے تھے جو امریکہ کا یار ہے وہ غدار ہے۔ آج

ہندوستان کی سرکار پارلیمنٹ اور اپوزیشن یہی تو امریکہ کے یار ہیں اور اکیسویں صدی میں افغانوں کے خون میں وہی ہاتھ ڈوبے ہوئے ہیں جن کے ہاتھوں پر ہزاروں بے گناہ معصوم جاپانی شہریوں کے خون کے دھبے ہیں۔

امریکی فوج کی درندگی آج بائیں بازو کے لوگوں کو شاید اس لیے دکھائی نہیں دے رہی ہے کہ وہ افغانستان میں بنیاد پرستی کے خلاف لڑ رہا ہے یا وہ گھاؤ ابھی بھرا نہیں ہے جو اشتراکی کفر کی تباہی سے ان کے سینہ پر لگا ہے اور بائیں بازو کا اشتراکی اشتراک وتعاون سے محروم ہو کر در پردہ ڈالر کا اسیر ہو گیا ہے۔ یہ لوگ تو امریکہ کے خلاف دکھاوے کی نعرہ بازی کرتے تھے اور امریکی ڈالر وصولتے تھے۔ ان کا سوشلزم بھی جعلی تھا اور آج امریکہ کی مخالفت بھی جعلی ہے کہ شاید کچھ چین سے حاصل ہو جائے۔

منافقت کی اس تاریک رات میں آج ہندوستان جیسے ملک میں جہاں فلسطینیوں کے خون ناحق کے خلاف اٹھنے والی آواز خاموش ہو گئی ہو وہاں افغانوں کے خون ناحق اور ان کے خلاف ہونے والے ظلم و بربریت پر یہ ملک شترمرغ کی طرح گردن کو ریت ڈال کر صدا بہ صحرا ہی رہنا چاہتا ہے۔

طالبان نے جب اقتدار پر قبضہ کیا تو انہوں نے لوئی جرگہ تشکیل نہیں دیا بلکہ جب امریکہ نے اسامہ بن لادن کو مانگا اور اصرار کیا کہ اسے امریکہ کے حوالہ کر دیا جائے تو طالبان نے علماء پر مشتمل ایک لوئی جرگہ تشکیل دیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ اسامہ چونکہ مہمان ہے وہ اپنی آزاد مرضی سے افغانستان سے جا سکتا ہے لیکن افغان روایات اور اسلامی روایات کے تحت اسے امریکہ کے حوالہ نہیں کیا جا سکتا۔

بچہ سقہ کون تھا؟

غازی امان اللہ خان خان عبدالرحمان کا پوتا تھا۔ اس نے افغانستان پر بیس سال حکومت کی۔ وہ طاقتور حکمراں تھا۔ قبائلی سرداروں کو قابو میں رکھنے کا فن جانتا تھا۔ وہ افغانستان کے مرد آہن کے نام سے جانا جاتا ہے۔

عبدالرحمان خان کا زمانہ ۱۸۸۰ء سے ۱۹۰۱ء تک رہا۔ اس کے بعد اس کا بیٹا حبیب اللہ خاں جانشین ہوا۔ اس نے ۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۹ء تک حکومت کی مگر وہ قتل کر دیا گیا۔

اس کے بعد غازی امان اللہ خاں تخت نشیں ہوا۔ یورپ کے دورہ کے بعد وہ اصلاحات کے چکر میں پڑ گیا۔ انہوں نے فرمان جاری کیا کہ عورتیں جب کابل آئیں تو بے برقعہ آئیں۔ مغربی لباس اپنانے کا

بھی حکم دیا جس کا ردعمل شدید ہوا۔

امان اللہ خان کی ان تبدیلیوں کو افغانوں نے قبول نہیں کیا۔ ان کے خلاف ۱۹۲۵ء میں خوست میں بغاوت پھوٹ پڑی جس کو دبا دیا گیا۔ لیکن ۱۹۲۹ء میں پھر بغاوت ہوئی اور ان کے خلاف پورے ملک میں لہر اٹھی۔ اس سے فائدہ اٹھا کر حبیب اللہ نے، جو ایک ڈاکو تھا، بغاوت کر دی۔ اس کا باپ سقہ تھا یعنی پانی پلانے والا۔ اسی لیے اس کو بچہ سقہ کہا جاتا ہے۔

اس نے کابل کے افغان سپاہیوں میں کافی دولت تقسیم کی جو امان اللہ خاں سے پہلے ہی ناراض تھے۔ لہٰذا وہ اس کے ساتھ ہو گئے۔ اس طرح بچہ سقہ نے کابل پر قبضہ کر لیا۔ امان اللہ کے حامیوں کو چن چن کر قتل کر دیا گیا۔

اس کے تمام ساتھی وحشی اور ان پڑھ تھے۔ اس کی حکومت چند ماہ رہی۔ یہ تاریخ افغانستان کا بدترین زمانہ تھا۔

امان اللہ خاں کی حکومت کے خاتمہ میں اقربا پروری اور رشوت کا چلن عام تھا۔ یہاں تک کہ حکومت خود اس میں ملوث تھی۔ وزراء اور فوجی تک رشوت لے رہے تھے۔

مگر جلد ہی عوام کو احساس ہو گیا کہ وہ سازش کا شکار ہو گئے ہیں۔ امان اللہ خاں کے کمانڈر ان چیف مارشل نادر خاں اور ان کے بھائیوں نے اس انتشار و بدامنی کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ وہ اس وقت ہندوستان میں تھے۔ انہوں نے افغانستان پہنچ کر ایک ہولناک جنگ کے بعد بچہ سقہ کو شکست دی اور کابل پر قبضہ کر لیا۔ ان کے ساتھ ان کا بھائی مارشل ولی خان بھی تھا۔ بچہ سقہ کو پھانسی دے دی گئی۔

نادر شاہ بیمار تھا۔ وہ چاہتے نہیں تھے مگر لوگوں نے ان کو بادشاہ بنا دیا۔ لیکن بعد میں نادر شاہ کو بھی قتل کر دیا گیا۔ ان کے قتل میں ینگ افغان کی ایک تنظیم شامل تھی۔ یہ لوگ سوویت یونین کے انقلاب سے متاثر تھے۔ یہ تمام نوجوان ایک کافی ہاؤس میں جمع ہوتے تھے۔ یہ کابل کے شاہی بازار میں تھا۔ ان میں اکثریت ان طالب علموں کی تھی جو نجات اسکول میں پڑھتے تھے۔

ان طالب علموں کو مہتہ سنگھ لیکچر دیا کرتا تھا۔ مہتہ سنگھ ایک سکھ تھا جس کو سوویت یونین نے افغانستان بھیجا تھا تاکہ برطانیہ کے خلاف افغانوں کو منظم کرے۔ نادر شاہ کے قتل میں کمیونسٹوں کے آلہ کار شامل تھے۔

نادر شاہ کا قتل ۱۹۳۳ء میں ہوا۔ ان کے بعد ان کا کمسن بیٹا ظاہر شاہ تخت نشین ہوا۔ اس کے نگراں ان کے چچا مارشل ولی خان تھے۔ ظاہر شاہ کی عمر اس وقت سولہ سال کی تھی۔

اس کے تین چچا سردار ہاشم، سردار شاہ محمود اور سردار ولی خاں ظاہر شاہ کے نگراں بنے رہے۔
لیکن جلد ہی چچاؤں کی نگرانی سے آزاد ہو کر اپنے چچا کے بیٹے داؤد خاں کے ساتھ مل کر ستمبر ۱۹۵۳ء میں فوج کی مدد سے کل اختیارات حاصل کر لیے۔ داؤد خان کابل میں مرکزی فوج کا کمانڈر تھا۔ وہ وزیر اعظم بن گیا اور اس کا بھائی محمد نعیم وزیر خارجہ بنایا گیا۔
۱۹۳۴ء میں افغانستان اقوام متحدہ کا ممبر بنا۔ اس کے بعد روس، ایران، ترکی اور عراق سے اس کے تجارتی اور سیاسی معاہدیہ ہوئے۔
پہلی اور دوسری عالمگیر جنگ میں افغانستان غیر جانبدار ملک رہا۔ سیاسی نظام پارلیمانی بادشاہت قرار پایا۔ ظاہر شاہ نے سیاسی اور سماجی اصلاحات شروع کیں۔ ساتھ ہی اپنے حکمرانی کے اختیار میں بھی اضافہ کر لیا۔
ہندوستان کی تقسیم کے وقت انگریزوں کے زیر انتظام کرائی گئی رائے شماری میں پاکستان میں صوبہ سرحد شامل ہو گیا۔ داؤد نے پختونستان کی شدت سے حمایت کی جس کی وجہ سے پاکستان نے افغانستان سے سفارتی تعلقات ختم کر لیے اور اپنی سرحدیں بند کر دیں اور اپنی زمین سے تجارتی سامان کی ترسیل روک دی۔ یہ سلسلہ ۱۹۶۳ء تک چلتا رہا جو داؤد کی موت کے بعد ہی کھل سکا۔
داؤد کے بعد حکومت افغانستان نے پاکستان کے ساتھ اپنے تعلقات مین سدھار پیدا کر لیا۔ ادھر داؤد اور ظاہر شاہ کے تعلقات میں بھی بگاڑ پیدا ہو گیا تھا۔ لہٰذا ۱۹۶۳ء میں اس نے وزارت عظمیٰ سے استعفیٰ دے دیا۔ ظاہر شاہ نے حکومت کے اداروں کو قانون ساز انتظامیہ اور عدلیہ میں تقسیم کر دیا۔
نئے دستور میں کہا گیا کہ حکمران محمد زئی خاندان کا کوئی فرد ملک کی سیاست میں حصہ نہیں لے سکتا۔ یہی وجہ تھی کہ داؤد اور نعیم پارلیمنٹ میں داخل نہ ہو سکے۔ اس طرح ملک میں پہلی بار ایک ایسے شخص کو وزیر اعظم بنایا گیا جو شاہی خاندان کا نہ تھا۔
محمد یوسف کو وزیر اعظم بنا کر نئی کابینہ تشکیل دی گئی۔ ۱۹۶۴ء میں ملک کا نیا آئین بنایا گیا جس میں سیکولر قوانین کو شرعی قوانین پر ترجیح دی گئی۔
ادھر افغانستان میں سوویت یونین کا عمل دخل بڑھنے لگا تو سوویت یونین نے فوجی امداد بھی دی اور نئے فوجی ہوائی اڈے بھی بنوائے۔
۱۹۶۰ء کی دہائی کے آخری برسوں میں نوجوانوں میں حکومت کے خلاف جذبات بھڑکنے لگے۔ تعلیم کی بہتر سہولتوں کی وجہ سے ملک بھر سے طلباء آ کر کابل یونیورسٹی میں داخل ہونے لگے۔ انقلابی

تحریکیں تیز ہوتی گئیں۔طلباء پیپلز ڈیموکریٹک پارٹی آف افغانستان کی اصلاحات کے حامی بن کر کھڑے ہوگئے۔اس پارٹی کا قیام جنوری ۱۹۶۵ء کو عمل میں آیا تھا۔اس کے جنرل سکریٹری نور محمد ترہ کئی دیگراہم لوگوں میں ببرک کارمل اور سلطان علی کشتمند شامل تھے۔

لیکن کچھ طلبا اسلامی قدروں کی بحالی کے حامی تھے اور شرعی قوانین کا نفاذ چاہتے تھے۔

۱۹۶۹ء سے ۱۹۷۲ء تک افغانستان قحط کا شکار ہوگیا۔۱۹۷۳ء میں ۱۷ جنوری کو جب ظاہر شاہ بیرونی ممالک کے دورہ پر تھے تو ان کے چچازادہ اور سابق وزیر اعظم سردار داؤد خان نے ترہ کئی کی پارٹی کی مدد سے فوجی انقلاب برپا کر کے ملک کو جمہوریہ قرار دے کر خود صدر بن گئے۔

داؤد نے مزید اصلاحات کا بازار گرم کیا اور اسلام پسند جماعتوں پر سختیاں شروع کر دیں جس کی وجہ سے ان کے قائد اور اراکین بھاگ کر پاکستان چلے گئے۔اس نے روس پر انحصار کم کر کے مغربی ممالک سے دوستانہ تعلقات قائم کرنا شروع کر دیئے۔ایران سے بھی دوستانہ تعلقات میں اضافہ کیا۔ لیکن حالات جوں کے توں رہے۔

۱۹۷۸ء میں ایک فوجی بغاوت کے بعد داؤد کا تختہ پلٹ دیا گیا۔داؤد اور اس کے بھائی کو گولی مار کر قتل کر دیا گیا۔اس بغاوت کے پیچھے سوویت یونین کا ہاتھ تھا۔ملک کا انتظام انقلابی کونسل نے اپنے ہاتھ میں لیلیا۔دو دن بعد فوجی کونسل اور انقلابی کونسل کو ملا دیا گیا۔

۳۰/اپریل ۱۹۷۸ء کو نور محمد ترہ کئی کو انقلابی کونسل کا صدر اور افغانستان کی حکومت کا وزیر اعظم بنا دیا گیا۔ببرک کارمل کو نائب صدر اور نائب وزیر اعظم بنایا گیا۔حفیظ اللہ امین کو ڈپٹی وزیر اعظم بنا کر تینوں کو جلد ہی موت کے منہ میں جھونکنے کا انتظام مکمل کر دیا گیا۔

دو کمیونسٹ جماعتوں خلق اور پرچم نے داؤد کا تختہ پلٹا تھا۔

جی ڈی پی اے کے دونوں حصے، یعنی پرچم اور خلق کے نام سے کام کر رہے تھے۔خلق کی قیادت نور محمد ترہ کئی، محمد زیاری شاہ ولی حفیظ اللہ امین، عبدالکریم میثاق، اسماعیل دانش اور محمود کر رہے تھے۔پرچم کی قیادت میں ببرک کارمل، ڈاکٹر اناہیتہ راطب زاد، نور محمد نور، میر اکبر خیبر، سلیمان لئیق، برق شفیع، دستگیر پنج شیری، شہزاد اللہ شاپور اور سلطان علی کشتمند کے ہاتھوں میں تھی۔

نئی کابینہ میں خلق پارٹی کے گیارہ اور پرچم کے سات اراکین تھے۔تین کا تعلق کسی پارٹی سے نہیں تھا۔داؤد کے خلاف برپا ہونے والے انقلاب کو انقلاب ثور کا نام دیا گیا۔

اس بیچ سوویت یونین نے افغانستان کی امداد میں اضافہ کر دیا۔دسمبر ۱۹۷۸ء میں دونوں ملکوں کے

درمیان معاہدہ دوستی پر دستخط ہو گئے۔ اس زمانہ میں سوویت یونین کا معاہدہ دوستی دراصل پھانسی کا پھندا ہوتا تھا۔

خلق و پرچم، یعنی جی ڈی پی اے نے اپنا اصلاحی ایجنڈا نافذ کرنا شروع کیا۔ سیکولر نظام حکومت ایک مسلم ملک میں زمین کی ملکیت کی حد بندی، مہر کی رقم پر پابندی، شادی کی عمر کا تعین اور تعلیم کا فروغ۔

ترہ کئی اور امین نے تبدیلیاں لانے کے لیے عجلت پسندی سے کام لیا۔ یہ سوچے بغیر کہ ان تبدیلیوں کا ردعمل کیا ہوگا۔ اصلاحات نافذ کرنے کے معاملہ میں افغانی روایات قبائلی مزاج اور اسلامی پس منظر کو بالکل نظرانداز کر دیا گیا۔ مارکسی نظریہ مسلم قبائلی معاشرہ میں اپنی جگہ نہ بنا سکا۔ نتیجہ میں بغاوت شروع ہو گئی۔ سرکاری فوجیں اس بغاوت کو کچلنے کے لیے میدان میں آ گئیں تو ہر طرف آگ کے شعلے بھڑ کنے لگے۔

اسی درمیان خلق اور پرچم پارٹی میں اختلافات اپنے عروج کو پہنچ گئے۔ امین کی طاقت بہت بڑھ گئی۔ جوں جوں مسلح بغاوت میں اضافہ ہوتا گیا سوویت یونین کی مداخلت بڑھتی چلی گئی۔ انقلابی کونسل کے اجلاس میں ترہ کئی کو سارے عہدوں سے معزول کر دیا گیا۔ ان عہدوں پر حفیظ اللہ امین کا قبضہ ہو گیا۔ آخر کار بیماری اور انتقال کی خبر کے بعد معلوم ہوا ترہ کئی کو قتل کر دیا گیا۔

ادھر سوویت یونین نے اپنے مشیروں اور اسلحہ میں بے پناہ اضافہ کر دیا۔ امین نے ظلم کی انتہا کر دی اور سینکڑوں لوگوں کو قتل کروا دیا۔ لیکن افغانستان کا صدر بن کر اس نے سوویت یونین سے دوری بڑھانا چاہی۔ سوویت یونین افغانستان کے اندرونی حالات سے پریشان تھا کہ ایران میں اسلامی انقلاب نے اس کی راتوں کی نیند اڑا دی اور خطرہ منڈلانے لگا کہ افغانستان کے اسلام پسندوں کا حوصلہ کہیں اور نہ بڑھ جائے۔

روس امین کے رویہ کا بھی شاکی تھا۔ ادھر مارکسی حکومت کے خلاف افغان مجاہدین کے حملوں میں تیزی آتی جا رہی تھی۔ پورے ملک میں امین کے طریقہ کار اور مارکسی نظریات کے خلاف لوگ منظم ہوتے جا رہے تھے اور مقابلہ کر رہے تھے۔ آخر پرچم پارٹی والوں نے امین کے محل پر حملہ کر دیا۔ شدید اور ہولناک جنگ غیروں کی گلہاڑی کا ایک اور بینٹ نکل گیا یعنی امین مارا گیا۔

بہر حال سوویت یونین کے لیے دسمبر ۱۹۷۰ء کا دن وہ بدنصیب لمحہ تھا جب اس نے اپنی موت کے فرمان پر خود مہر لگا دی اور افغانستان میں اپنی فوجیں اتار دیں۔ اس کے بعد روس نے ببرک کارمل کو مرنے کے لیے صدر بنا دیا ۲۸ ردسمبر ۱۹۷۰ء کو۔

دسمبر میں بیس ہزار روسی فوجی افغانستان میں داخل ہوئے۔ افغان مجاہدین کی مزاحمت بڑھتی گئی۔

یہاں تک روسی فوجیوں کی تعداد ایک لاکھ پانچ ہزار تک جا پہنچی۔ روس کو یہ بھی خطرہ تھا کہ وہ جنوب کی طرف سے گھر نہ جائے اور کہیں امریکہ اپنی فوجیں نہ اتار دے۔ ادھر چین اور امریکہ کے درمیان مفاہمت سے بھی وہ خوف زدہ تھا۔

امریکہ اس وقت خود تو نہیں آیا اور اس معاملہ کو بعد کے لیے اٹھا رکھا۔ ہاں افغانستان کے مجاہدین کو پاکستان کے ذریعہ اسلحہ اور مالی امداد فراہم کرنا شروع کر دی۔

اس مزاحمت کو جہاد کا نام دیا گیا اور اس مقدس جنگ میں حصہ لینے والے مجاہدین کہلائے۔ امریکہ اس وقت تک اس تحریک کو جہاد اور مجاہدین کہنے میں بڑا پر جوش تھا۔

داؤد کے زمانہ میں جو لوگ پاکستان آ گئے تھے ان قائدین نے پاکستان کی مدد سے مجاہدین کی قیادت کی ذمہ داری لی۔ ان کو پشاور میں اپنے دفتر کھولنے کی بھی اجازت مل گئی۔

امریکہ نے ۱۹۷۱ء سے مجاہدین کی مدد شروع کر دی۔ شروع میں فوجی مدد در پردہ کرتا رہا لیکن ۱۹۸۶ء سے کھل کر میدان میں آ گیا اور بے اندازہ اسلحہ فوجی ساز و سامان اور پیسہ بھیجنا شروع کر دیا۔ یہ سب کچھ پاکستان کے وسیلہ سے ملتا تھا۔

۱۹۸۵ء میں افغانستان کا نیا آئین بنا۔ پرچم پارٹی کے حامی نجیب اللہ نے جی ڈی پی اے کے جنرل سکریٹری کا عہدہ سنبھالا اور ببرک کارمل کے اختیار غصب کرنا شروع کر دیئے۔ ۱۹۸۷ء میں دوبارہ نیا آئین بنایا گیا جس میں نجیب نے اپنے اختیارات میں اضافہ کر لیا اور جمہوریہ افغانستان کے نام کا ملک بنا دیا گیا۔ سوویت فوجوں اور مجاہدین میں جنگ چلتی رہی۔

امریکی صدر رونالڈ ریگن نے مجاہدین کی فوجی امداد میں اضافہ کر دیا اور مجاہدین کو پاکستان کی راہ سے اسٹینگر میزائل مل گئے جس نے جنگ کے نقشہ کو بدل دیا۔

آخر کار اپریل ۱۹۸۸ء میں جنیوا معاہدہ ہوا جس میں مجاہدین کو نہیں شریک کیا گیا۔

اس معاہدہ کے تحت طے ہوا کہ ۱۵ر فروری ۱۹۸۸ء تک سوویت یونین کی فوجیں افغانستان کو خالی کر دیں گی۔

امریکہ اور پاکستان کے وسیلہ سے سات جماعتوں کے ایک وفاق نے عبوری حکومت بنانے کا کام انجام دیا جس کا دارالحکومت جلال آباد قرار پایا۔ ادھر نجیب اللہ کی حکومت بھی چلتی رہی۔ آخر کار اپریل ۱۹۹۲ء میں نجیب اللہ کا خاتمہ کر کے مجاہدین نے کابل پر قبضہ کر لیا۔ ملک کو اسلامی ریاست بنایا گیا۔ اس اسلامی ریاست کا پہلا صدر برہان الدین ربانی کو ۳۰ر دسمبر ۱۹۹۲ء کو مقرر کیا گیا۔

سوویت فوجوں کی واپسی کے بعد دس برس تک روس سے جنگ کرنے والے کوئی ایک رہنما نہ پیدا کر سکے اور ایک دوسرے کے لیے قابل قبول نہ بن سکے۔ جنوب میں حزب اسلامی کے حکمت یار، شمال میں جمعیت اسلامی کے کمانڈر احمد شاہ مسعود کابل کی طرف رواں دواں تھے۔ جنبش ملی کے عبدالرشید دوستم اپنے دو ہزار ازبک ساتھیوں کے ساتھ کابل کا رخ کیے ہوئے تھے اور یہ سب جنہوں نے متحد ہو کر روس کے خلاف جنگ کی تھی ایک دوسرے کے خلاف حالت جنگ میں کھڑے تھے۔

مشترکہ دشمن کے جانے کے بعد پرانی عداوتیں ابھر آئیں اور مجاہدین خود ایک دوسرے کا خون بہانے پر آمادہ ہو گئے۔ بھائی بھائی کا پھر سے دشمن ہو گیا۔ ایک دوسرے کے خلاف اسلحہ کا استعمال شروع ہو گیا۔ جہاد خانہ جنگی کی نذر ہو گیا اور مسلمانوں نے مسلمانوں کا خون بہانا شروع کر دیا۔ حکمت یار کے خلاف برہان الدین ربانی کی توپوں کے دہانے کھل گئے۔ بے شمار لوگ اس باہمی جنگ میں مارے گئے۔ یونس خالص دل برداشتہ ہو کر یہ کہہ کر شوریٰ سے الگ ہو گئے کہ کابل میں جو کچھ ہو رہا ہے وہ غیر اسلامی ہے۔

مجاہدین کے الگ الگ دھڑوں کے ڈھائی سالہ جنگ میں اربوں ڈالر کی املاک برباد ہو گئی اور تقریباً پچاس ہزار افغان ایک دوسرے کے ہاتھوں مارے گئے۔

آخر ۲۸ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو عبوری حکومت کی رہنمائی دوبارہ ربانی کے سپرد کی گئی۔ مارچ ۱۹۹۳ء میں حکمت یار، ربانی اور دوسرے دھڑوں کے درمیان ایک امن کا معاہدہ ہوا مگر اگلے ہی سال یہ معاہدہ ٹوٹ گیا اور دوبارہ باہمی جنگ شروع ہو گئی۔

اگرچہ کابل پر مجاہدین قابض ہو چکے تھے مگر حکمت یار جو اقتدار میں اپنی موثر حصہ داری چاہتے تھے، خانہ جنگی پر آمادہ ہو گئے۔ عبوری صدر مجددی نے اس صورت حال پر قابو پانے کی کوشش کی مگر حزب وحدت اور اتحاد اسلامی کی فوجیں ایک دوسرے کے سامنے آ گئیں۔

اس صورت حال سے نبرد آزما ہونے کے لیے حکمت یار کو وزیر اعظم بنایا گیا۔ لیکن اس کے بعد بھی کامیابی نہ مل سکی۔

وہ وزیر اعظم تھے لیکن صدر ربانی پر ناکام قاتلانہ حملہ کے بعد وہ کابل میں داخل ہونے کی ہمت نہ کر سکے۔

اگست ۱۹۹۲ء میں کابل پر راکٹوں کا حملہ خود ہی کرنے لگے جس میں ایک ہزار آٹھ سو لوگ مارے گئے۔

دسمبر ۱۹۹۲ء میں ربانی دوبارہ صدر بنے تو دوستم نظر انداز کر دیئے گئے۔ لہٰذا دوستم اور حکمت یار نے ربانی کے خلاف یکم جنوری کو کابل پر راکٹوں کی بارش کر دی اور یہ سلسلہ پورے ایک سال تک چلتا رہا۔
۱۹۹۲ء تک افغان عوام باہمی خانہ جنگی سے عاجز آ گئے تو مجاہدین کے اثرات گھٹنے لگے۔ ان میں زیادہ تر جرائم کا شکار ہو گئے۔ بعض گروہ ایسے پیدا ہو گئے جو تاجروں سے وصولی کرنے لگے۔ اپنے اپنے علاقہ سے گزرنے والی گاڑیوں سے بھی پیسہ لینے لگے۔ بہت سے ان میں لوٹ مار، بدعنوانیوں اور منشیات کے کاروبار میں لگ گئے۔ قندھار کے اردگرد جرائم کا زیادہ زور تھا۔ یہاں تو یہ عالم ہو گیا تھا کہ سورج ڈوبتے ہی لوگ اپنی دوکانوں کا مال گھر اٹھا لے جاتے تھے۔
یہ وہ حالات تھے جن میں طالبان تحریک کا آغاز ہوا جس کی قیادت ملا عمر نے کی جو غلزئی قبیلہ کے پختون ہیں اور طالبان کے سب سے بڑے قائد ہیں۔ انہیں عوام نے ''امیر المومنین'' کے خطاب سے نوازا ہے۔
سوویت یونین کے خلاف چلنے والے جہاد میں وہ یونس خالص کی حزب اسلامی کے ساتھ تھے۔
سوویت فوجوں سے مقابلہ کے دوران ان کی ایک آنکھ جاتی رہی۔ وہ اعلیٰ درجہ کے فوجی کمانڈر ہیں۔
طالبان کی قیادت دینی مدرسوں کے طلباء پر مشتمل تھی۔ ان میں اکثریت پختونوں کی ہے۔
یہ تحریک ۱۹۹۴ء کے آخر میں طالبان کے ایک چھوٹے گروہ کی شکل میں ابھری۔ اس کو تحریک اسلامی طالبان افغانستان کے نام سے پکارا گیا۔

اس کے اصل مقاصد یہ تھے ــــ
تمام مسلح دستوں کو غیر مسلح کرنا۔
افغانستان میں اسلامی قوانین نافذ کرنا۔
جو دستے غیر مسلح ہونے کی درخواست نہ قبول کریں ان سے بزور طاقت ہتھیار رکھوانا۔
آزاد کئے گئے علاقوں میں نظم و ضبط قائم رکھنا۔

طالبان کی زیادہ تر قیادت نورزئی، بارک زئی، محمد زئی، پوپل زئی اور ہوتک و غلزئی قبائل پر مشتمل ہے۔
یونس خالص کی جماعت کے نمایاں لوگوں میں طالبان رہنماؤں کے نام یہ ہیں ــ ملا محمد ربانی، ملا محمد شاہد، ملا حسن، ملا برہان اور حاجی امیر آغا۔
عبدالرب رسول سیاف کے اتحاد اسلامی میں شیخ نورالدین ترابی استاد سیاف، ملا عباس، ملا محمد

صادق اور ملا عبدالسلام راکٹی۔

چونکہ لوگ باہمی خانہ جنگی سے تنگ آ چکے تھے اس لیے طالبان تحریک کے گرد لوگ جمع ہو گئے۔ انہوں نے قندھار پر قبضہ کرلیا اور فروری ۱۹۹۵ء تک وہ آدھے افغانستان پر قابض ہو گئے۔

طالبان نے کابل کے جنوب میں چہار اسیاب شہر کو حکمت یار سے خالی کرالیا۔ اگرچہ کابل پر قبضہ کرنے کی جدوجہد میں انہیں چہار اسیاب سے ہٹنا پڑا لیکن بعد کو انہوں نے پھر اسے واپس لے لیا۔ ۲۰۰۶ء میں کابل پران کا قبضہ ہو گیا۔ ہرات پر پہلے ۱۹۹۵ء میں قابض ہو چکے تھے۔

کابل میں طالبان کے داخل ہونے کے بعد یہ خبر آئی کہ سابق صدر نجیب اور اس کے بھائی کو اقوام متحدہ کے دفتر سے نکال کر پھانسی دے دی گئی اور تین دن تک اس کی لاش لٹکتی رہی۔

طالبان نے اپنی تحریک کو جہاد کے نام سے تعبیر کیا۔ خوست کے گورنر ملا سید عبداللہ کے بیان کے مطابق گناہوں، بدعنوانیوں اور ظلم و جبر کے خلاف جنگ کا نام ''جہاد'' ہے۔

قندھار میں ملا عمر کی رہنمائی میں مرکزی شوریٰ کا قیام عمل میں آیا جو دس طالبان پر مشتمل تھی، جن میں ملا عمر سمیت پانچ پختون، تین ازبک اور دو تاجک کے نمائندے تھے۔

ان علاقوں پر قبضہ کے بعد طالبان نے بقیہ افغانستان پر قبضہ کی کوشش کی لیکن شمالی اتحاد کے احمد شاہ مسعود اور عبدالرشید دوستم نے طالبان کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔

طالبان نے ملک کے اسی فیصد حصہ پر قبضہ کرلیا۔ انہیں ملک کی اقتصادی حالت بہتر بنانے کا موقع نہ ملا۔ جنگ سے بدحال اور مجاہدین کی خانہ جنگی سے نڈھال افغانستان میں انہوں نے اپنے مقبوضہ علاقوں میں امن و امان کی صورت حال بہتر بنانے کے شرعی قوانین کے نفاذ میں جلدی اور عجلت پسندی سے ضرور کام لیا جو ہنگامی حالات میں لازمی تھا جس کے نتیجہ میں اندرونی اور بیرونی طور پر اسلام دشمن طاقتوں نے انہیں بدنام کرنا شروع کردیا۔

مغربی ذرائع نے ان کے ان اقدامات کے خلاف پرچار شروع کیا اور اپنی تہذیب کے لیے طالبان کو خطرہ قرار دے دیا۔

طالبان کے مہمان اسامہ بن لادن کو عالمی امن کے لیے خطرہ بتا کر ان کی گرفتاری کا مطالبہ شروع کردیا گیا۔

امریکہ نے اسامہ کی آڑ میں افغانستان پر قبضہ کی منصوبہ بند سازش کردی اور طالبان سے مطالبہ کیا کہ اسامہ کو اس کے حوالہ کردیا جائے۔ لیکن طالبان نے اس مطالبہ کو رد کردیا۔

پہلے تو امریکہ نے اسامہ پر الزام لگایا کہ تنزانیہ اور کینیا کے امریکی سفارت خانوں پر انہوں نے حملہ کرایا۔ اس کے بعد ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء (۹/۱۱) میں پنٹا گان اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ کا ذمہ دار بغیر کسی ثبوت کے اسامہ کو قرار دے دیا۔

القاعدہ تنظیم کو اس کی تباہی کا ذمہ دار بتا کر اسامہ کی تحویل کا مطالبہ امریکہ نے تیز کر دیا ورنہ افغانستان کو پتھر کے زمانہ میں لوٹا دینے کی دھمکی دی۔

طالبان نے ان الزامات کی نفی کرتے ہوئے امریکہ سے ثبوت فراہم کرنے کو کہا۔ ثبوت فراہم کرنے کے بجائے ۷ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو امریکہ نے افغانستان پر پوری شدت سے فضائی حملے شروع کر دیئے۔ ہر قسم کی تباہی پھیلانے والے بم، زمینی حملہ کے لیے شمالی اتحاد کو کثیر رقوم اور اسلحہ دے کر طالبان کے خلاف بڑھایا گیا۔

طالبان نے اپنے زیر قبضہ علاقوں میں مخالفوں کے خلاف کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی اور پوست یعنی افیون کی کاشت بند کر دی۔

کابل پر امریکی مدد سے شمالی اتحاد کے قبضہ کے بعد اس نے چار رکنی کابینہ تشکیل دی۔ افغانستان میں عبوری حکومت کا کام حامد کرزئی کے سپرد کیا گیا۔

افغان عوام ہر نئی ہوا کو نسیم بہار سمجھ کر آگے بڑھے۔ مگر انہیں قتل و غارت گری کے سوا کچھ نہ ملا۔ وہ اپنے وطن میں امن و امان کی زندگی گزارنے کے عادی تھے مگر غلامی ان کو راس نہیں آتی۔ ان کو روزی روٹی ملے مگر گو بھری نہیں۔ ان کے بچوں کا مستقبل روشن ہو، اپنا حاکم چننے کا ان کو آزادانہ حق ملے، مگر ان کا یہ نعرہ ہمیشہ رہا:

دربار میں شاہوں کے بھی سر خم نہیں کرتے
دنیا یہی کرتی ہے مگر ہم نہیں کرتے

جنرل نجیب اور ائیر مارشل اصغر خان

افغانستان کے جنرل نجیب نے پاکستان کے ائیر مارشل اصغر خان سے ایک بات کہی جو انہوں نے ایک پاکستانی صحافی کو بتائی۔

اس نے کہا کہ وہ جنرل ضیاء الحق سے جا کر کہہ دیں کہ میری حکومت شاید افغانستان سے ختم ہو جائے اور میں بھی نہ رہوں لیکن ایک بات پاکستان کے جنرل کو ذہن میں ہمیشہ رکھنا چاہئے کہ یہ

افغانستان ہے کوئی عام ملک نہیں ہے اگر پاکستان نے مداخلت جاری رکھی تو پھر اس کے گلے میں پچیس سال تک افغانستان لٹکا رہے گا۔اور پاکستان اس سے جان نہ چھڑا سکے گا۔بہتر ہوگا کہ وہ افغانستان سے نکل جائے ورنہ اس کے لئے بے شمار مشکلات پیدا ہو جائیں گی لیکن نہ جنرل ضیاء الحق نے اور نہ بعد والوں نے اس نصیحت پر کان دھرے۔افغانستان میں امریکی اشارہ پر دخل اندازی کرتے ہوئے الجھتے چلے گئے۔

ہنری کسنجر کی نصیحت

امریکہ کے وزیر خارجہ ہنری کسنجر نے اپنے مضمون میں لکھا— امریکہ افغانستان میں حکومت بنانے کی کوشش نہ کرے۔اگر اس نے ایسا کیا تو اس کو فوج رکھنا پڑے گی اور وہاں بیٹھنا پڑے گا اور اگر اس نے یہ غلطی کی تو وہ سوویت یونین کی طرح پھنس جائے گا اور اس کا انجام بھی اس سے مختلف نہ ہوگا۔افغانستان کی تاریخ ایسی حکومت کے ساتھ نہیں رہی ہے۔

افغانستان کی طاقتور شناخت

دنیا میں سب کچھ کسی طاقتور کے اختیار میں نہیں ہوتا کہ جو اس کی خواہش ہو سب کچھ ویسا ہی دنیا کا نقشہ ترتیب پائے۔افغانستان کی سب سے طاقتور شناخت اسلام ہے۔افغانستان کا رعب و دبدبہ بھی اسلام ہی کے سایہ میں ہے۔اسلام ہی کی قوت نے اسے بام عروج پر پہنچایا ہے اور اسی جذبہ نے برطانوی سامراج کو اس مقدس سرزمین پر شکست دی۔اس کی ہزاروں کی تعداد میں فوج ماری گئی اور برطانیہ ان کی لاشیں تک اٹھا نہ سکا۔پھر ۱۹۸۰ء میں سوویت یونین آیا۔۱۹۸۹ء میں ذلت آمیز شکست کا سامنا ہوا اور افغانستان سے راہ فرار اختیار کی اور دنیا کے نقشہ سے سرخ سامراج حرف غلط کی طرح مٹ گیا۔

کمیونسٹ کامریڈ لینن کے مجسمہ کو کریملن کے گلی کوچوں میں گھسیٹتے رہے۔اس کو لاتیں مارتے رہے اور اس پر تھوکتے رہے۔

لوئی جرگہ ہے کیا؟

طالبان حکومت کے خاتمہ کے بعد ''بون'' معاہدہ کے تحت حامد کرزئی کو عبوری حکومت کا سربراہ بنایا گیا۔حامد کرزئی کی عبوری حکومت چھ ماہ کے لئے تھی۔

افغانستان میں کوئی حکومت مستحکم نہیں ہو سکتی جب تک اسے لوئی جرگہ کی حمایت حاصل نہ ہو جائے۔

جنرل نجیب نے اپنی حکومت کو قانونی حیثیت دینے کے لئے اپنا لوئی جرگہ بلایا تھا۔ مگر اس کو وہ حیثیت حاصل نہ ہو سکی اس لئے کہ افغان عوام کیمونسٹ پٹھو حکومت کے خلاف جدوجہد میں لگے تھے۔ نجیب کو افغان عوام کی حمایت نہ مل سکی اور اسے اقتدار سے ہٹنا پڑا۔ افغانستان پر طالبان کے قبضہ کے بعد نجیب اور اس کے بھائی کو گولیوں سے بھون دیا گیا اور نجیب کی لاش کئی دنوں تک کابل کے چوک پر لٹکتی رہی۔

طالبان نے صرف علماء کا جرگہ بلایا۔ اب امریکہ نے جو جرگہ بلایا ہے اس کی حیثیت ویسی ہی ہے جیسے ۱۸۴۲ء میں برطانوی سامراج نے شاہ شجاع کی بادشاہت کے لئے بلایا تھا جس نے شجاع کو بادشاہ تو تسلیم کر لیا تھا۔

امریکہ جو لوئی جرگہ بلا رہا ہے وہ افغان روایت سے ہٹ کر ہے۔ اس میں ستر (۷۰) کے قریب خواتین ہوں گی۔

افغان جرگہ تشکیل دیتے وقت آبادی کے تناسب کا ہمیشہ خیال رکھا گیا۔ حکومت کے پاس افغانستان کی مردم شماری کا ریکارڈ رہتا تھا۔ جرگہ میں اس کو ملحوظ رکھتے ہوئے جرگہ میں شریک ہونے والوں کی تعداد طے کی جاتی تھی۔

جرگہ افغان روایات کا حصہ ہے۔ اس روایت کا ہمیشہ احترام کیا گیا۔ کیمونسٹوں نے بھی جرگہ کی روایت کو قائم رکھا۔

ظاہر شاہ کے زمانہ میں ۱۹۶۴ء میں جرگہ کو قانونی حیثیت حاصل ہو گئی۔ اب یہ روایت افغانستان کے دستور کا حصہ بن گئی۔

امریکہ نے ۱۹۶۴ء کے جرگہ کو بنیاد تو بنایا لیکن بادشاہت کی شق ہٹا دی۔ امریکہ کو ایسا کرنے کا اختیار نہ تھا۔ نہ دستور افغانستان میں تبدیلی کرنے کا اس کو کوئی اختیار تھا۔ ۱۸۴۲ء کے برطانوی سامراجی دور کے بعد امریکی سامراج ۲۰۰۲ء میں جرگہ بلا رہا ہے۔

اس لوئی جرگہ کی حیثیت افغان روایت کے مطابق تو تھی۔ یہ امریکہ کی مرضی والا جرگہ افغانستان پر لادنے کی کوشش تھی تاکہ اپنی مرضی کا حکمراں بنا دیا جائے۔

امریکہ لوئی جرگہ کی صدارت جون ۲۰۰۲ء میں ظاہر شاہ سے کرانا چاہتا تھا۔

کرزئی حکومت کے پاس صحیح مردم شماری نہیں تھی۔ پروفیسر ربانی نے ایک جعلی مردم شماری کرائی تھی جس میں تاجکوں کو زیادہ دکھایا گیا تھا اور اسی مردم شماری کے مطابق لوئی جرگہ تشکیل دیا جارہا تھا۔ یہ مردم شماری ۱۹۹۸ء میں احمد شاہ مسعود کی نگرانی میں ہوئی۔ ایسے وقت میں جب لاکھوں افغان ملک کے باہر تھے، مردم شماری کا کام نامناسب تھا۔

امریکہ نے اپنے اتحادی شمالی اتحاد کو خوش رکھنے کے لئے اس کو درست قرار دے دیا۔

ظاہر شاہ کے زمانہ میں افغانستان میں مردم شماری ہوئی تھی۔ اس کے مطابق افغانستان میں مختلف قومیتوں کے اعداد و شمار یوں تھے، پشتون ۶۰ فیصد، تاجک ۲۹ فیصد، ازبک ۵.۳ فیصد، ہزارہ ۲.۷ فیصد، باقی دیگر قومیتیں ۵.۴ فیصد تھیں۔

ظاہر شاہ کے دور میں لوئی جرگہ کی تعداد ۱۲۱۶ افراد پر مشتمل تھی۔ لیکن اب ۱۵۰۱ ہوگئی۔

پشتون جو اکثریت میں ہیں ان کو نظر انداز کر کے امریکہ شمال کے لوگوں کو اہم جگہوں پر بٹھا رہا ہے جب کہ تاجک اور ازبک کشمکش بھی موجود ہے۔

برطانیہ سے امریکہ تک

بعض اوقات تاریخ اس طرح سامنے آتی ہے کہ انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ ہم اس کی روشنی میں آنے والے حالات اور وقت کا تجزیہ کرتے ہیں۔ کبھی یہ تجزیہ بالکل ٹھیک ہوتا ہے اور کبھی ایسے حالات پیدا ہو جاتے ہیں کہ یہ تجزیہ کچھ مختلف ہوتا ہے لیکن ایسا کبھی نہیں ہوتا کہ بنیادی حقائق تبدیل ہو گئے ہوں۔

افغانستان میں امریکی دست درازی سے شمالی اتحاد نے کچھ اسی طرح کی صورت حال پیدا کر دی۔ امریکہ جنونی حالت میں شمالی اتحاد کو ساتھ لے کر افغانوں پر یا طالبان پر ٹوٹ پڑا ہے۔

شمالی اتحاد والوں کو کیا پتہ نہیں کہ شاہ شجاع برطانوی سامراج اور اس کی فوج کے سایہ میں بحفاظت فیروز پور سے نومبر کے آخر میں مختلف علاقوں سے گزر کر ۲۴ راپریل کو قندھار پہنچا تھا۔ اس کے بعد برطانوی جنرلوں کے سایہ میں ۷ اگست ۱۸۳۹ء کو کابل میں داخل ہوگیا۔ امیر کابل دوست محمد بھاگ رہا تھا۔ شجاع کے ساتھ برطانوی سفیر جس کا نام برنس تھا موجود تھا۔

یہ تیس سال بعد جلاوطنی کی زندگی گزار کر برطانوی فوج اور جھنڈے کے سائے میں آرہا تھا۔

برطانوی جنرل سر میکمن اپنی کتاب میں اس کی آمد کو یوں بیان کرتا ہے — شاہ شجاع توپوں کی

گھن گرج اور گولیوں کی سنسناہٹ میں داخل ہو رہا تھا۔ وہ اپنی داڑھی کی وجہ سے سب میں نمایاں تھا۔ لوگوں کا ہجوم تھا مگر کوئی نعرے نہ تھے۔ کابل والوں نے مایوسی کے ساتھ استقبال کیا۔

اہل افغانستان کا ردعمل ان کی عین فطرت کے مطابق تھا۔ وہ پہلی بار فرنگی سامراج کو اپنی زمین کو روندتے دیکھ رہے تھے۔ مگر خاموش تھے۔ دلوں میں نفرت کا جوالا موجود تھا۔

دو سال بعد افغانستان کے جیالوں نے شاہ شجاع کو قتل کر دیا۔

۱۸۴۰ء میں افغان دلاور اٹھ کھڑے ہوئے۔ ایسا خونی اور ہولناک معرکہ جسے برطانوی قوم آج تک بھلا نہ سکی۔ جنرل میکمن نے اپنی کتاب میں لکھا — ۴ جنوری کے بعد فوج اپنی آسائشی چھاؤنی سے نکلی تو چاروں طرف برف پڑی تھی۔ اس کے لشکر میں پینتالیس ہزار فوجی تھے۔ اس لشکر کو راستہ میں افغانوں نے گھیر کر مارنا شروع کیا اور پوری فوج کو تباہ کر دیا۔

وہ آگے بیان کرتا ہے — اس سچائی سے منہ چھپانا بے معنی ہوگا کہ برطانیہ کی ۴۵ ہزار بہترین فوج غیور قبائلیوں کے ہاتھوں تباہ ہوگئی۔ ڈاکٹر برائی ڈون اپنے گھوڑے پر جلال آباد جا رہے تھے جب کہ باقی لوگ مارے جا چکے تھے۔ ۱۸۴۲ء میں غزنی میں برطانوی فوج نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ان سب کو بھی قتل کر دیا گیا۔ ۱۹۱۹ء میں امان اللہ خان نے آخری برطانوی سپاہی کو بھی افغانستان سے نکال دیا اور اسی سال بعد افغانستان آزاد ملک کی حیثیت سے ابھر آیا۔ مگر ۱۹۰۱ء میں سوویت یونین آ گیا۔ وہ گیا تو ۲۰۰۱ء میں امریکہ آ گیا۔

پنٹاگن نے پچاس ہزار فوج اتارنے کا اعلان کیا ہے مگر روس تو ایک لاکھ فوج لایا تھا مگر حشر معلوم۔

دوست محمد ہاتھوں میں قرآن لے کر افغانوں کو پکارتا رہا آزادی کے لئے، امن کے لئے، خدا اور رسول کے نام پر دشمن کے دانت کھٹے کر دو، اجنبی کتوں (انگریزوں) کے مقابلہ میں اس کے ہاتھ مضبوط کرو۔ لیکن اس وقت افغانوں نے اس کی پکار نہ سنی مگر بعد کو اٹھ کھڑے ہوئے۔

کوہِ نور ہیرا کہاں سے کہاں تک

شاہ جاع جب افغانستان سے بھاگا تو رنجیت سنگھ اور انگریزوں سے اس کی قربت ہوگئی۔ رنجیت سنگھ اور جلا وطن شاہ شجاع میں دوستی کی وجہ کوہِ نور ہیرا تھی۔ یہ ہیرا شجاع کے پاس تھا جس کو رنجیت سنگھ

حاصل کرنا چاہتا تھا۔کوہ نور ہیرا نادر شاہ افشار دہلی پر حملہ کے وقت محمد شاہ رنگیلے سے لے گیا تھا۔

جب دہلی کی بربادی کے بعد محمد شاہ اور نادر شاہ کی ملاقات آصف جاہ بانی سلطنت نظام کی کوششوں سے طے ہوئی اور دربار میں دونوں کی ملاقات ہوئی تو محمد شاہ نے بڑی ہوشیاری سے کوہ نور ہیرا اپنے شاہی عمامہ میں چھپالیا تھا۔

جب دونوں کی ملاقات ہوئی تو نادر شاہ نے محمد شاہ سے کہا، آیئے ہم آپ اپنی پگڑیاں بدل لیں۔یقیناً شاہی عمامہ سے ہیرا کی چمک دکھائی دے رہی ہوگی۔اس طرح کوہ نور محمد شاہ کے سر سے اتر کر نادر شاہ کے سر پر چلا گیا اور ہندوستان سے ایران جا پہنچا۔

نادر شاہ کے افغانستان، پھر ہندوستان تک حملہ کے وقت احمد خاں جو بعد کو احمد شاہ ابدالی بنا اور بلوچ سردار نصیر خاں نوری نادر شاہ کے ہمرکاب تھے اور نادر کی فوج میں شامل تھے۔

نادر شاہ کی موت کے بعد احمد شاہ افغانستان کا بادشاہ بنا تو اس نے ایران پر حملہ کیا اور تمام ہیرے جواہرات لوٹ لئے۔اس میں کوہ نور ہیرا بھی تھا جو ہندوستان سے ایران پہنچا تھا اور اب افغانستان ہوتا ہوا شاہ شجاع کے ساتھ پھر ہندوستان آگیا اور رنجیت سنگھ نے بڑی عیاری سے اسے شجاع سے حاصل کرلیا۔

افغانوں نے برطانوی سامراج کے لئے فرنگی کا لفظ استعمال کیا۔یہ لفظ افغانوں کے لئے قابل نفرت بن گیا۔اکبر خاں افغان امیر کابل دوست محمد خاں کا بیٹا۔عوام کو برطانوی فوج کے خلاف مسلسل دعوت پیکار دیتا رہا۔افغان عوام اب اکبر خاں کی پکار پر کان دھر رہے تھے۔۱۸۴۱ء میں جو سکون برطانوی فوج کو دکھائی دے رہا تھا اب وہ رخصت ہوتا جا رہا تھا۔نفرت کی آگ بھڑک رہی تھی۔نومبر ۱۸۴۱ء میں افغانوں نے برطانوی سفیر کے گھر کو گھیر لیا۔اندر گھس گئے اور وہاں موجود تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔خزانہ پر مامور دستہ کو بھی تہہ تیغ کر دیا۔بعد کو برطانوی سفیر کو اکبر خان نے راستہ میں گھیر لیا اور اکبر خان نے سفیر برنس کے گلے میں ہاتھ ڈال کر اپنے خنجر سے یہ کہہ کر اس کا گلا کاٹ دیا کہ از برائے خدا۔ خدا کے نام پر تجھے قربان کرتا ہوں۔

تاریخ افغانستان

— کرنل بی جی میلس

ولیم ایڈورڈ ۱۸۲۱ء میں گورنمنٹ ہند میں فارن اسسٹنٹ سکریٹری تھا۔ وہ امیر دوست محمد خاں کے کابل جانے کے بارہ میں لکھتا ہے—

جب کہ امیر مذکور ۱۸۴۱ء کی جنگ افغانستان کے خاتمہ پر کابل کی حکمرانی پر جارہا تھا۔ ولیم ایڈورڈ کا بیان ہے کہ رخصت کے وقت دوست محمد خاں نے گورنر جنرل کو فارسی زبان میں یہ لکھا: میں جب سے ہندوستان میں آیا ہوں آپ کے علاقوں کو دیکھ رہا ہوں۔ آپ کے قلعہ، آپ کے سلاحخانے، آپ کے جہاز سب ہی قابل تعریف ہیں۔ میں کلکتہ تک ہو آیا ہوں اور تمہارے تمول، تمہارے محلات، تمہاری منڈیاں اور تمہاری ٹکسال نے مجھ کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ لیکن سب سے زیادہ جو تعجب انگیز بات ہے وہ یہ ہے کہ ایسی دانا اور دولت مند قوم جیسی کہ انگریزوں کی قوم ہے، کابل جیسے ملک پر جہاں پتھروں اور چٹانوں کے سوا کچھ نہیں ہے، قبضہ کرنے کی خواہشمند کیوں ہے؟

یہ ملک افغانستان اس کے مشرق سے مغرب تک کوہ ہندوکش اور اس کا مغربی حصہ پھیلا ہوا ہے۔ یہ حصہ کوہ بابا سے شروع ہوتا ہے اور ۸۰ میل لمبا اور ۱۸ ہزار فٹ بلند ہے۔ مغرب کی طرف کچھ دور جا کر اس کی تین متوازی شاخیں ہو جاتی ہیں جن میں سے درمیانی شاخ کوہِ سفید اور جنوبی شاخ کوہ سیاہ کے نام سے مشہور ہے اور تینوں کا مجموعی نام ''پیرو پامس'' ہے۔ اس مقام سے جنوب کی طرف جہاں کہ شمالی شاخ دریائے ہری رود سے مل جاتی ہے، اگر ایک خط سیستان جھیل پر سے ہوتا ہوا جھیل مذکور کے کسی جنوبی نقطہ تک کھینچا جائے تو وہ اس ملک کی مغربی سرحد بن جاتی ہے۔ جنوبی حد سیستان جھیل کے مذکورہ بالا جنوبی نقطہ سے شروع ہو کر وادی بلمند اور وادی لورہ کو طے کرتی ہوئی علاقہ شال سے گزرتی ہوئی ڈیرہ غازی خان کے اس نقطے تک پہنچتی ہے جو ڈیرہ غازی خان کے عین شمال مغرب میں واقع ہے۔ اسی نقطے سے

وزیریوں کے علاقہ تک پھر کوہِ سلیمان تک، پھر وہاں سے ضلع پشاور کے شمال حصہ تک وہاں سے دریائے سندھ کے مغربی ساحل کی طرف پہاڑوں اور کوہ ہندوکش تک اس ملک کی مغربی سرحد ہے۔

ہندوکش اور پیروپامس کا سلسلہ افغانستان خاص کی شمالی سرحد بناتا ہے۔ لیکن اس سلسلہ مذکور کے شمال میں ایک علاقہ ایسا ہے جو امریکہ کا باجگذار ہے۔ یہ علاقہ پیروپامس کی شمال شاخ کے مغرب سے دریائے جیحوں کے گھاٹ خواجہ صالح تک صحرائے ترکمان سے گزرتا ہے۔

یہاں سے سلسلہ پامیر تک جو اس علاقہ کی مشرقی سرحد ہے، دریائے جیحوں اس کو گھیرے ہوئے ہے۔ اس علاقہ کا مشرقی حصہ بدخشاں اور مغربی حصہ ترکستان کے نام سے جانا جاتا ہے۔

افغانستان میں کوہ بابا کے اردگرد وادیوں کا ایک مجموعہ ہے اور ہر طرف سے اونچے نیچے پہاڑ اس کی حد بندی کر رہے ہیں۔ ان پہاڑوں میں سب سے بڑا حصہ ہندوکش کا ہے جو بیس ہزار فٹ بلند ہے۔ اس کا ایک بلند حصہ کابل کے شمال سے شروع ہو کر افغانستان کو قندھار اور چرشک کو طے کرتا ہوا سلسلہ کوہستان پغمان سے مل جاتا ہے۔ سلسلہ کوہ سلیمان سفید کوہ سے دریائے کابل کو ہندوکش سے جدا کرتا ہے۔ پھر جنوب میں برٹش سرحد کے متوازی جاتا ہے۔ یہ پہاڑ زبردست کوہستان سرحد کہلاتا ہے جس کے شمالی حصہ میں دو پہاڑیاں ہیں جو جنوب کی طرف بڑھتی جاتی ہیں۔ جب وہ اپنی جنوبی انتہا کو پہنچتی ہیں تو دریائے سوری اس کو قطع کرتا ہے جہاں اس کے دس حصے ہو جاتے ہیں۔

افغانستان کے بڑے دریا حسب ذیل ہیں: دریائے کابل، دریائے ہلمند، دریائے ہری رود، دریائے لوجر، دریائے مرغاب اور دریائے ارغنداب۔

دریائے کابل۔ کوہِ بابا کے جنوب مشرقی ڈھلان میں جلال آباد تک اور درہ خیبر سے گزرتا ہوا اٹک کے قریب دریائے سندھ میں گرتا ہے۔ وہ اس طرح تین سو میل کا فاصلہ طے کرتا ہے۔

افغانستان کی حکومتیں اور حملہ آور

مختلف اور قدیم روایت کے حامل قبائل کا ملک افغانستان آج بھی ساری دنیا کی نگاہوں کا مرکز ہے۔ اس ملک کی تاریخ کے صفحات پر حملہ آوروں کے خون کے دھبے ملیں گے۔ یہاں کی زمین کو اپنوں اور غیروں نے روندنے میں کوئی کمی نہیں کی۔ یہ ملک اپنے جغرافیائی محل وقوع کی بنا پر ہر زمانہ میں اہمیت کا حامل رہا۔

سائرس، دار یوش، منگولوں، تاتاریوں، ایرانیوں، ترکوں، یونانیوں، ہن کشان ہندو شاہی،

روسی، برطانوی اور اب امریکہ اور اس کے صلیبی اتحادی سب ہی نے افغانستان کو خاک وخون میں نہلانے کا کام کیا ہے۔

بعض نے اپنے خونی نقوش چھوڑے۔ بعض یہاں کی آبادی میں گھل مل گئے۔ بعض وقتی طور پر آئے اور مقاصد کی تکمیل کی کوششوں میں ناکامی کے بعد چلتے بنے۔ بعض نے مستقل قبضہ کی کوشش کی مگر یہاں کے قبائل کی آزادانہ روش سے گھبرا کر اپنی جگہ واپس ہو گئے۔

یہاں کی زمین گھوڑوں کی ٹاپوں، تلواروں کی جھنکار، توپوں کی گرج، ٹینکوں کی گڑگڑاہٹ اور بموں کی پرشور آوازوں سے گونجتی رہی ہے۔

راکٹ نے زمین کو چھلنی کیا۔ یہ خونی عمل آج بھی جاری ہے۔

آج کا افغانستان دولاکھ پچاس ہزار مربع میل پر پھیلا ہوا ہے۔ اس کی راجدھانی کابل ہے۔ اہم شہر قندھار، ہرات، غزنی، جلال آباد، گردیز اور مزار شریف ہیں۔

ملک کے مشرق میں کوہ ہندوکش کوہ بابا اور کوہ سفید کے سلسلے میں میدانی علاقے سمندر کی سطح سے چھ ہزار فٹ بلند ہیں۔ ملک میں چار بڑے دریا بہتے ہیں۔ انتظامی طور پر اس کے صوبے کابل، سیستان، قندھار، ہرات، ہزارستان، نورستان، بدخشاں اور ترکستان ہیں۔

لسانی گروہ پشتون، تاجک، نورستانی پنج شیر، ہزارہ جات، عماق، ترکمان، ازبک، کرغیز اور بلوچ ہیں۔ اکثریت پشتو اور دری بولتی ہے۔

اس کے بڑے حصہ پر ایرانی بادشاہوں کی حکومت رہی۔ دارا نے قبل از اسلام اسے اپنی سلطنت میں شامل کیا۔ فارسی کی ایک شکل دری ہے۔ یہی ایران میں فارسی کہلاتی ہے۔ حافظ سعدی، فردوسی، رومی، نظامی وغیرہ سب دری کے شاعر ہیں۔

افغانوں کی اصل زبان پشتو ہے۔ افغانستان پر قبضہ کے لئے ایران و یونان کی جنگ اس وقت نقطہ عروج کو جا پہنچی جب سکندر اعظم نے دارا سوم کو شکست دے کر اس کے تمام علاقے فتح کر لئے اور افغانستان تک آ گیا جہاں اسے شدید جنگ کا سامنا کرنا پڑا اور چالیس مہینہ تک افغانوں نے اسے روکا اور پھر راستہ بدل کر ہندوستان جانے پر مجبور کیا۔ درۂ خیبر نہ عبور کر سکا۔

۳۲۷ قبل مسیح میں وہ افغانستان پر حملہ آور ہوا۔ پھر داریوش اعظم نے اپنی سلطنت کو وسیع کیا جس میں شمالی افریقہ سے دریائے سندھ تک شامل تھا۔ اس میں افغانستان کے جنوبی علاقے بھی شامل تھے۔

یونانیوں کے بعد کشان نے اپنے حوصلہ کو آزمایا۔ یہ وسطی ایشیا کے خانہ بدوش تھے۔ انہوں نے

سندھ کی وادی سے ایرانی سرحد اور چین کے سنکیانگ سے بحر کیسپین تک اپنی حکومت قائم کرلی۔

ان کے زوال کے بعد ایران کے ساسانیوں نے عراق، افغانستان، ایران اور وسطی ایشیا کے جنوبی حصوں پر قبضہ کرلیا۔

پانچویں صدی عیسوی میں ساسانیوں کی حکومت بھی پارہ پارہ ہوگئی تو ''ہنوں'' نے سر اٹھایا اور پنجاب تک جا پہنچے۔ اس کے بعد ایک بار پھر ساسانیوں اور مغربی ترکوں نے سر اٹھایا۔

ساتویں صدی کی دوسری چوتھائی میں مسلم فاتحین قندھار تک جا پہنچے۔ کابل کی ہندو شاہی حکومت جو مشرقی افغانستان تک پھیلی ہوئی تھی، اموی خلفاء کی باجگذار تھی۔ دسویں صدی عیسوی تک یہی صورت حال برقرار رہی۔ اس صدی کے آخر میں ترک قوت ابھری۔ اس نے ۹۷۶ سے ۹۷۷ء تک ایک مستحکم حکومت قائم کی۔ شمال مغربی ہندوستان پنجاب اور ایران کے وسیع علاقے اس کے قبضہ میں تھے۔

۱۲۱۸ء میں منگولوں نے سر اٹھایا اور ان کی تباہ کاریاں شروع ہوگئیں۔ منگول سردار چنگیز خاں نے اس علاقہ کی وحدت کو پارہ پارہ کردیا۔ غزنی، بامیان و ہرات اور بلخ کے شہروں کو برباد کردیا۔ منگولوں کے حملوں سے افغانوں کا سیاسی، سماجی اور اقتصادی ڈھانچہ برباد ہوگیا۔

چودہویں صدی میں تیمور کو طاقت ملی تو اس نے ترکستان، عراق، افغانستان، شمالی ہندوستان کو لے لیا۔ اس کا بیٹا شاہ رخ تھا جس نے ہرات پر حکومت کی۔ پھر اس کا جانشین بڑا بیٹا الغ بیگ ہوا۔ پندرہویں صدی میں اس کا خاتمہ ہوگیا تو تاتاریوں کو عروج ملا۔ اب افغانستان کے حصہ پر مغل زور آزمائی کرتے رہے تو دوسری طرف صفوی، تیمور کا پرپوتا ظہیر الدین بابر فرغانہ ترکستان کا رہنے والا تھا۔

سولہویں صدی کے شروع میں اس نے افغانستان کے بعض علاقوں، جیسے کابل اور غزنیں کو فتح کرلیا۔

بابر کی موت کے بعد اس کی سلطنت دشواریوں میں گرفتار ہوگئی۔ اس کے بیٹے ہمایوں کو شیر شاہ سوری نے شکست دے کر ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کردیا۔ شیر شاہ افغان بادشاہ تھا جس کے نقوش آج بھی ہندوستان میں موجود ہیں۔

ہمایوں نے ایران کے صفوی بادشاہ کی مدد سے کابل پر قبضہ کرلیا۔ پھر قندھار بھی فتح کرلیا۔ اس کے انتقال کے بعد صفویوں نے پھر قندھار پر قبضہ کرلیا۔ ۱۵۹۵ء میں اکبر نے دوبارہ قندھار کو فتح کرلیا۔ اکبر کی موت کے بعد اس کا بیٹا جہانگیر قندھار پر قابض نہ رہ سکا اور اس کے بعد مغل اس پر کبھی قبضہ نہ کر

سکے۔ ۱۶۴۸ء میں مغلوں نے شمالی افغانستان سے پسپائی اختیار کر لی۔ اس لئے کہ انہیں پشتون قبائل کی شورش کا سامنا تھا۔ دوسری طرف ہرات وقندھار میں صفویوں کے خلاف بھی بغاوت پھوٹ پڑی تھی۔

۱۷۳۸ء میں ایران کے نادر شاہ افشار نے افغانستان پر حملہ کیا۔ اس نے افغانیوں کو زیادہ تنگ نہیں کیا۔ اس نے ہرات پر قبضہ کر کے ذوالفقار خاں ابدالی کو شکست دی۔

۱۷۴۷ء میں ذوالفقار خاں کے بھائی احمد شاہ ابدالی نے ہرات پر دوبارہ قبضہ کر لیا۔ اس وقت قندھار پر ہوتک حکمراں تھے جو غلزیوں کی ایک شاخ ہے۔ نادر شاہ نے اس قبیلہ کو شکست دی اور کابل ہوتا ہوا لاہور کے راستہ ہندوستان میں داخل ہوا۔ ۱۷۴۷ء میں نادر شاہ کو قتل کر دیا گیا جس میں ہوتک قبیلہ کے ایک سردار کا ہاتھ تھا۔

اس کے قتل کے بعد احمد شاہ ابدالی جو بعد کو درانی کے نام سے مشہور ہوا اور درانی بادشاہت شروع ہوئی۔ وہ غزنی، کابل اور پشاور فتح کرتا ہوا پانی پت جا پہنچا۔ اس نے مغل تخت کی طرف نظر اٹھا کر نہ دیکھا اور کچھ نصیحتیں کر کے دہلی سے واپس آ گیا۔

پھر اس نے ہرات ومشہد کا رخ کیا۔ شمالی افغانستان اور کشمیر پر قبضہ کر لیا۔ اس کی سلطنت لاہور، ملتان، بھاول پور ور سندھ کے بیشتر علاقوں تک پھیلی ہوئی تھی۔ اس نے افغانوں کو متحد کیا اور ایک مستحکم حکومت دی۔ اس کے بعد بھی افغانوں کی قومی حکومت کا سلسلہ ختم نہیں ہوا۔ ۱۷۷۲ء میں احمد شاہ کا انتقال ہو گیا۔ قندھار میں اس کا مزار قابل احترام ہے اور افغانی اسے احمد شاہ بابا کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

احمد شاہ کے بعد حکومت کمزور ہونا شروع ہو گئی۔ اس کے پوتے زمان شاہ کے بعد حکومت بارک زئی خاندان میں چلی گئی۔ سدوزئی حکمراں محمود کا ایک وزیر شیخ فتح خاں بارک زئی تھا۔ اس کے بھائی دوست محمد خاں نے شاہ محمود کو کابل سے نکال باہر کیا اور وہ خود افغانستان کا حاکم بن گیا۔ اس کے دور میں ملتان، کشمیر اور ڈیرہ اسماعیل خاں پر سکھوں کا قبضہ ہو گیا اور اس کے بھائی سلطان محمد نے پشاور رنجیت سنگھ کو دے دیا۔ سندھ کے امراء بھی باغی ہو گئے اور وہ علاقے بھی افغانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

۱۸۲۶ء میں غزنی، کابل اور جلال آباد پر دوست محمد کا قبضہ ہو چکا تھا۔ درۂ بولان کی راہ سے اس نے قندھار پر حملہ کیا اور اسے فتح کر کے شاہ شجاع کو حکمراں بنا دیا۔ یہ انگریزوں کی کٹھ پتلی حکومت تھی جس نے ایک معاہدہ پر دستخط کر دیئے جس کی رو سے برطانوی فوج افغانستان میں مستقل رہ سکتی تھی۔

دوست محمد نے فیصلہ کیا کہ برطانوی جارحیت کا مقابلہ کیا جائے۔ لیکن اس کے بھتیجے کی غداری کی

وجہ سے کامیابی نہ مل سکی اور اس نے خود کو انگریزوں کے حوالہ کر دیا۔ شاہ شجاع کے خلاف افغانوں کی مخالفت بڑھتی گئی۔ برطانوی رسد لانے والوں پر حملے تیز ہونے لگے۔

افغانوں نے دوست محمد کے بیٹے اکبر خاں کی رہنمائی میں جدوجہد کا آغاز کیا۔ ۲ نومبر ۱۸۴۱ء میں کابل میں بغاوت ہوئی۔ انگریزوں کی فوج کا ایک بڑا جتھا اور شاہ شجاع ان باغیوں کے حصار میں آ گیا۔ بہت سے انگریز افسر مارے گئے اور کابل پر باغیوں کا قبضہ ہو گیا۔

انگریزوں نے قبائلی سرداروں کے لئے رشوت کا دروازہ کھول دیا اور ان کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش کی مگر ناکامی ہوئی۔ جس کے بعد برطانوی پولیٹیکل ایجنٹ مک نائن نے سیاسی قتل کروانے کی سازش رچی۔ لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا۔ آخر ۱۱ دسمبر ۱۸۴۱ء کو اس نے ایک معاہدہ پر دستخط کئے جس کی رو سے انگریزی فوج کو واپس جانا تھا۔ مگر اس کے بعد بھی مک نائن سازشوں سے بعض نہ آیا اور قبائلی سرداروں میں پھوٹ ڈالنے کی کوششوں میں لگا رہا۔ آخر کار اس کو گولی مار کر ہلاک کر دیا گیا۔

۱۸۴۲ء میں انگریزوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اس کے بعد بھی افغانوں نے ان کے مظالم کا بدلہ لیا۔ پندرہ ہزار انگریز سپاہیوں میں صرف ایک جلال آباد پہنچ سکا۔

کارل مارکس نے اپنی کتاب نوٹس آف انڈین ہسٹری میں لکھا (صفحہ ۶۵) ۱۳ جنوری ۱۸۴۲ء کو جلال آباد شہر پناہ پر متعین سنتریوں نے ایک شخص کو دیکھا جو پھٹی ہوئی انگریزی وردی پہنے ایک ٹٹو پر سوار تھا۔ دونوں بری طرح زخمی تھے۔ وہ ڈاکٹر برائڈن تھا جو پندرہ ہزار انگریز فوجیوں میں تنہا بچا تھا اور تین ہفتے پہلے کابل سے روانہ ہوا تھا۔ وہ بھوک سے نڈھال تھا۔

افغان فوج نے غزنی کو بھی آزاد کرا لیا۔ جلال آباد پر ایک طرف حملہ کیا اور قندھار کا محاصرہ کر لیا۔ اپریل ۱۸۴۲ء میں شاہ شجاع کو بالا حصار کے قلعہ میں گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا اور اس کی لاش تین دنوں تک ایک نالہ میں پڑی سڑتی رہی۔ کوئی بھی غدار شاہ کو دفن کرنے کو تیار نہ تھا۔

دوست محمد دوبارہ تخت شاہی پر آیا۔ اس نے افغانستان میں امن و امان قائم کیا۔ ہرات کو بھی اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ ۱۸۶۳ء میں وہ دار فانی کو چل بسا۔

اس کے بعد اس کا تیسرا بیٹا شیر علی حکمراں بنایا گیا۔ انگریز چاہتے تھے کہ کابل میں چند انگریز افسروں کو رہنے کی اجازت مل جائے مگر شیر علی نے روس کے ساتھ دوستانہ تعلقات قائم کر لئے۔ ۱۷ اگست ۱۸۷۸ء کو لارڈ ڈلسٹن نے شیر علی کو اطلاع دی کہ جنرل چیمبرلین کی رہنمائی میں ایک برطانوی مشن کابل آ رہا ہے مگر افغانوں نے اس مشن کو کابل میں داخل نہیں ہونے دیا۔ ۲۱ نومبر ۱۸۷۸ء کو

انگریزوں نے افغانستان پر حملہ کر دیا اور جنگ شروع ہوگئی۔
انگریزوں نے قندھار درۂ پوار کوتل اور جلال آباد پر قبضہ کر لیا۔ ایسا وہ چالیس سال پہلے بھی کر چکے تھے۔ اس کا مقصد کابل پر قبضہ کرنا تھا لیکن ہر محاذ پر افغانوں نے ان کا مقابلہ کیا۔

۲۱ فروری ۱۸۷۹ء کو شیر علی کا انتقال ہو گیا۔ اس کے بیٹے یعقوب خاں نے انگریزوں سے معاہدہ کر لیا۔ یعنی باپ کی موت کے پانچ دن بعد ۲۶ فروری کو اس معاہدہ کی رو سے افغانستان انگریزوں کا تابع ملک بن کر رہ گیا۔ اس میں کہا گیا کہ انگلستان کے علاوہ کسی ملک سے خارجہ تعلقات نہ رکھے گا۔ برطانیہ کو یہ حق بھی مل گیا کہ وہ کابل میں اپنا نمائندہ رکھے۔ اس طرح افغانستان کو سیاسی طور پر غلام بنا دیا گیا۔

لیکن غیرت مند افغان قوم اس معاہدہ سے بھڑک اٹھی اور بغاوت کے شعلے اٹھ کھڑے ہوئے۔ برطانوی مشن کے عملہ کو قتل کر دیا گیا۔ انگریز انتقام میں اندھے ہو گئے اور اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے درپے ہو گئے۔ انہوں نے افغانستان کو کئی حصوں میں تقسیم کرنے کی کوشش کی۔

برطانیہ نے اپنے جنرل رابرٹس کی کمان میں اپنی افواج کابل کی طرف روانہ کیں۔ اگرچہ یعقوب خان نے ہتھیار ڈال دیئے تھے مگر افغانوں نے ہتھیار نہیں رکھے۔ انہوں نے انگریزوں کے خلاف جنگ شروع کر دی۔

افغانوں کو اسلحہ کی کمی اور بہتر فوجی تربیت نہ ہونے کے سبب پسپا ہونا پڑا۔ انگریزی فوجوں نے کابل میں قتل عام شروع کر دیا جس میں افغان فوجی جنرل ملا اور دیگر اہم لوگ پھانسی پر لٹکا دیئے گئے۔ لیکن آخر کار اسائی کی پہاڑیوں سے افغانوں نے جنرل رابرٹس کی فوج کو بری طرح شکست دے دی۔

۱۸۸۰ء میں شیر علی کا بھتیجا عبدالرحمان خان جو پچھلے بارہ برسوں سے تاشقند میں تھا، خود میدان میں آ گیا۔

عبدالرحمان نے فوج تیار کی اور افغانستان کا امیر ہونے کا اعلان کر دیا۔ اس کے تعلقات انگریزوں سے بہتر رہے۔ اسی بیچ لیبر پارٹی کی حکومت نے افغانستان سے اپنی فوج کو واپسی کا حکم دیا۔ لیکن عبدالرحمان کی مالی اور فوجی مدد کی جاتی رہی۔

۱۸۹۳ء میں ہندوستان کی برطانوی حکومت کے خارجہ سکریٹری سر ڈیورنڈ (Sir Durand) کابل گیا۔ عبدالرحمان اور اس کے درمیان مذاکرات ہوئے اور افغانستان کی نئی سرحدوں کی حد بندی کی گئی۔ جو نیا سرحدی خط کھینچا گیا اسی کو ڈیورنڈ لائن کہا جاتا ہے۔ جو پاکستان اور افغانستان کے درمیان

سرحد ہے۔

اس حد بندی نے افغان قبائل کو تقسیم کر دیا۔ کوئٹہ میں اچک زئی، وزیرستان میں وزیری، پارا چنار کے توری اور مینگل خیبر کے شنواری، مہمند ایجنسی کے مہندوں کے رشتہ دار آج بھی افغانستان میں رہتے ہیں۔ آفریدیوں اور محسودیوں کے علاوہ تمام افغان قبائل کے رشتہ دار پاکستان میں پائے جاتے ہیں۔

یکم اکتوبر ۱۹۰۱ء کو عبدالرحمان خاں کا انتقال ہو گیا۔ اس کا بیٹا حبیب اللہ خاں تخت نشین ہوا۔ فروری ۱۹۱۴ء میں اس کے گولی ماردی گئی۔ اس کے بعد اس کا چچا نصر اللہ خاں تخت پر بیٹھا۔ اس پر حبیب اللہ کے قتل کا شک ظاہر کیا گیا۔ لہٰذا افغانی عوام نے اسے رد کر دیا۔ جلال آباد کی مسجد کے امام نے حبیب اللہ خان کے بیٹے امان اللہ خان کا خطبہ پڑھنا شروع کر دیا۔ نصر اللہ اس کے حق میں ساتویں دن دستبردار ہو گیا۔

اسی وقت کابل کی عیدگاہ میں شاہ آغا نے، جس کا ملا کے طور پر بڑا احترام تھا، امان اللہ خان کی تخت نشینی کا اعلان کر دیا۔

شاہ آغا کا خاندان کابل کے شور بازار میں رہتا تھا۔ اس خاندان کے لوگ حضرت کہلاتے تھے۔ انہیں عام طور پر حضرات شور بازار کہا جاتا تھا۔ امان اللہ کے زمانہ میں ملا شور بازار کا بڑا چرچا رہا تھا۔

افغانستان میں مولانا نہیں ہوتا، ایران میں امام ہوتا ہے۔ ہندوستان میں انگریز کے آنے سے پہلے یہاں ''مولوی'' کہا جاتا تھا جو باعزت نام تھا۔ مولوی کی ایک ڈگری بھی ہوتی تھی۔ پھر انگریز نے اسے ''مولانا'' بنا دیا۔ یعنی خدا۔ پھر مولانا سے حضرت مولانا اور جب حضرت مولانا کی بھرمار شروع ہوئی تو بڑے حضرت مولانا کہے جانے لگے جو بعد کو بڑے حضرت بن کر رہ گئے۔

امان اللہ خان نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے علاقے واپس لینے کے لئے انگریزوں سے جنگ شروع کر دی۔ اس نے ایک فرمان جاری کیا کہ دوسری آزاد ریاستوں کی طرح افغانستان کو بھی اپنے امور خارجہ اور داخلہ امور میں خود مختار ہونا چاہئے۔ روس نے سب سے پہلے ۲۷ مارچ ۱۹۱۹ء کو امان اللہ خاں کی حکومت کو تسلیم کر لیا۔

روس اس وقت ۱۹۱۷ء کے بالشویک انقلاب کے بعد سوویت یونین بن چکا تھا۔ روس نے افغانستان کو اپنی مدد کا یقین دلایا مگر نیت اس کی بھی صاف نہ تھی۔ جس کے بعد برطانیہ نے بھی افغانستان کی آزاد حیثیت کو تسلیم کر کے اس کے امور خارجہ کے معاملات سے دستبردار ہو کر دوستی کا نیا معاہدہ کیا۔

امان اللہ خاں نے ملک میں اصلاحات نافذ کرنا شروع کر دیا اور ملک کے سماجی ڈھانچہ کو نیا رنگ دینے کی کوشش کی۔ ۱۹۲۷ء میں امان اللہ نے یورپ کا دورہ کیا۔ وطن واپسی پر تعلیم کو فروغ دینے، تعلیم نسواں کی طرف متوجہ ہونے، مذہب اور ریاست کو ایک دوسرے سے جدا رکھنے جیسے اقدامات شروع کر دیے جس سے قبائل میں بے چینی پھیلنے لگی اور مذہبی رہنما بھی برگشتہ ہو گئے۔

انگریز اپنی سازشوں میں لگا رہا۔ اس نے افغانستان پر غلبہ حاصل کرنے کی اپنی کوششوں کو ترک نہیں کیا تھا۔

جب امان اللہ خان کی اصلاحات کو غیر اسلامی کہا جانے لگا تو انگریز نے اس کو ہوا دینا شروع کر دیا جس کے نتیجہ میں پہلی بغاوت قندھار میں ہوئی تو انگریز نے افغانستان کے سرحدی علاقوں پر بمباری شروع کر دی۔

انگریز امان اللہ خان کی اصلاحات کے خلاف بغاوت پر آمادہ گروپوں کی ہر طرح مدد کر رہا تھا۔ شنواریوں، آفریدیوں اور ملا شوز بازار کو انگریزوں سے روپیہ مل رہا تھا۔

آخر ۱۴ جنوری ۱۹۲۹ء کو امان اللہ خان تخت سے دست بردار ہو گئے اور حکومت اپنے بھائی کے سپرد کر کے ملک چھوڑ کر چلے گئے۔ ۱۷ جنوری کو اس کا بھائی عنایت اللہ بھی بچہ سقہ سے سمجھوتہ کر کے حکومت سے دست بردار ہو گیا اور بچہ سقہ بادشاہ بن گیا۔ اسے صرف کابل والوں اور کچھ کوہستانی قبائل کی ہی حمایت حاصل تھی۔

افغانستان میں بڑی طاقتوں کی کشمکش پر ایک نظر

فروری ۱۹۶۶ء میں صدر ربانی کے نمائندہ نے جنرل رشید دوستم سے مزار شریف میں، سردبی میں حکمت یار سے اور بامیان میں حزب وحدت کے لیڈروں سے بات کی۔ فروری میں ہی تمام مخالف جتھوں میں دس رکنی کونسل بنانے پر اتفاق ہو گیا۔ طالبان اس اتحاد میں شریک نہیں ہوئے۔

کچھ ہفتوں بعد حزب اسلامی نے حکمت یار کو یہ اختیار دے دیا کہ وہ ربانی سے اقتدار میں حصہ داری کی بات طے کریں۔ پاکستان صدر ربانی کی کامیابی سے پریشان تھا۔ لہٰذا اس نے قبائلی سرداروں اور طالبان سے مل کر کابل کی حکومت کے خلاف اتحاد قائم کرنے پر آمادہ کرنا چاہا۔ آئی ایس آئی نے حکمت یار، دوستم جلال آباد کے پختون لیڈروں اور حزب وحدت کو پاکستان آنے کی دعوت دی اور ان کو طالبان کے ساتھ کھڑے ہونے کو کہا۔

ان لیڈروں نے صدر پاکستان فاروق احمد لغاری اور جنرل جہانگیر کرامت سے ملاقات کی جو پاکستانی فوج کے سربراہ تھے۔ ۷رفروری سے ۱۳رفروری تک مذاکرات چلتے رہے جس میں پاکستان نے سیاسی اتحاد بنانے اور کابل پر مشترکہ حملہ کا بھی خاکہ بنایا جس کی رو سے حکمت یار کو مشرق سے دوستم کو شمال کی جانب سے اور طالبان کو جنوب کی جانب سے حملہ کرنا طے ہوا۔

نصیراللہ بابر نے طالبان کو راضی کرنے کے لیے تین ملین ڈالر کی پیشکش کی تاکہ وہ شمالی افغانستان میں چمن سے ترکمانستان تک کی سرحد پر قدر گنڈی تک سڑک کی مرمت کر سکے مگر طالبان نے اسے منظور نہیں کیا۔

طالبان نے وزیر داخلہ نصیرالدین بابر جمعیت علمائے اسلام کے سربراہ مولانا فضل الرحمان اور آئی ایس آئی کی ذاتی اپیلوں کو بھی نامنظور کر دیا۔ طالبان ان سرداروں سے کسی قسم کا تعلق نہیں رکھنا چاہتے تھے جن کا ماضی داغدار، کمیونسٹ اور بے دین تھے۔

اس پورے پس منظر پر گہری نظر ڈالی جائے تو یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ افغانستان کے سارے معاملہ میں روسی توسیع پسندی سے امریکی جارحیت تک پاکستان کا کردار نہایت گھناؤنا اور صلیبی کافروں سے وفاداری والا رہا جہاں افغان قوم کو تباہی و بربادی سے دوچار ہونا پڑا ہے۔

کابل کے خلاف متحدہ محاذ کی ناکامی کے بعد صدر برہان الدین ربانی کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ اس کے بعد انہوں نے ایک ساٹھ رکنی وفد کے ساتھ ترکمانستان، ایران، ازبکستان اور تاجکستان کا دورہ کیا جہاں اپنے لیے حمایت اور فوجی امداد کی فراہمی پر زور دیا۔

ہندوستان اور روس جو موجودہ کابل حکومت کی حمایت کر رہے تھے، انہوں نے سوچا کہ علاقہ میں اسلامی بنیاد پرستی کو وسطی ایشیا میں روکنے کا واحد طریقہ ربانی حکومت کی مدد کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ ایران ہرات پر طالبان کے قبضہ سے ناراض تھا۔ روس کابل کی ربانی انتظامیہ کو طالبان کے مقابلہ میں اپنے لیے مفید جانتا تھا کیونکہ وہ وسطی ایشیائی جمہوریتوں میں اسلامی تحریکوں کے فروغ سے خوفزدہ تھا۔ روس، تاجکستان میں کیمونسٹوں اور اسلام پسندوں کے درمیان جنگ کے خاتمہ کا خواہاں تھا۔ وہ سمجھتا تھا کہ اس جنگ کو طالبان کی طرف سے بھڑکایا جا رہا ہے۔

لہٰذا ان سبھی ملکوں نے کابل کی حکومت کے لیے فوجی امداد کھول دی۔ روسی ٹرانسپورٹ طیارے تاجکستان اور یوکرین سے اڑتے اور کابل کو گولہ بارود ہتھیار اور ایندھن پہنچانے لگے۔ ایران نے بھی مشہد سے بگرام تک ہوائی پل فراہم کر دیا۔ ایران امریکہ دشمنی کے باوجود طالبان کو برداشت کرنے کو تیار

نہ تھا۔اس طرح ایران کی راہ سے بھی ہتھیار کابل کو ملنے لگے۔

پاکستانی انٹیلی جنس نے بتایا کہ بگرام میں رسد پہنچانے کے لیے ایک دن میں ایران کی تیرہ پروازیں پہنچیں۔امریکی خفیہ ایجنسی کو شک تھا کہ ربانی کے شیعہ حلیفوں نے پانچ اسٹنگر میزائل ایران کے ہاتھ بیچ دیئے ہیں اور فی میزائل ایک ملین ڈالر وصولے ہیں۔

امریکہ نے ۱۹۸۶ء اور ۱۹۸۷ء میں مجاہدین کو روس کے خلاف نوسومیزائل دیئے تھے۔۱۹۹۲ء کے بعد امریکہ نے غیر استعمال شدہ میزائل واپس لینے کی کوشش کی مگر کامیاب نہ ہوا۔ایران نے بھی مشہد کے قریب پانچ ہزار سپاہیوں کی تربیت کے لیے کیمپ لگائے تھے۔ان سپاہیوں کا تعلق ہرات کے سابق گورنر اسماعیل خاں سے تھا۔

حالانکہ احمد شاہ مسعود کی طرف سے ایک سال قبل ہزارہ شیعوں کے قتل عام پر ایران ان سے ناراض تھا جب بھی وہ کابل انتظامیہ کی مدد کر رہا تھا تا کہ طالبان کو آگے بڑھنے سے روکا جائے۔

ہندوستان نے آریانا ائیر لائنز کو نئے سرے سے موثر اور کارآمد بنانے میں مدد دی اور افغان حکومت کو اس طرح اسلحہ کی امداد کا بہتر بندوست کیا۔ہندوستان نے زمینی ریڈار فاضل پرزے اور مالی امداد بھی دی۔

دوسری طرف پاکستان اور سعودی عرب نے طالبان کی امداد میں اضافہ کیا۔ٹیلی فون اور وائرلیس کا نظام پاکستان نے طالبان کو فراہم کیا۔قندھار ائیر پورٹ کی تعمیر کا کام بھی انجام دیا۔راکٹوں کے ساتھ ہی فاضل پرزے بھی دیئے۔

سعودی عرب نے ایندھن، سرمایہ اور سینکڑوں نئی پک اَپ گاڑیاں فراہم کردیں۔زیادہ تر سامان قندھار کے ائیر پورٹ پر پہنچایا گیا۔

افغانستان کے اندرونی معاملات میں بیرونی مداخلت پر امریکہ نے ناگواری ظاہر کی۔اس کی پریشانی گیس پائپ لائن کی وجہ سے تھی جس کو امریکی آئل کمپنی کو پورا کرنا تھا۔امریکہ اس منصوبہ کو افغانوں کے سبھی دھڑوں سے منظور کرانا چاہتا تھا۔

امریکہ نے پاکستان کو مشورہ دیا کہ وہ ربانی حکومت سے صلح کر کے طالبان کو بھی بات چیت کے لیے تیار کرے لیکن طالبان اس فریب کاری کا شکار نہ ہوئے۔

اوباما کی قیادت میں امریکہ تباہی کے دہانے پر

آئندہ سال جولائی ۲۰۱۰ء سے امریکہ کا زوال شروع ہو جائے گا۔امریکہ روس کے گورباچیف کے زمانہ کی کمزوریوں میں مبتلا ہے۔روسی پروفیسر کی رائے—

روسی وزارت خارجہ میں ڈپلومیٹک اکیڈمی کے پروفیسر آئیکور پے نیرین نے پیش گوئی کی ہے کہ امریکہ اقتصادی، سیاسی اور سماجی تباہی کے دہانے پر ہے اور جولائی ۲۰۱۰ء تک اس کے زوال کا اندیشہ پچاس فیصد سے زیادہ ہے۔ میں نے پیچھے کہیں لکھا ہے کہ علامہ مشرقی نے ۱۹۲۶ء میں جس طرح روس کے زوال کی پیش گوئی قرآنی حساب دانی کی بنیاد پر کی تھی، عالم اسلام میں آج کوئی عالم ودانشمند ایسا نہیں ہے جو کسی ٹھوس بنیاد پر امریکی زوال کی نشاندہی کرتا۔شاید روسی دانشمند نے میرے دل کی آواز سنی اور اقتصادی، سیاسی ورسماجی بنیاد پر امریکہ کی تباہی کی نشاندہی کی ہے۔

انہوں نے یکم ستمبر ۲۰۰۹ء کو میڈیا سے گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ رواں مالی سال کے نتائج سرمایہ کاروں کو صدمہ سے دوچار کردیں گے۔

پروفیسر آئیکور نے امریکہ کے صدر بارک اوباما کے حامیوں کے اس خیال سے اتفاق نہیں کیا کہ وہ دنیا کو ایک نئی تبدیلی کے عہد کی طرف لے جارہے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ اوباما ایک سماجی کارکن کے ذہن کے مالک ہیں لیکن انتظام سلطنت کے معاملہ میں ان کی ناکامی امریکہ کو تباہی کی طرف لے جائے گی۔

پروفیسر نے کہا کہ کیٹرینہ طوفان سے امریکہ کی تباہی کا آغاز ہوا ہے جہاں کی جیلیں قیدیوں سے بھرگئی ہیں۔نوجوان تشدد پر اتر آئے ہیں اور ہم جنس پرستی سے رغبت رکھنے والوں کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

روسی پروفیسر نے کہا کہ امریکی قرض گیارہ برسوں میں سات گنا بڑھ گیا ہے جب کہ گورباچیف کے زمانہ میں سوویت یونین کا قرض پانچ گنا بڑھا تھا۔

تلوار کے بجائے رگِ گل سے کاٹنے کی تدبیر

امریکہ کو یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ وہ بمباری کر کے افغانوں کے حوصلے پست نہیں کرسکتا۔اس لیے کہ آٹھ سال گزرنے کے بعد بھی ان کا جوش اسی طرح برقرار ہے۔بلکہ مشکل حالات نے ان کے جوش میں مزید اضافہ کردیا ہے جس کی وجہ سے امریکی اتحاد کے فوجیوں کی ہلاکت میں حیرت انگیز اضافہ ہوتا جا

رہا ہے۔

ایڈمیرل مائک مولن جو جوائنٹ چیف آف اسٹاف ہیں، اپنے ایک مضمون میں لکھتے ہیں ـــ مسلم دنیا سے امریکہ کا رشتہ اس وقت تک بہتر نہیں ہو سکتا جب تک ان کو بے عزت اور نظرانداز کرنے کا طریقہ نہیں چھوڑا جائے گا۔ انہوں نے مزید کہا کہ امریکہ نے مسلم دنیا کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے کچھ کیا نہیں، صرف وعدے کئے۔

ایڈمیرل نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ امریکہ کو اسلامی دنیا کی اسی طرح مدد کرنا چاہئے جیسے دوسری عالمی جنگ کے بعد اس نے یورپ کی تشکیل نو میں کی تھی۔

مگر ہمیں یہ نہ بھولنا چاہئے کہ امریکہ کی اس مدد کا مقصد یہ تھا کہ مغربی یورپ کے ملکوں کو اپنا ہم نوا بنا لیا جائے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ مشرقی یورپ کی طرح مغربی یورپ بھی روس کے حلقہ اثر میں چلا جائے۔ اس کا خیال تھا کہ ان ملکوں کو ساتھ لے کر چلا جا سکتا ہے، ان کو اپنا غلام بنا کر نہیں۔ اگر ایسا رویہ امریکہ کی طرف سے اپنایا گیا تو مغربی یورپ کے ملک بھی مشرقی یورپ کے ملکوں کی طرح سوویت روس کے ساتھ چلے جائیں گے۔

اسلامی ممالک شروع سے ہی باہمی نفرتوں کی وجہ سے امریکہ کے ساتھ خود غلاموں کی طرح رہے۔ انہوں نے اپنے باہمی اتحاد کے ذریعہ اپنی غیرت مندی کو فروغ نہیں دیا۔ جب آپ خود ہی غلامی پر آمادہ ہوں تو دوسرا کیوں آپ کو برابری کا درجہ دینے لگا۔ لہٰذا یورپی ممالک جیسا سلوک اسلامی ملکوں کے ساتھ برقرار رکھنے کی ضرورت امریکہ نے محسوس نہیں کی۔

مائک مولن امریکہ کے لیے مسلم ملکوں سے بہتر رشتے کی بات اس لیے کر رہے ہیں کہ عالم اسلام کے عوام میں امریکہ کے لیے نفرتوں کا جوالامکھی سلگ رہا ہے۔ لہٰذا نفرت کی اس آگ پر تلوار کے بجائے اب عرق گل چھڑکنے کی بات کر رہے ہیں جس میں خلوص نہیں بلکہ مکر وریا کے نئے شیاطین بھیانک شکل میں پوشیدہ ہیں۔

وہ افغانستان کی جنگ میں اپنی ہار کو جیتنے کے لیے رگِ گل کا سہارا لے رہے ہیں:

ظلم بھولے راگنی انصاف کی گانے لگے
لگ گئی ہے آگ کیا گھر میں کہ چلانے لگے

کیا گوانتاناموبے اور ابوغریب جیل میں جس طرح کی وحشیانہ حرکتیں امریکہ نے کیں، ویسی ہی حرکتیں طالبان نے بھی کہیں کیں؟

اب امریکہ افغان عوام کو بے وقوف بنا کر اپنے خونخوار بھیڑے پر بھیڑ کی کھال چڑھا کر ان سے بہتر تعلقات بنانے کی باتیں کر رہا ہے۔

عام افغانوں کو بے وقوف بنانے کے لیے یہ حربہ استعمال کر رہا ہے کہ یہ لڑائی دراصل وہ انہیں کی بہتر زندگی کے لیے لڑ رہا ہے — کیوں؟

کیا امریکہ میں غریبی نہیں ہے، بے روزگاری نہیں ہے، نوجوانوں میں تشدد کا رجحان نہیں ہے، کیا جیلیں قیدیوں سے بھری نہیں ہیں، تو امریکہ کو یہ لڑائی اپنے ملک میں لڑنی چاہئے اور افغانوں کے معاملہ کو ان پر چھوڑ دینا چاہئے ورنہ یاد رکھنا چاہئے کہ:

ہم تو کیا تاریخ انسانی بتا سکتی ہیں
کھا چکی ہے کتنے قاہر تاجداروں کو زمیں

افغانستان میں امریکہ اور ناٹو فوجوں کے سربراہ اسٹینلے میک کرسٹل نے کہا — افغانستان کے عوام کی حفاظت کرنا ہمارا مشن ہے!! کیوں؟

اسٹینلے نے اپنے فوجیوں کو مشورہ دیا کہ افغانوں کی آنکھوں کو دیکھیں، اگر ہم شہریوں کو نقصان پہنچائیں گے تو خود اپنی ہار کو یقینی بنائیں گے۔ اس نے اپنے فوجیوں کو مشورہ دیا کہ افغانوں کے رہن سہن کو سیکھو اور ان میں گھس مل جاؤ اور ناٹو کے فوجی افغانوں کے ساتھ کھانا کھائیں۔

اس نے مزید کہا کہ افغانستان کی جنگ ذہانت کی جنگ ہے۔ یہ جنگ صرف ہتھیاروں سے نہیں جیتی جا سکتی۔

ہائے اس زود پشیماں کا پشیماں ہونا

مگر محترم اب بہت دیر ہو چکی ہے۔ یورپ اور امریکہ کے دامن پر افغانوں کے خون کے اتنے دھبے ہیں کہ پشیمانی کے آنسو ان کو دھو نہیں سکتے۔ گذشتہ آٹھ برسوں میں تم نے کتنے افغانوں کو قتل کیا ہے، ابھی اس کا حساب باقی ہے۔ لہٰذا اب تمہارے حسن سلوک کا مشورہ تمہاری نئی عیاریوں میں سے ایک نئی چال اور عیاری سے زیادہ نہیں۔

ساری دنیا جانتی ہے کہ ۱۱ر ستمبر ۱۱/۹ کے جہاز اغوا کاروں میں کوئی افغانی اور عراقی نہیں تھا۔

تین ہزار امریکی جو اس حادثہ میں مارے گئے ان کی موت سے ان دس لاکھ مسلمانوں کا کوئی تعلق نہ تھا جن کو امریکہ نے قبروں میں سلا دیا۔

۱۱/۹ کے بعد کا زمانہ موت، بربریت اور اس سے بڑے ظلم و دہشت گردی کا زمانہ ہے جہاں اصل

مجرموں سے چشم پوشی کرتے ہوئے مشتبہ لوگوں کو ہی نشانہ بنایا جاتا رہا ہے۔

اس واقعہ کے بعد کی امریکی حکمت عملی کوئی ٹھوس نتائج نہ حاصل کر سکی۔ ہاں قوموں میں پھوٹ پڑی، امریکہ کے خلاف نفرت میں اضافہ ہوا، صلیبی کافروں کا اتحاد ضرور مضبوط ہوا مگر آزادی کا دائرہ محدود ہو کر رہ گیا۔ عام آدمی کی زندگی خوف سے بھر گئی اور اس واقعہ کے بعد دس لاکھ سے زیادہ لوگ موت کی آغوش میں چلے گئے ہیں۔ جو زندہ ہیں وہ ظلم و جبر کا شکار ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا اس حملہ سے کوئی تعلق نہ تھا اور نہ ہی انہوں نے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کا نام سنا تھا۔

سابق صدر جوتا خور بش اور ان کی انتظامیہ تمام دعوؤں کے باوجود اسامہ کا پتہ نہ چلا سکی۔ کیا یہ امریکی اور اپنے یورپی اتحادیوں کو قابو میں رکھنے کے لیے اسامہ کے جن کو یورپ کے لیے خطرہ کے نشان کے طور پر دکھاتے رہنے کا امریکی خارجہ پالیسی کا اہم حصہ ہے۔

افغانستان کی صورت حال کو سلامتی اور ترقی کی بین الاقوامی کونسل کی رپورٹ کی روشنی میں دیکھیں جس میں کہا گیا ہے کہ اسی فیصد افغانوں میں طالبان کی موجودگی یقینی بنی ہوئی ہے اور ۹۷ فیصد افغانستان پر طالبان سرگرم عمل ہیں۔ افیم کی کاشت اپنے شباب پر ہے جس کو طالبان نے بند کرادیا تھا۔

امریکہ اور بش نے یہی کھیل عراق میں کھیلا کہ صدام حسین کا تعلق اسامہ سے ہے۔ عراق کی صدام حکومت سیکولر فکر کی حامی تھی لہٰذا اسامہ سے اس کے تال میل کا کوئی سوال نہ تھا۔ پھر تباہی کے ہتھیاروں کی کہانی گڑھی گئی۔ اقوام متحدہ کے نیوکلیائی چھان بین کے محکمہ نے اس کی تائید نہیں کی۔ اس کے باوجود اس کو امریکی دہشت گردی کا شکار بننا پڑا اور جس کا آخری سلام بش پر منتظر الذیدی کے جوتے کی شکل میں ظاہر ہوا۔

لہٰذا امریکہ اور اس کے حلیفوں کے لیے عالم اسلام کے عوام میں صرف ایک لفظ ہے ''نفرت'' جس کو ظاہری اخلاق نوازی سے دھویا نہیں جا سکتا۔ اس کی عملی شکل یہی ہے کہ آپ ہمارے علاقوں سے نکل جائیں اور ہم کو ہمارے طریقوں پر جینے دیں۔

طالبان کا فکری منظر نامہ

دیو بندی مکتبہ فکر کا بنیادی مقصد ایک ایسی ریاست مین جو غیروں کی غلامی کی زنجیروں میں جکڑی ہو مسلم سماج کو متحدہ طاقت کی شکل میں منظم کرنا تھا۔

اس مکتبہ فکر کے نظریاتی رہنما مولانا محمد قاسم نانوتوی تھے۔۱۸۳۳ء سے ۱۸۷۷ء تک اور رشید احمد گنگوہی ۱۸۲۹ء تا ۱۹۰۵ء تک ان حضرات۔ نے دیو بند میں مدرسے قائم کیے۔ ۱۸۵۷ء میں مسلمانوں نے انگریزوں کو نکال دینے کے لیے جنگ آزادی کا بگل بجایا۔اس جنگ میں مسلمان ہار گئے۔

مسلمانوں کی اس شکست کے بعد دو مکتبہ فکر ابھر کر سامنے آئے تا کہ مسلمانوں کو سہارا دیا جائے۔ ان میں ایک طرف دیو بند تھا تو دوسری جانب انگریز نواز جنہوں نے مسلم یونیورسٹی علی گڑھ قائم کی۔

یہ یونیورسٹی برطانوی طرز کی درسگاہ تھی جس کی اسلام کے نام کے ساتھ سائنسی اور جدید علوم کی اصل بنیاد تھی۔مسلم نوجوانوں کو انگریزی تہذیب وتمدن کے قالب میں ڈھال کر انگریزی حکومت کے لیے ہر شعبہ میں وفادار مسلمان تیار کرانا تھا اور تعلیمی میدان میں ہندوؤں کی برابری کرنا تھا جو ایک فاش غلطی اس لیے تھی کہ ہندوؤں کا اونچا طبقہ جو برہمن تھا، انگریزی تعلیم کے میدان میں سو سال آگے نکل چکا تھا۔

دیو بند اسلامی تعلیم کی بنیاد پر پڑھے لکھے لوگوں کو تیار کرنا چاہتا تھا جو فکری، روحانی، شریعت اور طریقت کے اصولوں کی بنیاد پر اسلامی قدروں کے تحفظ کے لیے اپنی کوششیں جاری رکھ سکیں۔ان طلباء کو بتایا گیا کہ وہ شریعت کے ساتھ ہی شرعی نصاب میں دور جدید کے علمی رجحانات کا بھی خیال رکھیں۔ انہوں نے ہندوستانی مسلم سماج میں حسب نسب کی تفریق کے رجحان کی سختی سے مخالفت کی۔

دیو بند مکتبہ فکر نے پورے ہندوستان میں مدرسوں کو بڑے پیمانے پر قائم کرنے کی جدو جہد کی اور دینی مدرسوں کا جال پھیلا دیا۔ان مدرسوں مین افغان طلبا نے بھی داخلہ لیا جہاں وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ

نوآبادیاتی غلامی سے نجات کا اسلام میں راستہ کیا ہے اور اس سے کس طرح نجات حاصل کی جائے۔

۱۸۷۹ء تک دیوبند نے ہندوستان میں بارہ مدرسے قائم کر لیے تھے جن میں افغان طلباء بڑی تعداد میں تھے۔

۱۹۶۷ء میں دیوبند نے اپنی صد سالہ سالگرہ منائی۔ اس وقت تک جنوبی ایشیا میں نو ہزار دیوبندی مکتبہ فکر کے مدارس قائم ہو چکے تھے۔

بیسویں صدی کے شروع میں حکومت افغانستان نے سرکاری کنٹرول میں جدید مدرسے قائم کرنے کے لیے دیوبند سے تعاون مانگا۔ دیوبند کے علماء ۱۹۳۳ء میں ظاہر شاہ کی تاجپوشی کے موقع پر کابل گئے اور کہا کہ دیوبند کے مدرسوں سے ایسے طلبا تیار ہوں گے جو بدلے ہوئے حالات میں اسلامی دنیا کی آزاد حکومتوں کی دینی اور علمی ضروریات کو پورا کرنے میں معاون و مددگار ہوں گے۔ وہ اسلامی ریاستوں کے لیے مخلص ہوں گے اور ان کے وفادار بھی۔

ظاہر شاہ کی حکومت میں چند مدرسے دیوبندی مکتبہ فکر قائم کروائے گئے۔

پاکستان میں آزادی کے بعد دیوبندی مکتبہ فکر کے مدرسوں کی تعداد تیزی سے بڑھتی چلی گئی۔ وہاں اس فکر کے علماء نے جمعیت علمائے اسلام کی بنیاد ڈالی۔ اس جماعت کا بنیادی مقصد دینی عقائد کی درستگی اور مسلمانوں کو منظم کرنا تھا۔ ۱۹۶۲ء میں صوبہ سرحد کے مولانا غوث ہزاروی نے جمعیت کو سیاسی رنگ دے دیا تو اس کے کئی حصے ہو گئے۔

صوبہ سرحد میں جمعیت کی پختون شاخ کا انتظام مفتی محمود نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اسے عوام میں مقبول بنانے کی جدوجہد شروع کی۔ ۱۹۷۰ء کے الیکشن میں مفتی محمود کی جمعیت علمائے اسلام نے سیاست میں اہم کردار ادا کیا۔ وہ فوجی نظام حکومت کے سخت خلاف تھے۔ انہوں نے ایک بائیس نکاتی اسلامی منصوبہ پیش کیا جس میں امریکہ اور سامراجی طاقتوں کی بھرپور انداز میں مخالفت کی گئی۔ ساتھ ہی سماجی اصلاح کے لیے ترقی پسند پروگرام تجویز کیا۔ جمعیت اسلام کی اس تحریک کے نتیجہ میں جماعت اسلامی سے اس کے اختلافات بڑھ گئے جو آج بھی برقرار ہیں۔

دیوبندی مکتبہ فکر کا طالبان پر مذہبی اور نظریاتی اثر بہت گہرا پڑا۔ ۱۹۸۰ء کے شروع میں پاکستان کی افغان پالیسی پر جماعت اسلامی اور حکمت یار کی پالیسی پر عمل جاری رہا۔ یہ دونوں جماعتیں جمعیت علمائے اسلام کی حریف بنی رہیں۔

آئی ایس آئی کا جماعت اسلامی کے تعلق سے ہی مجاہدین میں امداد کی تقسیم کا اصل معاملہ تھا۔

جمعیت علمائے اسلام کی قیادت مفتی محمود کے بعد ان کے فرزند مولانا فضل الرحمان کو منتقل ہوگئی۔

جمعیت علمائے اسلام نے اس بیچ صوبہ سرحد اور بلوچستان کی پختون آبادیوں میں اپنے مدرسوں کا جال بچھادیا جہاں افغان مہاجروں اور پاکستانیوں کو مفت تعلیم، رہائش، خوراک اور فوجی تربیت دی جاتی تھی۔

ان مدرسوں میں افغانوں کی نئی نسل کو سوویت یونین کے حملہ اور اس کے سیاسی اثرات کے خلاف ذمہ داریاں سنبھالنے کے لائق بنانے کی کوششیں جاری رہیں۔

صدر ضیاءالحق نے مسلک ،اور عقائد سے بالاتر ہوکر سبھی مدرسوں کی یکساں مدد کی۔ ۱۹۷۱ء تک پاکستان میں صرف نوسو مدرسے تھے لیکن ۱۹۸۸ء تک ان کی تعداد آٹھ ہزار تک پہنچ گئی۔ پچیس ہزار ایسے مدرسے تھے جن کا رجسٹریشن نہیں تھا۔ ان میں پانچ لاکھ طلباء تعلیم پا رہے تھے۔ پاکستان میں سرکار کے انتظام میں چلنے والے اسکول ختم ہوچکے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ غریبوں نے اپنے بچوں کو دینی مدرسوں میں داخل کرادیا۔

زیادہ تر مدرسے دیہاتوں میں تھے یا افغان مہاجر کیمپوں میں۔ ان میں زیادہ تر وہ طلباء تھے جن کو تعلیم کی راہ سے، اصلاحی ایجنڈے سے کوئی واقفیت نہ تھی۔ وہ شریعت کی تشریح اپنے قبائلی رسم ورواج کے مطابق کرتے تھے۔ ان مدرسوں اور جماعتوں کو سعودی عرب سے مالی مدد ملتی تھی۔ ان مدرسوں سے فارغ ہونے والے طلباء کی اکثریت سوویت یونین کے خلاف جہاد کرنے والوں سے خوش نہ تھی۔ ۱۹۹۲ء میں کابل پر مجاہدین کے قبضہ کے بعد بھی آئی ایس آئی نے جنوبی پختونوں پر جمعیت علمائے اسلام کے بڑھتے ہوئے اثر کو نظرانداز کرنے کی کوشش کی۔ جمعیت ملک کے اندر سیاسی طور پر الگ تھلگ کردی گئی۔

اس نے ۱۹۸۸ء اور ۱۹۹۰ء میں بے نظیر بھٹو کی پہلی حکومت میں حزب اختلاف کا رول ادا کیا۔

۱۹۹۰ء اور ۱۹۹۳ء میں نواز شریف کی پہلی حکومت میں بھی اس کا یہ رول برقرار رہا۔

۱۹۹۳ء میں ہونے والے انتخاب میں جمعیت نے بے نظیر بھٹو کا ساتھ دیا اور کامیابی کے بعد مخلوط حکومت میں شامل ہوگئی۔ اقتدار سے وابستگی کی بنیاد پر اس نے آئی ایس آئی فوج اور وزارت داخلہ سے جس کے قلمدان جنرل نصیراللہ بابر کے پاس تھے، اپنے تعلقات میں وسعت پیدا کرلی۔

بابر کو ایک نئے پختون گروپ کی ضرورت تھی جو افغانوں میں پختونوں کے مفادات کے لیے کام کرسکے۔ اور پاکستانی تاجروں کے لیے جنوبی افغانستان کے راستہ وسطی ایشیائی ملکوں سے تجارت کا

ذریعہ بن سکے۔ جمعیت نے انہیں یہ موقع فراہم کر دیا۔

جمعیت علمائے اسلام کے مولانا فضل الرحمان قومی اسمبلی کی اسٹینڈنگ کمیٹی برائے امور خارجہ کے چیئرمین بنا دیئے گئے۔ اس حیثیت سے انہیں خارجہ پالیسی پر اثر انداز ہونے کا موقع مل گیا۔ اسی حیثیت میں انہوں نے طالبان کے حق میں بات چیت کی غرض سے واشنگٹن اور یورپی ملکوں کا دورہ کیا اوران کے لیے مالی وسائل کے حصول کے لیے سعودی عرب اور خلیج کے ملکوں سے بات چیت کی۔

دھیرے دھیرے جمعیت کئی حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ اسی میں ایک دھڑے کے رہنما مولانا سمیع الحق ہیں جو قومی اسمبلی کے ممبر اور سینیٹر رہے ہیں۔ ان کا مدرسہ طالبان کی تربیت کا اہم مرکز تھا۔ ۱۹۹۹ء میں کابل میں آٹھ وزیر مولانا سمیع الحق کے مدرسہ دارالعلوم حقانیہ سے فارغ تھے۔ طالبان کے درجنوں صوبائی گورنر فوجی کمانڈر جج اور بیوروکریٹ اسی مدرسہ سے پڑھ کر نکلے تھے۔ مجاہدین کی جماعت کے لیڈر یونس خالص اور محمد نبی محمدی نے بھی اسی مدرسہ میں تعلیم پائی تھی۔ یہ مدرسہ اکوڑہ خٹک (صوبہ سرحد) میں ہے۔ اسلام آباد - پشاور روڈ پر اس عمارت کا لمبا سلسلہ ہے۔ اس میں پندرہ سو طلبا کے لیے بورڈنگ کے اسکول کا انتظام ہے۔ اس کے ہائی اسکول میں طلباء کی تعداد ایک ہزار ہے۔ بارہ سو دیگر مدرسوں کا اس سے الحاق ہے۔ یہ مدرسہ مولانا سمیع الحق کے والد مولانا عبدالحق نے قائم کیا تھا جو دیو بند میں استاد تھے۔

اس مدرسہ میں اسلامیات کا اعلیٰ ترین کورس آٹھ سال میں پورا ہوتا ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹریٹ کے لیے دو سال لگتے ہیں۔ مدرسہ کے اخراجات عطیات سے پورے ہوتے ہیں۔ طلباء سے کوئی فیس نہیں لی جاتی۔

فروری ۱۹۹۹ء میں مدرسہ میں پندرہ ہزار درخواستیں داخلہ کے لیے موصول ہوئی تھیں جہاں صرف چار سو طلباء کے لیے جگہ خالی تھی۔

۱۹۹۱ء میں مدرسہ میں تاجکستان، قازقستان، ازبکستان سے ساٹھ طلبا لیے گئے تھے۔ یہ بغیر ویزے اور پاسپورٹ کے پاکستان پہنچ جاتے تھے۔

مولانا سمیع الحق نے بتایا کہ افغان طلبا کے لیے چار سو جگہیں رکھی جاتی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ آئی ایس آئی نے ہمیشہ انہیں نظر انداز کیا اور ہمیشہ حکمت یار اور قاضی حسین احمد، امیر جماعت اسلامی کو ہی نوازا جب کہ افغانستان میں روسیوں سے جنگ کرنے والے اسی فیصد طلباء مدرسہ حقانیہ سے ہی فارغ ہو کر نکلے تھے۔ مولانا کا کہنا ہے کہ حکمت یار کو صرف پانچ فیصد پختونوں کی حمایت حاصل رہی ہے مگر آئی

ایس آئی ۹۰ فیصد امداد اسی کو دیتی رہی ہے۔

۱۹۹۴ء سے پہلے ملا عمر کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ اس لیے کہ وہ پاکستان میں زیر تعلیم نہیں رہے۔ مگر اس کے اردگرد جتنے طلباء ہیں وہ سب مدرسہ حقانیہ سے ہی فارغ ہو کر نکلے ہیں۔ یہ طلباء مولانا سمیع الحق سے ملتے رہے ہیں اور پوچھتے ہیں کہ اب کیا کرنا ہے۔ مگر انہوں نے ان طلباء کو مشورہ دیا کہ وہ کوئی جماعت نہ بنائیں۔ اس لیے کہ پاکستان کی خفیہ ایجنسی آئی ایس آئی مجاہدین کو آپس میں لڑاتی رہتی ہے تاکہ وہ متحد نہ ہو سکیں۔ انہوں نے اپنے شاگردوں کو مشورہ دیا کہ طلباء کی تحریک شروع کریں اور افغانستان میں طالبان کی تحریک شروع ہوئی تو انہوں نے خفیہ ایجنسی کو مشورہ دیا کہ وہ طالبان کو افغانستان کا انتظام سنبھالنے دیں۔

۱۹۹۶ء میں مولانا نے قندھار میں ملا عمر سے ملاقات کی۔ ان کو امیر المومنین چنے جانے پر خوشی کا اظہار کیا۔ انہوں نے بتایا کہ ملا عمر کے پاس مال و دولت نہیں ہے لیکن دوسروں کے مقابلہ میں وہ محترم ہیں، اس لیے کہ اللہ نے ان میں قیادت کا جوہر رکھ دیا ہے۔

ملا عمر مولانا سمیع اللہ سے مشورہ کرتے رہتے ہیں۔ وہ شرعی فیصلوں کے سلسلہ میں ملا عمر کو مشورہ دیتے ہیں۔

۱۹۹۷ء میں مزار شریف میں طالبان کی شکست کے بعد ملا عمر نے مولانا سمیع الحق سے مدد کی درخواست کی تو انہوں نے اپنا مدرسہ بند کر کے تمام طلبا کو طالبان کے ساتھ مل کر جنگ کرنے کے لیے ملا عمر کے پاس روانہ کر دیا۔

مولانا سمیع اللہ نے طالبان لیڈروں اور صوبہ سرحد کے مدرسوں کے ذمہ داران کے درمیان ملاقات کرائی اور صوبہ کے بارہ مدرسوں کو بند کر کے آٹھ ہزار طلباء کو افغانستان بھیجنے کی راہ ہموار کر دی۔

جمعیت علمائے اسلام کی ایک شاخ نے کراچی کے باہر بنوری ٹاؤن میں علوم اسلامیہ کے نام سے ایک مدرسہ قائم کر رکھا ہے۔ مولوی محمد یوسف بنوری اس کے بانی تھے۔ اس مدرسہ میں آٹھ ہزار طلبا، زیر تعلیم تھے۔ ان میں سینکڑوں کی تعداد میں افغان طلباء تھے۔ طالبان کے زیادہ تر ذمہ دار اور طالبان کی حکومت کے وزراء یہیں سے تعلیم پا کر نکلے تھے۔

پینتالیس ملکوں کے مسلمان اس مدرسہ کو مالی امداد فراہم کرتے تھے۔ مدرسہ کے استاد مفتی جمیل کے بیان کے مطابق جو عطیات ملتے ہیں وہ اللہ کا کرم ہے۔ یہاں طالبان کی تربیت کی جاتی ہے۔ بنوری مدرسہ نے ۱۹۹۷ء میں چھ سو طلباء کو طالبان کی مدد کے لیے بھیجا تھا۔ نومبر ۱۹۹۷ء میں ڈاکٹر حبیب اللہ

مختار اور دیگر دو اساتذہ کی شہادت پر بنوری طلباء برہم ہو گئے۔ان کا پولس سے ٹکراؤ ہوا جس کے نتیجہ میں کئی گاڑیاں تباہ ہوئیں۔فوٹو گرافروں کو بھی مارا پیٹا گیا۔ ویڈیو کی دکانیں توڑی گئیں۔ جمعیت علمائے اسلام کی ایک شاخ سپاہ صحابہ بھی ہے۔ ۱۹۹۸ء مین سینکڑوں شیعوں کے قتل کے بعد حکومت نے سپاہ صحابہ کے لوگوں کی پکڑ دھکڑ شروع کی تو اس کے رہنما بھاگ کر افغانستان چلے گئے جہاں طالبان اور اسامہ بن لادن نے ان کو پناہ دی اور ان کو خوست کے تربیتی کیمپ میں تربیت کے لیے بھیج دیا گیا۔ امریکہ نے ۱۹۹۸ء میں اس کیمپ پر کروز میزائلوں سے حملہ کر دیا۔

جمعیت علمائے اسلام کو طالبان سے یہ فائدہ پہنچا کہ اسلامی انقلاب کے داعی کی حیثیت سے بین الاقوامی سطح پر اس جماعت کا وقار بلند ہو گیا۔سعودی عرب اور خلیجی ملکوں میں بھی اس کا اثر بڑھ گیا۔اس کے بعد آئی ایس ائی کا جماعت کو نظر انداز کرنا مشکل ہو گیا۔

افغانستان مین وہ کیمپ جن میں غیر افغان مجاہدین تربیت حاصل کرتے تھے، وہ حکمت یار کی تحویل میں تھے۔ طالبان نے ان پر قبضہ کر کے جمعیت علمائے اسلام کے گروپوں کے سپرد کر دیئے۔ ۱۹۹۶ء میں طالبان نے خوست کے نزدیک پاکستان اور افغانستان کی سرحد پر بدر کیمپ حرکت الانصار کے سپرد کر دیا۔فضل الرحمان خلیل ان کے رہنما تھے۔ یہ جمعیت علمائے اسلام کی ہی شاخ ہے جو اپنے ارکان کو افغانستان، چیچنیا اور بوسنیا تک لڑنے کے لیے بھیجتے رہے ہیں۔ طالبان کی خالص اور صاف ستھری اسلامی انقلاب کی فکر کے اثرات پاکستان اور وسط ایشیا کی مسلم جمہوریتوں پر بھی مرتب ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکہ، یورپ اور مسلم ملکوں کے حکمراں اس فکر کو اپنا قاتل جان کر امریکہ کے ظالمانہ فوجی نظام کے ساتھ کھڑے ہو کر اسلامی فکر روکنے کی کوششوں میں لگ گئے ہیں اور اپنے ہاتھوں اپنی قبر کھودنے کا کام کرتے رہے ہیں۔

طالبان شریعت نافذ کرنے کی پابند کیوں؟

مولوی کلام الدین طالبان کی مذہبی پولس کے سربراہ ہیں۔ ان سے پوچھا گیا کہ طالبان نے عورتوں کو کام کرنے سے کیوں روک دیا؟

انہوں نے جواب دیا، ہمیں عورتوں کو تعلیم دلانا ہوگی لیکن اس وقت ہم سخت مشکلات میں گھرے ہوئے ہیں۔ ایک مسئلہ ان کی حفاظت اور سلامتی کا ہے۔عورتوں کے لیے علاحدہ ٹرانسپورٹ کا انتظام نہیں ہے۔اسکولوں کے لیے علاحدہ عمارتیں نہیں ہیں۔عورتوں کو تعلیم دلانے کے لیے جن سہولتوں کی ضرورت

ہے،ان کی بھی کمی ہے۔ہم میں ایسے مرد بھی موجود ہیں جو عورتوں سے بہتر انداز میں پیش نہیں آتے۔ سوویت یونین کے خلاف جنگ میں ہم نے بیس لاکھ جانیں گنوادی ہیں اس لیے کہ ہم شرع کے پابند نہ تھے۔طالبان نے شریعت کے نفاذ کے لیے جنگ کی ہے اس لیے ہم شریعت نافذ کرنے کے پابند ہیں۔

انہوں نے بتایا پولس کی تنظیم سعودی عرب کے طرز پر کی گئی ہے۔ہمارا عملہ مذہبی امور کے بارہ میں پورا علم رکھتا ہے اس لیے کہ اس میں ہزاروں نوجوانوں کو بھرتی کیا گیا ہے جنہوں نے مدرسوں میں تعلیم پائی ہے۔

بیس برس کی لگاتار جنگ نے ہمارا سماجی ڈھانچہ بگاڑ دیا ہے۔افغانستان انسانی احوال کے واسطے سے دنیا کا سب سے بدقسمت ملک بن گیا ہے۔

ایک ہزار نومولود بچوں مین سے ۱۶۳ زندہ بچ پاتے ہیں جس کی فیصد شرح دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہے۔دوسرے ترقی پذیر ملکوں میں یہ شرح ہزار میں ۷۰ ہے۔ایک چوتھائی بچے پانچ سال کی عمر تک پہنچنے کے پہلے مرجاتے ہیں۔ترقی پذیر ملکوں میں تناسب ایک اور دس کا ہے۔ایک ہزار عورتوں میں سترہ سو بچے پیدا ہونے کے دوران مرجاتے ہیں۔مرد اور عورتیں مشکل سے ۴۳ اور ۴۴ سال کی عمر تک پہنچ پاتے ہیں جب کہ دوسرے ترقی پذیر ملکوں میں مردوں اور عورتوں کی اوسط عمر ۶۱ برس ہوتی ہے۔

۲۹ فیصد لوگوں کو طبی امداد اور ۱۲ فیصد لوگوں کو پینے کے لیے صاف پانی مشکل سے میسر ہے۔جب کہ دوسرے ترقی پذیر ملکوں میں یہ تناسب ۷۰ اور ۸۰ فیصد کا ہے۔

بچوں کی موت کا سبب خسرہ اور معمولی بیماریاں ہیں جن کا علاج آسانی سے ہوسکتا ہے اور معمولی پرہیز سے ان سے بچا جاسکتا ہے۔لیکن ہمارے پاس نہ طبی امداد ہے نہ صاف پانی میسر ہے۔اسی لیے بچوں کی موت کی شرح اتنی زیادہ ہے۔

طالبان کے آنے سے پہلے ۹۰ فیصد لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم کا کوئی انتظام نہ تھا۔دیہی علاقوں میں یہ حالت اور بھی خراب تھی۔جہاں رہے سہے اسکول جنگ کے دوران تباہ ہوگئے تھے۔

ایک دانشور برافیٹ روبن کا کہنا ہے کہ اگر افغانستان کی حالت خراب ہے تو اس لیے نہیں کہ افغان عوام بدصورت ہیں۔افغانستان آج پوری دنیا کے لیے آئینہ ہے۔

طالبان نے بیرونی دنیا اور امریکہ کی ساری دلیلیں اور آزادئ نسواں کے نعروں کو انہیں کے منہ پر ماردیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ مغرب اور امریکہ کو اپنی پوزیشن میں اعتدال پیدا کرنے کی ضرورت ہے۔وہ طالبان کو اپنے دل میں جگہ دے، نہ یہ کہ طالبان کو عالمی سامراجی چادر میں لپیٹے۔انسانی حقوق کو تسلیم

کرانے پر زور دے۔

اٹارنی جنرل مولوی جلیل الدولہ مولوی زادہ کا کہنا تھا کہ ہمارا موقف صاف ہے اور وہ یہ کہ جس طرح کی تعلیم اقوام متحدہ چاہتا ہے وہ ملحدانہ تعلیم ہے جو عورتوں کو بے حیائی سکھاتی ہے اور حرام کاری کی طرف لے جاتی ہے۔ اس سے اسلام کی تباہی کی صورت پیدا ہوتی ہے۔ کسی بھی مسلم ملک میں جہاں حرام کاری عام ہو جاتی ہے، وہ ملک تباہ ہو جاتا ہے۔ پھر ملحدوں کے قبضہ میں چلا جاتا ہے کیوں کہ وہاں کے مرد عورتوں کی طرح ہو جاتے ہیں اور عورتیں اپنا بچاؤ کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہتیں۔

جس کو بھی ہم سے بات کرنا ہو وہ اسی دائرہ کے اندر رہتے ہوئے بات کرے۔ قرآن حکیم لوگوں کے مزاج کے مطابق اپنے کو نہیں ڈھال سکتا۔

طالبان اس امر کی وضاحت نہیں کر سکتے کہ اسلام جس کی جڑیں بہت گہری ہیں، حرام کاروں کے ہاتھوں کس طرح نقصان اٹھا تا رہا ہے۔

طالبان شریعت کی بنیاد پر سزائیں تجویز کرتے ہیں۔

طالبان اور اقتصادی مسائل

۱۹۹۷ء کے موسم بہار میں کسان اپنے سرسبز و شاداب کھیتوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔ چند ہفتہ پہلے پودے لگائے گئے تھے، کھاد چھڑکی گئی تھی۔ ۱۹۸۰ء میں سوویت یونین کی فوج نے جو آبی ذخیرے برباد کر دیئے تھے ان کی نئے سرے سے تعمیر کی گئی تا کہ کھیتوں کو پانی مل سکے۔ چند ہفتوں میں کھیت سیراب ہو جائیں گے۔

۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۵ء تک ۲۲۰، ۲۴۰ میٹرک ٹن افیون پیدا کی گئی۔

۱۹۹۷ء میں جب طالبان کے کنٹرول میں ملک آیا تو افیون کی پیداوار میں کمی آ گئی۔ انہوں نے افیون کی کاشت پر پابندی لگا دی۔

طالبان حکومت نے افیون کی جگہ دوسری فصلیں اگانے کے لیے عالمی برادری سے سرمایہ فراہم کرنے کو کہا تا کہ پوست کی کھیتی بند کرائی جا سکے۔ افغانستان میں پیدا ہونے والی ہیروئن کا ۸۰ فیصد یورپ اور ۵۰ فیصد پوری دنیا کو جا تا رہا ہے۔ طالبان حکومت نے کہا کہ ہم دنیا کو سپلائی ہونے والی ہیروئن میں نصف فیصد کمی کرنا چاہتے ہیں اور نئی اور نقد پیدا ہونے والی فصلوں کو اگانا چاہتے ہیں۔

آبپاشی کے طریقہ کار میں سدھار، صنعتوں کا قیام اور قانون کی عمل داری بھی اسی پروگرام کا حصہ ہے۔

طالبان کو اقتصادی ماہرین کی خدمات حاصل ہیں۔ فروری ۱۹۹۹ء سے جنوری ۲۰۰۰ء کے مالی سال کے ترقیاتی پروگرام کے لیے ایک ارب ڈالر کا بجٹ منظور ہوا۔

طالبان میں شامل تاجروں نے صنعت اور بیرونی سرمایہ کاری کی حوصلہ افزائی کی جو طالبان کی لیڈر شپ کی حمایت کرنے میں سنجیدہ ہے۔

معدنی وسائل اور صنعتوں کے وزیر مولوی احمد جان جو سعودی عرب میں قالین کا کاروبار کرتے تھے، طالبان میں شامل ہو کر انہوں نے اپنا کاروبار چھوڑ دیا۔ وہ افغانستان میں صنعتوں کے قیام میں بڑی دلچسپی رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم افغانستان کو جدید ملک کے طور پر ترقی دینا چاہتے ہیں۔ ہمارے پاس وسیع تیل و گیس اور معدنی وسائل ہیں جو غیر ملکی سرمایہ کاروں کے لیے بھی دلچسپی کا باعث ہیں۔ ہم نے افغان اور پاکستانی تاجروں کی مدد سے قالین سازی کی فیکٹریاں قائم کی ہیں۔

غیر ملکی سرمایہ کاروں، خاص کر پاکستان کے تاجروں کو سرمایہ کاری کی ترغیب دلانے کے لیے احمد جان نے فیکٹری کے لیے مفت زمین فراہم کرنے کی بات کہی ہے۔

اقتصادی بدحالی کی وجہ سے صرف وہی لوگ سرمایہ لگا سکتے ہیں جو سڑکیں بنائیں، بجلی پیدا کریں اور مکانات کی تعمیر کر سکتے ہوں۔ پشاور اور کوئٹہ میں رہنے والے ٹرانسپورٹر جو پہلے سے افغانستان میں لکڑی کی تجارت کرتے رہے ہیں معدنیات نکالنے میں دلچسپی رکھتے ہیں۔

جنگ کے زمانہ میں شہروں اور دیہاتوں میں جو لاکھوں بارودی سرنگیں بچھائی گئی تھیں، ان کو ہٹانے میں دشواریوں کا سامنا ہے۔ زرخیز زمینوں پر کاشت اور آبی وسائل کو استعمال کرنے کی راہ میں یہ سرنگیں بڑی حد تک حائل ہیں۔ ۱۹۹۷ء کے بعد بارودی سرنگیں پھٹنے سے چار لاکھ لوگ ہلاک اور اتنے ہی زخمی ہو چکے ہیں۔ سرنگوں کی تلاش کے لیے چار ہزار خاص قسم کے آلات سے مدد لی جا رہی ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق ان سرنگوں کی صفائی میں دس سال تک لگ سکتے ہیں۔

کابل کے پانچ سو مربع میل کے علاقہ کی دو سو مربع میل کی بارودی سرنگیں صاف کی جا چکی ہیں۔

کابل کی دوکانیں پاکستان اور ایران سے اسمگل کی گئی کھانے پینے کی چیزوں سے بھری پڑی ہیں۔ مگر لوگوں کے پاس انہیں خریدنے کے لیے پیسہ نہیں ہے۔

۱۹۷۸ء کے بعد غذائی پیداوار میں اضافہ ہوا ہے۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ طالبان کے قبضہ کے دیہاتی علاقوں میں امن و قانون کی صورت حال بہتر رہی ہے۔ جنگ و جدال میں کمی آئی۔ وطن چھوڑ کر جانے والوں نے واپس آ کر کھیتی باڑی شروع کر دی۔ ۱۹۹۲ء سے ۲۰۰۰ء کے درمیان چالیس لاکھ مہاجر اپنے

وطن واپس آ چکے تھے۔ طالبان کو شہروں میں غذا کی قلت پر قابو پانے کے لیے سات لاکھ پچاس ہزار ٹن گیہوں باہر سے منگانا پڑا۔

یہ وہ شواہد ہیں جو بتا رہے ہیں کہ افغانستان کی اقتصادی تباہی اور امن و قانون کی پامالی میں طالبان کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔ انہیں یہ بربادی حملہ آوروں اور خانہ جنگی سے ورثہ میں ملی تھی۔

اس سے پہلے طالبان کے علاوہ مجاہدین کے سب دھڑے باہمی قتل و غارت گری میں لگ گئے عوامی مسائل حل کرنے کی طرف کسی نے دھیان نہ دیا جس کے ردعمل میں طالبان نے انتظام سنبھال لیا اور اپنے علاقوں میں بے مثال امن و امان قائم کیا۔

طالبان کی تحریک کا آغاز

اٹھارہویں، انیسویں صدی اور بیسویں صدی سے لے کر اکیسویں صدی افغانوں کے لیے مصائب کے طوفان لیے کھڑی رہی اور یہ قوم اپنی غیرت مندی، اعلیٰ اخلاق اور مہمان نوازی کی سزا بھگت رہی ہے۔

برطانیہ پر افغانستان نے حملہ نہیں کیا تھا، روس پر بھی نہیں کیا تھا، نہ امریکہ پر۔ ظاہر ہے کہ افغانستان کے سامنے جو مسائل ہیں وہ افغانیوں کے پیدا کیے ہوئے نہیں ہیں، نہ طالبان اس کے ذمہ دار ہیں۔

افغانستان میں موجودہ مسائل ۱۹۷۹ء سے شروع ہوتے ہیں۔ دسمبر ۱۹۷۹ء میں سوویت یونین ایک لاکھ چالیس ہزار فوج لیکر داخل ہو گیا۔ افغانستان پر یہ حملہ آور تھا۔ اس سے پہلے یہ ملک پرامن تھا۔ دس سال روس قابض رہا۔ پندرہ لاکھ افغانوں کو موت کی نیند سلا دیا۔ دس لاکھ جسمانی طور پر معذور ہو گئے۔ ایک کروڑ اسی لاکھ کی آبادی میں ساٹھ لاکھ روسی مظالم سے بچنے کے لیے ہجرت کر گئے۔ افغانستان کے بچے آج بھی بارودی سرنگوں سے ٹکرا کر مر رہے ہیں جو افغانوں کے خلاف بچھائی گئی تھیں۔ یہ طالبان نے نہیں بچھائی تھیں۔ لیکن حیرت ناک بات یہ ہے کہ دنیا کی انصاف پسند قومیں اور ادارے اس بنیادی نکتہ کو سمجھنے کی زحمت گوارہ نہیں کر رہے ہیں۔

سوویت یونین کے خلاف جنگ کرنے والے افغانوں کو امریکہ، برطانیہ، چین اور فرانس نے مجاہدین کے معزز لقب سے نوازا تھا۔

پاکستان میں سات جہادی جماعتیں تھیں، ایران میں آٹھ جماعتیں تھیں۔ ان سب نے مل کر سوویت یونین سے جنگ کی تھی۔ جب روسی چلے گئے تو یہ سب افغانستان پر حکومت کے دعویدار بن کر باہم گردن زدنی کرنے لگے بجائے اس کے کہ ایک مربوط حکومت کی تشکیل کرتے۔

اس باہمی جنگ میں بعض جگہوں پر جو تباہی آئی وہ روسی حملہ آوروں کے مقابلہ میں زیادہ تھی۔ اس باہمی خوں ریزی میں صرف کابل میں ۶۳ ہزار لوگ مارے گئے اور دس لاکھ دوبارہ اس بدامنی کی وجہ سے ترک وطن کر گئے۔

اس تباہی و بربادی و ہولنا کی کو دیکھتے ہوئے طالب علموں کے ایک گروہ یعنی طالبان، طالب علم کی جمع طالبان نے تحریک شروع کی۔ ہوا یوں کہ جنوبی افغانستان کے صوبہ قندھار میں ایک گاؤں میں ایک کمانڈر نے دو نابالغ لڑکیوں کو اغوا کر لیا اور ان کی آبروریزی کی۔ ان لڑکیوں کے والدین ایک مدرسہ میں گئے اور وہاں کے استاد سے فریاد کی۔ مدرسہ کے مدرس نے اپنے طالب علموں کو ساتھ لے کر سولہ رائفلوں کی مدد سے اس کمانڈر پر حملہ کر دیا۔ بچیوں کو آزاد کرالیا۔ پھر کمانڈر اور اس کے ساتھیوں کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ اس بات کی خبر چاروں طرف پھیل گئی۔ بی بی سی ریڈیو نے بھی یہ خبر دنیا بھر میں پہنچا دی۔

اس واقعہ کے بعد دوسرے طالب علم بھی تحریک میں شامل ہونے لگے اور دیگر جنگجو کمانڈروں کو غیر مسلح کرنے لگے۔

یہی طالب علموں کی تحریک طالبان کے نام سے افغانستان کے ۹۵ فیصد حصہ پر قابض ہو گئی۔

طالبان کی کامیابیاں

طالبان صرف پانچ سال تک حکومت میں رہے۔ اس مدت میں انہیں جو کامیابیاں ملیں وہ آپ کی جانکاری کے لیے نئی ہوں گی۔

☆ سب سے پہلے انہوں نے ملک کے بکھرے ہوئے شیرازہ کو یکجا کیا جب کہ دوسرے لوگ ناکام ہو چکے تھے۔

☆ آبادی کو غیر مسلح کیا۔ یہ مشکل کام کوئی اور نہ کر سکا۔ روس کے حملہ کے بعد ہر شخص کے پاس کم از کم ایک کلاشنکوف تھی۔ اسٹنگر میزائل سمیت جدید ترین ہتھیار تھے جو مختلف مقامات پر پھیلے ہوئے تھے۔ یہاں تک کہ لڑاکو طیارے اور ہیلی کاپٹر تک موجود تھے۔ ان لوگوں سے ہتھیار لینا ناممکن سمجھا جاتا تھا۔ ۱۹۹۲ء میں اقوام متحدہ نے تین بلین ڈالر جمع کرنے کی اپیل کی تاکہ یہ ہتھیار افغانوں سے خریدے

جا سکیں۔ لیکن اس منصوبہ پر عمل درآمد اس لیے نہ ہو سکا کہ یہ ناممکن تھا۔ اس کے بدلہ دنیا نے افغانستان کو آگ و خون میں جھونک دیا جب کہ طالبان نے ۹۵ فیصد آبادی کو غیر مسلح کر دیا۔

☆ انہوں نے ایک مرکزی حکومت قائم کی جو برسوں سے ناپید ہو چکی تھی۔ ایک مربوط و مستحکم حکومت جس کا حکم و قانون لوگوں پر نافذ ہو۔ یہ بھی بڑی کامیابی تھی۔

☆ چوتھی کامیابی جو دنیا بھر کے لیے حیرت انگیز تھی، وہ یہ کہ انہوں نے ۷۵ فیصد افیون کی پیداوار ختم کر دی۔ افغانستان میں دنیا میں پیدا ہونے والی افیون کا ۷۵ فیصد حصہ پیدا ہوتا تھا۔ طالبان نے ایک حکم کے ذریعہ لوگوں سے کہا کہ وہ پوست کی کاشت بالکل بند کر دیں۔ اس سال اقوام متحدہ کے منشیات کنٹرول کرنے والے ادارے کے سربراہ مسٹر برنارڈ الیف نے بڑے فخر سے یہ اعلان کیا کہ اس سال افیون کی کاشت صفر فیصد رہی۔

یہ اطلاع خود یو این ڈی سی پی کے لیے خوش آئند نہ تھی کیونکہ اس کے بعد اس ادارے کے زیادہ تر افراد ملازمت سے فارغ کر دیے گئے۔ اس ادارے میں لگ بھگ سات سو لوگ نام نہاد ماہرین کی شکل میں موجود تھے جو صرف تنخواہیں وصول کرتے تھے اور کبھی افغانستان جانے کی تکلیف نہ اٹھاتے تھے۔

ان میں اکثر اس اقدام سے خوش نہ تھے۔ اس لیے کہ ان کی ملازمتیں ختم کر دی گئی تھیں۔

☆ طالبان کی پانچویں کامیابی یہ تھی کہ انہوں نے انسانی حقوق بحال کر دیے جب کہ ان پر انسانی حقوق کی پامالی کا الزام ہے۔ حقیقت میں معاملہ اس کا الٹا ہے۔ بنیادی انسانی حقوق میں سب سے بڑا حق جینے کا ہے۔ زندہ رہنے کا حق، یہ حق طالبان نے اپنے عوام کو فراہم کیا۔ ان سے پہلے کسی کی زندگی محفوظ نہ تھی۔ انہوں نے افغانستان کے لوگوں کو محفوظ اور پرامن زندگی عطا کی۔ دوسرے یہ کہ آزادانہ اور صاف ستھرا انصاف دلایا جس کے لیے کچھ خرچ کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی۔ افغانستان میں امریکہ یا دوسرے ملکوں کی طرح انصاف خریدنا نہیں پڑتا تھا۔

عورتوں کے حقوق کے بارے میں

طالبان پر عورتوں کے حقوق کے سلسلہ میں بڑھ چڑھ کر تنقید کی گئی۔ آپ کو پتہ ہے کہ طالبان سے پہلے وہاں کیا ہوتا تھا؟ افغانستان کے دیہاتوں میں عورتوں کو جانوروں کی طرح استعمال کیا جاتا تھا۔ ان کی باقاعدہ خرید و فروخت ہوتی تھی۔ انہوں نے اس قابل نفرت رواج کو ختم کر دیا۔ عورتوں کو اپنا شوہر چننے کا اختیار نہ تھا۔ طالبان نے عورتوں کو یہ اختیار دلایا کہ وہ اپنا جیون ساتھی منتخب کرنے میں اپنی رائے

دے سکتی ہیں۔

افغانستان میں ایک اور گھناؤنی رسم رائج تھی جہاں عورتیں تحفہ کے طور پر بھیجی اور وصول کی جاتی تھیں۔ یہ مذہبی نہیں قبائلی رواج تھا۔ جب دو جنگجو قبیلے صلح کرتے تو عورتوں کے تبادلہ کا رواج تھا۔ اسے ختم کر دیا گیا۔

۱۹۹۶ء میں طالبان نے جب کابل پر قبضہ کیا تو عورتوں سے گھروں میں رہنے کو کہا گیا۔ وہ عورتوں کو ہمیشہ کے لیے گھروں میں قید کر دینا نہیں چاہتے تھے بلکہ ان کا کہنا تھا کہ اس وقت ہر طرف بدامنی ہے اور قانون کہیں نہیں ہے اس لیے عورتیں فی الحال گھروں مین رہیں۔ جب انہوں نے امن و امان قائم کر لیا تو خواتین کام پر واپس آ گئیں۔ یہ ضرور ہے کہ افغانستان میں عورتیں امریکہ کی طرح وزارت دفاع میں کام نہیں کرتیں، عورتوں کو لڑاکا پائلٹ نہیں بنایا جاتا، وہ اشتہارات میں ڈیکوریشن پیس کی طرح استعمال نہیں کی جاتیں، لیکن وہ وزارت صحت میں کام کرتی ہیں، وہ وزارت داخلہ میں سرگرم ہیں، وزارت تعلیم اور سماجی بہبود کی وزارتوں میں اپنے فرائض انجام دیتی ہیں۔

اسی طرح عورتوں کی تعلیم سے متعلق بھی کوئی مسئلہ نہ تھا۔ اس لیے کہ علم اسلام کے عقیدہ کا مسئلہ ہے۔ مسلم مردوں اور عورتوں کو علم حاصل کرنے کا حکم ہے۔ عورتوں کے لیے علاحدہ تعلیم کا مرکز ہونے کا یہ مطلب کہاں ہے کہ ان کی تعلیم کی مخالفت کی جارہی ہے۔ اسلام مخلوط تعلیم اور مخلوط نظام کا مخالف ہے۔

طالبان نے چند اسکول قائم کیے مگر اصل مسئلہ ان کے سامنے وسائل کا ہے۔ اس لیے کہ منصوبہ بندی میں وسعت پیدا کرنے میں دشواریاں کھڑی ہیں۔

طالبان کی حکومت قائم ہونے سے پہلے ملک میں کئی نصاب رائج تھے۔ یہ نصاب شاہی فضائل کو بیان کرنے والے تھے۔ ان میں اشتراکی نصاب بھی شامل تھا۔ پھر وہ نصاب جو سات جماعتوں کے اتحاد نے مرتب کیا تھا۔ ایسی صورت میں طالب علم یہ سمجھ نہیں پارہا تھا کہ کیا پڑھا جائے۔

طالبان نے ایک نصاب مرتب کرنے کا کام کیا۔ افغانستان کے بڑے شہروں اور قندھار میں انہوں نے یونیورسٹی آف میڈیکل سائنس دوبارہ چالو کر دی۔ اس یونیورسٹی میں لڑکیوں کی تعداد لڑکوں سے زیادہ ہے۔ سویڈش کمیٹی نے بھی لڑکیوں کے لیے اسکول قائم کیے ہیں۔ طالبان انتظامیہ جانتی تھی کہ انتظامات ناکافی ہیں۔ مگر افراتفری کے ماحول میں جتنا وہ کر سکتے تھے انہوں نے اپنی قوم کی بھلائی کے لیے کیا۔ اس سے پہلے کسی کو عوامی بھلائی کے کاموں سے دلچسپی نہ تھی۔

طالبان پر دہشت گردی کا الزام

طالبان پر دہشت گردی کی سرپرستی کا الزام ہے جب کہ امریکہ کے لیے دہشت گرد صرف اسامہ بن لادن ہے۔ کیا دنیا نہیں جانتی کہ طالبان کے آنے سے سترہ برس پہلے سے اسامہ بن لادن افغانستان میں موجود تھا۔ اس نے روسیوں سے لڑائی لڑی تو اس وقت امریکہ کے صدر رونالڈ ریگن اور ڈگ چینی نے اس کو حریت پسند اور آزادی کے ہیرو جیسے القاب سے یاد کیا تھا اور کہا تھا کہ یہ لوگ اپنے مقصد کی جنگ کر رہے ہیں۔ اب جب کہ سوویت یونین ٹوٹ گیا تو یہ لوگ بے حیثیت ہو گئے اور ان کو دہشت گرد بنا دیا گیا۔ یہی سب کچھ یاسر عرفات کے ساتھ ہو چکا ہے جن کو دہشت گرد سے ہیرو بنا دیا گیا تھا۔

دنیا بتائے کہ ان کارروائیوں میں جن کا الزام اسامہ پر ہے اور ۱۹۹۸ء میں افغانستان پر امریکہ کے کروز میزائل سے حملہ میں کیا فرق ہے۔ اگر دہشت گردی کا مطلب آنکھ بند کر کے بے گناہ شہریوں کو ہلاک کرنا ہے تو دونوں کارروائیوں میں بے گناہ شہری مارے گئے۔

امریکہ کی حکومت نے ایک ایسے شخص کو مارنے کی کوشش کی جس پر اس نے آزادانہ مقدمہ نہیں چلایا اور نہ ہی اپنے بچاؤ میں اسے صفائی دینے کا اختیار دیا۔ ۱۹۹۸ء میں اس نے افغانستان پر کروز میزائل برسائے اور کہا ہم اسامہ بن لادن کو مارنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

اس وقت تک طالبان اسامہ بن لادن سے زیادہ واقف نہ تھے۔ ملا عمر بھی اسے نہیں جانتے تھے۔ اس کی حیثیت ایک عام انسان جیسی تھی۔ ذرا سوچئے ۷۰ کروز میزائل سے ایک آدمی کو مارنے کی کوشش کی گئی اور وہ شخص زندہ بچ گیا جس میں انیس بے گناہ طالب علم شہید ہو گئے مگر امریکہ نے ان ہلاکتوں پر کوئی معذرت نہ کی۔

طالبان کی تجاویز

طالبان نے کھلے ذہن کے ساتھ کہا کہ اگر واقعی کینیا اور تنزانیہ کے واقعات میں اسامہ ملوث ہے تو ہم کو شواہد فراہم کرائے جائیں، ہم اسے سزا دیں گے۔ لیکن کسی نے ثبوت فراہم نہیں کیے۔ امریکہ نے طالبان سے کہا کہ ہمیں تمہارے عدالتی نظام پر بھروسہ نہیں ہے۔ انہوں نے ایک ایسے شخص کو مارنے کی کوشش کی جس پر مقدمہ نہیں چلایا گیا اور نہ ہی صفائی کا موقع دیا گیا۔ اگر کوئی چور ڈاکو یا کسی بھی قسم کا مجرم ہے تو پولیس اس کے گھر بار کو تو تباہ نہیں کر دے گی۔ اس کو ہر حال میں عدالت کے سامنے پیش کرنا ہوگا۔

چنانچہ طالبان کی پہلی تجویز رد کردی گئی اور امریکہ نے کہا کہ اسامہ کو ہمارے حوالہ کرنا ہوگا اور لازمی طور پر نیویارک بھیجنا ہوگا۔

طالبان نے جواب میں کہا کہ ہم اس پر تیار ہیں کہ ایک بین الاقوامی نگراں گروپ افغانستان بھیجا جائے جو اسامہ کی نگرانی کرے تا کہ دوبارہ ایسی کوئی کارروائی نہ ہو سکے۔ حالانکہ اسامہ کے پاس کوئی مواصلاتی نظام نہیں ہے لیکن یہ تجویز بھی رد کردی گئی۔

چھ ماہ بعد طالبان نے تیسری تجویز پیش کی کہ وہ اسامہ بن لادن پر کسی تیسرے مسلم ملک میں مقدمہ چلانے کے لیے تیار ہیں۔ یہ تجویز بھی رد کردی گئی۔

اصل میں امریکہ کو ایک ایسے شخص کی تلاش ہے جس کا ''ہوا'' امریکی عوام کے سامنے کھڑا کیا جا سکے اس لیے کہ امریکی عوام ''ہوے'' سے ڈرتے ہیں۔ امریکہ ہمیشہ سے یہی کرتا رہا ہے۔

یاد رکھیں کہ گورباچیف نے کہا تھا کہ میں امریکہ کے خلاف بدترین کارروائی کرنے والا ہوں۔ دنیا سمجھنے لگی کہ شاید وہ امریکہ کو ایٹمی ہتھیاروں سے تباہ کر دے گا۔ لیکن اس کا کہنا تھا کہ سوویت یونین امریکہ کے مدمقابل ایک سپر پاور ہے اسی لیے اس نے اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا۔ روس کے ٹکڑے ہونے کے بعد روس کا ''ہوا'' ختم ہو گیا تو پنٹاگون، سی آئی اے اور ایف بی آئی میں بے شمار ملازمتیں ختم کر دی گئیں۔

لہٰذا روس کے بعد امریکہ نے اسامہ کی شکل میں ایک ''ہوا'' امریکی عوام کے سامنے کھڑا کر کے کہا کہ امریکی عوام محفوظ نہیں لہٰذا ان کی حفاظت کے لیے وہ جنگ کر رہے ہیں۔ اسامہ امریکہ کے لیے خطرہ ہے تا کہ سالانہ بجٹ کی منظوری حاصل کر لی جائے۔

افغانستان دہشت گرد ملک نہیں ہے۔ وہ تو ایک سوئی بھی نہیں بنا سکتا ہے تو وہ دہشت گرد کیسے ہو سکتا ہے۔ دنیا جانتی ہے کہ وہ کون سے ممالک ہیں جو وسیع پیمانہ پر تباہی پھیلانے والے ہتھیار بنا رہے ہیں اور کمزور ملکوں کی زمین دوز دولت ہتھیانے کے لیے ان پر حملہ آور ہیں۔ دراصل یہی ملک اصل دہشت گرد کہلانے کے مستحق ہیں۔

لیکن نو سال گزر گئے، افغانستان کا چپہ چپہ چھان مارا، جب اسامہ نہیں ملا اور افغانستان میں اس کا نام ونشان باقی ہے تو اس کا ''ہوا'' دکھا کر افغانستان سے امریکہ اور یورپ کے اس کے صلیبی اتحادی کیوں واپس نہیں جاتے؟

افغانستان کے خلاف پابندیاں

روس کی تجویز پر اقوام متحدہ نے افغانستان پر پابندیاں لاد دیں۔ایک ایسا ملک جو ۲۳ برس کی لگا تار جنگ سے بدحال ہو چکا ہو، جس کا بنیادی ڈھانچہ تباہ ہو چکا ہو، مہاجرین کے مسائل ہوں، کھیتوں میں جگہ جگہ بارودی سرنگیں ہوں، جہاں سینکڑوں بچے مر رہے ہوں اور اوپر سے پابندیاں، سردی اور ناقص غذا کی وجہ سے عوامی زندگی میں زہر گھلا ہو اور ان کے لیے بات نہ کر کے دنیا مجسموں کو خوبصورت بنانے کے لیے فکر مند ہو، جو لوگ افغان عوام کے مستقبل کو تباہ کر رہے ہوں ان کو کوئی حق نہیں کہ ماضی کے لیے فکر مند ہوں اور مجسموں کو خوبصورت بنانے کی بات کریں۔طالبان نے علماء کی مجلس کے سربراہ سے بات کی کہ مجسموں کا معاملہ کیا ہے۔

انہوں نے بتایا کہ یونیسکو، سویڈن اور ناروے اور این جی او کے لوگ ایک منصوبہ لے کر آئے ہیں جس کے تحت مجسموں کے چہرے جو بارش سے خراب ہو چکے ہیں از سر نو ان کو بارونق بنائیں گے۔ان کی آرائش کی جائے گی۔

عوام کا مطالبہ تھا کہ یہ رقم افغانستان میں لب دم بچوں کی جان بچانے کے لیے خرچ کر دی جائے تو انہوں نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ یہ رقم صرف مجسموں کے لیے ہے۔

نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ مشتعل ہو گئے اور انہوں نے کہا کہ اگر تم کو ہمارے بچوں کی فکر نہیں ہے تو ہم ان مجسموں کو اڑا دیں گے۔

اگر آپ کے بچے آپ کی آنکھوں کے سامنے مر رہے ہوں، آپ پر اقتصادی پابندیاں ہوں اور وہی لوگ جنہوں نے پابندیاں لگائی ہیں آئیں اور بچوں کی لاشوں سے گزر کر مجسموں کی آرائش کرنے لگیں تو آپ کیا کریں گے؟

اس بیچ کوفی عنان پاکستان آئے اور کہا کہ وہ طالبان کے نمائندہ سے ملیں گے۔لیکن اس نے اتنی زحمت نہیں کی کہ افغانستان جاتا اور بیمار و نیم جان بچوں کے بارہ میں بات کرتا۔افغانستان کی بدحالی کے بارہ میں بات کرتا۔وہ ساٹھ لاکھ مہاجرین کے بارہ میں بات کرتا۔وہ صرف مجسموں کے لیے آیا تھا۔یہ کتنی مضحکہ خیز اور احمقانہ بات تھی تباہی کے اس ماحول میں۔

یہ لوگ بیمار و نیم جان بچوں کی بات نہیں کرتے، مارے جانے والوں کی بات نہیں کرتے، کروز میزائلوں کی بات نہیں کرتے، افغانستان میں غیر ملکی مداخلت اور جارحیت کے بارہ میں بات نہیں

کرتے۔انہیں ایک ''پکنک سائٹ'' چاہئے۔وہ ان مجسموں کی آڑ میں ایک ''پکنک سائٹ'' بنانا چاہتے تھے۔

طالبان کا کہنا تھا کہ یہ پابندیاں جو ہم پر لگائی گئی ہیں، ہمیں جھکا نہیں سکتیں۔اس لیے کہ ہمارے لیے ہمارے اپنے نظریات ہیں۔اقتصادی پابندیوں سے ہمارا نظریہ بدلنے کا خیال احمقانہ ہے۔یہ کبھی کارگر نہ ہو سکے گا۔یہ امریکہ میں کارگر ہوسکتا ہے جہاں پیسہ ہی سب کچھ ہے۔ہم تو وہ لوگ ہیں جن کا عقیدہ یہ ہے کہ ـــ ''کسی مقصد کے لیے مرنا بے مقصد جینے سے بدرجہا بہتر ہے''۔

امریکہ پر حملہ آور کون؟

بروز منگل ۱۱ستمبر ۲۰۰۱ءکو امریکی شہروں پر ہونے والے حملہ کے بارہ میں امریکی تحقیقاتی ادارے یہ بتا نہ سکے کہ اصل حملہ آور کون ہے؟ کسی چوری کی تحقیقات کرنے والا جب وہی خود ہو تو کون بتائے کس کو کہ اصل مجرم کون ہے؟ ان تحقیقاتی اداروں نے القاعدہ اور اسامہ کی طرف شک کی انگلی اٹھائی مگر اب تک کسی گروپ یا شخص کے بارہ میں حتمی فردِ جرم عائد نہ کی جا سکی۔

۱۱ستمبر کو نیو یارک اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر جو بیتا ہی آئی اس کے نتیجہ میں امریکہ کا رویہ بالکل تبدیل ہو گیا۔اب وہ بلا رنگ ونسل تارکین وطن کا ملک نہیں رہا جہاں کسی شہری پر امتیازی سلوک پر مقدمے دائر ہو جاتے ہوں۔اب اس کی نفسیاتی فکر اور قانونی اپروچ بالکل بدلی ہوئی ہے۔یعنی بدلے بدلے میرے سرکار نظر آتے ہیں، مگر اپنے کئے پر پچھتاتے نظر نہیں آتے ہیں۔

اب اگر آپ مسلمان ہیں، عرب ہیں یا پاکستانی ہیں تو شک وشبہ کی سوئی آپ کے گرد گردش کرتی دکھائی دے گی۔آپ کو ثابت کرنا ہے کہ آپ دہشت گرد نہیں ہیں بلکہ پرامن شہری ہیں۔

امریکہ میں تین سو سے زیادہ ایسے معاملات ہو چکے ہیں جو شر پسند امریکیوں کی جانب سے امریکی مسلمانوں کے خلاف نسلی اور مذہبی منافرت کے ہیں جس کی صفائی کے لیے صدر بش واشنگٹن ڈی سی کے اسلامک سنٹر میں گئے تا کہ ان کے اس علامتی دورہ سے یہ ظاہر ہو کہ امریکہ کے مسلمان امریکی نظام زندگی کا حصہ ہیں اور ذمہ دار شہری ہیں۔ان کے خلاف ہونے والے مذہبی منافرت کے واقعات کی مذمت بھی کی۔مگر منافرت پھیلانے والے اور پولس حاکم کی نیت دیکھتے ہیں، زبان سے نکلے ہوئے الفاظ نہیں۔

پانچ دنوں کے اندر تین سو نفرت انگیز واقعات تو سرکاری طور پر ریکارڈ کئے گئے ہیں۔

امریکہ میں بھی مسلمان اپنی شناخت اور بقا کے چیلنج سے دوچار ہیں۔

اگر سفید نسل پرست تنظیم کوکلس کلان (K.K.K.) کی دہشت گردی، سیاہ فام امریکیوں اور دوسری نسل و رنگ کے لوگوں کے قتل اور ان کے گھروں کو جلانے والے ریکارڈ کے باوجود سفید نسل کے تمام لوگوں کو ذمہ دار نہیں ٹھہرایا جاسکتا تو پھر واہمہ کی بنیاد پر جس کی ابھی تصدیق بھی نہ ہو سکی ہو کہ ۱۱ ستمبر کے واقعہ کے اصل ملزم کون ہیں؟ پوری مسلم قوم کو دہشت گرد کیوں قرار دے دیا گیا؟

۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو ایک بج کر پچاس منٹ پر دنیا پر حکمرانی کا خواب دیکھنے والوں کی راجدھانی میں ہنگامی حالات کا راج تھا۔ دوپہر دو بجے تک تمام اسٹاک مارکیٹیں بند کر دی گئی تھیں اور شام ساڑھے چار بجے بش کا ائیر فورس وَن واشنگٹن آ رہا تھا۔ چھ گھنٹوں تک امریکی صدر کا جہاز اپنے ہی ملک میں محفوظ پناہ گاہ کی تلاش میں ہوا میں اڑتا رہا۔ ان کے لیے سول ہوائی اڈے غیر محفوظ سمجھے جا رہے تھے۔ جب کوئی فرد واحد یا قوم کسی خوف میں مبتلا ہو جائے تو پاگل پن میں اس کے ذریعہ کوئی بھی قدم اٹھایا جاسکتا ہے۔

صدر بش قوم سے ٹی وی پر خطاب کرنے والے تھے لیکن اس میں مزید چار گھنٹے کی دیری ہوگئی۔

ہیجان، ہذیان اور خوفناک جذبات کے سوا کوئی لفظ اس خطاب میں موجود نہ تھا۔ سارا دن خوف و ہراس اور حواس باختہ رہنے والے صدر نے رات کی تاریکی میں مسلمانوں کو اس طوفان بلاخیز کا بلا کسی تحقیق کے مجرم قرار دے دیا اور اسامہ بن لادن پر لعنت ملامت کی بارش شروع کر دی۔

امریکہ کی جو ایجنسیاں بے پناہ وسائل کے باوجود حملہ نہ روک سکیں، انہوں نے من مانے طور پر ملزم بھی پیدا کر لیے اور میڈیا انہیں کو مجرم ثابت کرنے پر لگ گیا۔ دنیا کی عظیم ترین جمہوریت کے دعویدار جمہوری عدل و توازن سے یوں محروم ہو گئے کہ آنکھ والے پوری دنیا میں حیران ہو کر اس منظر کو دیکھتے رہ گئے۔

۱۱ ستمبر کو صبح ۸ بج کر ۴۸ منٹ پر پہلا طیارہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر سے ٹکرایا۔

امریکہ کے سکریٹری دفاع نے اعلان کیا کہ امریکہ کے دشمن چین سے نہیں بیٹھیں گے۔

مگر دشمنوں کو پہچانا نہیں جا سکا۔ لیکن امریکی حکام اندھیرے میں تیر چلا کر اصل دشمن سے آنکھیں چرا کر القاعدہ کی دہشت گردی کی طرف اشارہ کر کے اسامہ بن لادن کو براہِ راست اس کا ذمہ دار ٹھہراتے رہے۔

لیکن آج تک حکام کے پاس جو شواہد تھے، وہ اس لیے سامنے نہ آ سکے کہ اس کارروائی میں یا تو امریکی سی آئی اے کا ہاتھ یا اسرائیلی خفیہ ایجنسی موساد کا تاکہ اسامہ کا ہوا کھڑا کر کے صدام کی طرح اب

افغانستان پر حملہ کا جواز پیدا کیا جائے۔

ہیمبرگ کی پولس نے امریکہ میں حملوں کے واسطے سے ایک شخص کو نظر بند کیا جب کہ کچھ دوسروں کی تلاش جاری ہے۔

جرمنی نے مشتبہ افراد کو گرفتار نہیں کیا بلکہ حملوں کے بعد ایک شخص کو نظر بند کیا جن کا تعلق عرب ممالک سے تھا۔ منیب کو مشتبہ قرار دیا گیا لیکن شواہد اب تک سامنے نہیں آئے جس سے ثابت ہو سکتا کہ وہ لوگ تھے جو دہشت گردی میں شامل تھے۔

امریکی حکام مسلسل کہتے رہے ہیں کہ ان حملوں کا ذمہ دار اسامہ بن لادن ہے جب کہ اسامہ بن لادن ان حملوں میں اپنی ذمہ داری سے انکار کر چکے ہیں۔

بش کا افغانستان پر حملہ کا اعلان

بش نے اعلان کیا کہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے افغانستان پر حملہ کر دیا۔ دہشت گردی کے خاتمہ تک یہ جاری رہے گا۔ طالبان نے امریکہ کے مطالبات منظور نہیں کئے۔ انہیں اس کی قیمت چکانا پڑے گی۔ افغانستان کے علاوہ دنیا میں قاتلوں کو پناہ دینے والوں کو بھی اس کی قیمت چکانا ہوگی۔

صدر بش نے اتوار کو ٹیلی ویژن پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ میرے حکم پر امریکی فوج نے افغانستان میں القاعدہ کے نیٹ ورک اور طالبان کی فوجی تنصیبات کو نشانہ بنانے کے لیے اور طالبان کی فوجی صلاحیت کو ختم کرنے کے لیے یہ حملے شروع کئے ہیں۔ اس آپریشن میں برطانیہ امریکہ کے ساتھ ہے۔ اس کے علاوہ کناڈا، جرمنی، آسٹریلیا اور فرانس بھی امریکہ کے ساتھ ہیں۔ دنیا کے چالیس ممالک ہمارے ساتھ ہیں۔

امریکہ افغان عوام کا دوست ہے، افغان عوام کو امداد کے لیے خوراک، دوائیں اور دیگر اشیاء افغانستان بھجوادی جائیں گی جو افغان عوام سے دوستی کا ثبوت ہے۔

طاقت کے نشے میں چور طاقتیں کمزور قوموں کو بے وقوف سمجھتی ہیں کہ پہلے ماریں گے، زخمی کریں گے، کھیتیاں برباد کریں گے، بعد کو دوا اور گوبھری روٹی دے کر اپنے کو دوست ثابت کرنے کی کوشش کریں گے۔

''پائیدار آزادی'' کے لیے آپریشن شروع کیا گیا ہے۔ بش کا اعلان اور یہ آزادی پوری دنیا کے لیے ہے۔ مگر شاید دنیا میں افغانستان، عراق اور وزیرستان نہیں آتے۔

صدر بش نے کہا کہ امریکہ کی فوج دنیا کے مختلف خطوں میں دہشت گردوں کے خلاف مصروف عمل ہے۔ وہ امریکہ کے وسیع تر مفاد میں ہے۔

بش کے آخری کلمات جھوٹے خداؤں کے لہجہ میں ادا ہو رہے تھے۔ دہشت گردی کے خلاف اس جنگ میں امریکہ نہ تھکے گا، نہ ناکام ہوگا اور نہ غلطی کرے گا۔

یہ ساری صفات خداوند قدوس سے جڑی ہوئی ہیں مگر ہر فرعون کو پتہ نہیں ہوتا کہ اس کا سر جھکانے کے لیے موسیٰ کی شکل میں کوئی نہ کوئی پیدا کیا جاتا ہے۔ فرعون نما بش کے لیے اللہ تعالیٰ نے منتظر الزیدی کو کھڑا کیا اور اس کے جوتے کے آگے بڑا بولنے والے کا سر دوبار جھک گیا۔

جنگی امور کے امریکی ماہرین نے بھی افغانستان کے خلاف کارروائی کو امریکہ کے لیے نقصان پہنچانے والی کارروائی بتایا۔ ویتنام میں اس صدی کی شرمناک شکست کھانے والے امریکہ کے بارہ میں کہا گیا کہ وہ ایک اور (ویتنام) کی طرف افغانستان کی شکل میں داخل ہو رہا ہے۔

امریکہ کے اندر اور باہر مختلف فورموں پر امریکی حکمرانوں کے افغانستان پر حملہ کے خلاف شدید نکتہ چینی کی گئی۔ مگر طاقت کے نشے میں امریکہ نے نہ اپنوں کی سنی نہ دوسروں کی، نہ ہی ویتنام کی تاریخی شکست سے کوئی نتیجہ اخذ کیا۔ ہندی کے شاعر نے ٹھیک کہا تھا جس کو خدا بھیانک قسم کا دکھ دینا چاہتا ہے اس کی عقل پہلے مارتا ہے۔

افغانستان میں امریکی دہشت گردی کا تاریخ وار گوشوارہ

۷؍اکتوبر ۲۰۰۱ء — ۱۹؍رجب ۱۴۲۲ء مطابق ۱۷؍۱؍۲۰۰۱ء پیر کا دن اس وقت دہشت گردی اور ظلم و ستم کا ایک سیاہ باب بن گیا ہے جب نو بج کر چالیس منٹ پر عالمی دہشت گرد امریکہ اور اس کے چیلے برطانیہ نے دنیا کے سب سے کمزور و نادار ملک پر آگ اور بارود کی مسلسل بارش کر کے درجنوں معصوم شہریوں کو خاک و خون میں لت پت کر کے رکھ دیا۔

تفصیلات کے مطابق بزدل امریکہ اور برطانیہ کے طیاروں نے اتوار اور پیر کی درمیانی شب کابل، جلال آباد اور قندھار پر بمباری، قندھار ہوائی اڈے کے قریب طالبان کمانڈر بیس اور بجلی گھر تباہ مواصلاتی نظام ناکارہ، جلال آباد میں طیارہ شکن توپوں اور ریڈار کو نشانہ بنایا، مزار شریف کے فضائی اڈے، قندوز، ہرات اور زرنجران شہر پر حملہ، امریکی و برطانوی بحری جہازوں سے کروز میزائلوں کی بارش ہوئی۔ بی ون، بی ٹو، اور بی-52، طیاروں کی رات بھر بمباری، شیین ڈنڈ ایئرپورٹ پر طالبان نے امریکی بمبار طیارہ مار گرایا۔ پائلٹ ہلاک تمام ایئرپورٹ بند، کمانڈرز نے پوزیشنیں سنبھال لیں۔ افغان ریڈیو اسٹیشن کی نشریات بند، کرفیو کے باوجود کابل قندھار اور دیگر شہروں سے بڑے پیمانے پر انخلا۔ اتوار کی صبح کئی امریکی C-130 طیارے اور ہیلی کاپٹر سمندر کی جانب سے پرواز کرتے ہوئے پسنی ایئرپورٹ پر اُترے۔ کنٹرول ٹاور میں امریکی بھی موجود تھے۔ اس حملہ میں 50 کروز میزائلوں اور 25 طیارے استعمال ہوئے۔

لیکن ان تمام ترلرزہ خیزیوں کے باوجود اور مقاصد کے اعتبار سے امریکہ کا پہلا فضائی حملہ مکمل طور پر ناکام رہا۔ ملا عمر اور دیگر طالبان قائدین حملہ شروع ہوتے ہی محفوظ مقامات پر منتقل ہو گئے۔

ملا عمر نے اعلان کیا کہ حملہ دہشت گردی ہے، جہاد فرض ہو گیا ہے۔ اسامہ کو حوالہ نہیں کریں گے۔ اور اب فیصلہ مذاکرات سے نہیں جنگ سے ہوگا۔

حملے کے کچھ دیر بعد امریکہ صدر بش نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ دہشت گردی کے خلاف طویل جنگ کا آغاز کر دیا گیا ہے اور ہم یہ جنگ جیتیں گے۔

پہلے حملے سے کچھ دیر قبل ہی یہ اطلاعات ملی تھیں کہ امریکہ نے 4 وسط ایشیائی ریاستوں میں نیوٹران بم پہنچا دیئے ہیں۔

پہلا حملہ، لمحہ بہ لمحہ

9:40 پر امریکی اور برطانوی فوج کا کابل پر حملہ۔

9:50 پر جلال آباد پر حملہ۔

10:05 پر طالبان کا قندھار کا بیس تباہ۔

10:10 پر برطانیہ کی تصدیق کہ وہ حملہ میں شامل ہے۔

10:15 پر ظاہر شاہ کا حملوں پر اظہارِ افسوس۔

10:50 پر حملوں کا دوسرا مرحلہ شروع ہوا۔

10:55 پر شمالی اتحاد نے تربیتی کیمپوں پر امریکی حملوں پر خوشی کا اظہار کیا۔

11:00 بجے بھارت نے امریکی حملوں کی مکمل حمایت کی۔

11:13 پر مزار شریف پر حملہ ہوا۔

11:25 پر اسامہ بن لادن اور ملا عمر کے محفوظ ہونے کے بارے میں پہلی اطلاع۔

11:27 پر غیر ملکی خبر رساں ادارے کا اعلان کہ حملوں میں پاکستان کی فضائی حدود کا استعمال ہوا۔

11:35 پر شمالی اتحاد نے بڑا حملہ شروع کیا۔

11:41 پر فرانسیسی صدر کا اعلان کہ حملوں میں فرانس بھی شریک ہوگا۔

12:25 پر طالبان نے دعویٰ کیا کہ انہوں نے امریکی طیارہ مار گرایا۔

12:30 پر ایران نے کہا کہ امریکی حملے نا قابل برداشت ہیں۔

12:35 پر افغانستان کے مشرقی علاقے میں ایرانی سرحد کے نزدیک طالبان اور شمالی اتحاد کے درمیان شدید جھڑپ شروع ہوئی۔

۸/اکتوبر 2001ء — 20/طیاروں کی وحشیانہ بمباری

افغانستان پر دوسرے دن بھی حملے جاری رہے۔جن میں 31 مقامات کونشانہ بنایا گیا۔20 بمبار طیاروں نے کاروائی میں حصہ لیا۔کروز میزائلوں نے طالبان کی زمینی افواج کونشانہ بنایا،کابل،قندوز، قندھار،جلال آباداور مزارشریف پر حملے،2 شہراندھیرے میں ڈوب گئے۔جلال آباد ایئرپورٹ تباہ۔ طالبان ریڈیو کی نشریات بند ہوگئیں۔

امریکی حملوں کے جواب میں طالبان نے اعلان کیا کہ امریکی حملوں کے نتائج بھیانک نکلیں گے۔ ملاعمراوراسامہ بن لادن محفوظ ہیں،ہم سامراجی کاروائیوں سے خوفزدہ نہیں،فوجی تنصیبات کوکوئی نقصان نہیں پہنچا۔حملہ پوری مسلم دنیا کے لیے وارننگ ہے۔طالبان نے یہ بھی دعویٰ کیا کہ امریکہ نے کابل کی آبادیوں پرحملہ کرکے بے گناہ شہریوں کونشانہ بنایا ہے جس سے کم ازکم 20افرادشہید ہوچکے ہیں۔

9/اکتوبر 2001ء

افغانستان پر تیسرے دن بھی امریکہ اوراُس کے اتحادیوں نے باروداورآگ کی بارش برسائی جس کے نتیجے میں 39 بے گناہ افراد جامِ شہادت نوش کر گئے۔کابل،ہرات،قندھار،جلال آباد پر رات بھر بمباری جاری رہی۔اسامہ کے ٹھکانوں،تربیتی مراکز فضائی تنصیبات اورآئل ڈپو کونشانہ بنایا گیا۔قندھار کا ریڈاراسٹیشن تباہ ہوگیا۔امریکہ نے بے بنیاد دعویٰ کیا کہ ان حملوں میں طالبان اورالقاعدہ کے پچاسی فیصد فوجی ٹھکانے اورتمام میزائلوں کے اڈے تباہ ہوچکے ہیں۔

20/لاکھ کی قربانی کے لیے تیار ہیں — طالبان

طالبان نے واضح کیا کہ ملاعمرخیریت سے ہیں،اورہم امریکی جارحیت کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہیں۔طالبان کے سفیر ملاعبدالسلام ضعیف نے اعلان کیا کہ افغان قوم نے روس کے خلاف بیس لاکھ جانوں کی قربانی دی ہے اوراَب ہم مزید بیس لاکھ جانیں قربان کرنے کے لیے تیار ہیں۔طالبان سفیر نے دعویٰ کیا کہ امریکی بمباری اورمیزائلوں نے شہری آبادی کونشانہ بنایا ہے۔اسی دوران افغانستان کے غیرت مند مسلمانوں نے امریکی جہازوں سے گرائے جانے والے خوراک کے پیکٹ جمع کرکے اُنہیں نذرِآتش کردیا۔

بے سہارا افغان مہاجرین

امریکی حملوں کے بعد افغانستان سے بڑے پیمانے پر ہجرت کا آغاز ہو گیا اور بمباری سے بچنے کے لیے ہزاروں بے گھر افراد طورخم بارڈر پر جمع ہو گئے۔ لیکن پاکستان کی سیکورٹی فورسز نے انہیں اپنی سرحد میں داخل ہونے سے زبردستی روک دیا۔

تیسرے دن کی بمباری کے دوران امریکی پائلٹوں کی بدحواسی بھی ظاہر ہو گئی، چنانچہ ان حملوں میں صرف بیس ہزار مالیت کے کچے مکانوں پر چار کروڑ ڈالر مالیت کے میزائلوں اور بموں کی بارش کر دی گئی۔

10 را کتوبر 2001 — مسلسل سولہ گھنٹہ کی بمباری

قندھار پر مسلسل 16 گھنٹے تک بمباری، زخمیوں سے ہسپتال بھر گئے۔ صدر بش نے افغانستان کے خلاف زمینی حملے کا اعلان کر دیا ہے۔ صبح 8 ربجے سے میزائلوں اور بموں سے شروع ہونے والے حملے رات گئے تک بغیر کسی وقفے کے جاری رہے۔ شہر پر گرد وغبار چھایا رہا۔ بیشتر حملے قندھار کے شمال اور جنوب میں دیہی آبادی، ہوائی اڈے، امیر المومنین کی رہائش اور عرب مجاہدین کے خالی مکانات پر کئے گئے۔ امریکی پائلٹوں پر طالبان کی طیارہ شکن توپوں کا خوف سوار ہے۔ عینی شاہدین کے مطابق انتہائی بلندی کی وجہ سے بمبار طیارے نظر نہیں آتے۔ 90 فیصد بم نشانہ پر نہیں لگتے۔

قندھار کے علاوہ کابل کے نواح میں خانہ بدوشوں کی بستی پر میزائل برسائے گئے۔ جس سے چار شہری شہید ہو گئے۔

اسی دن جلال آباد کی آبادی پر میزائل گرنے سے 30 افراد جامِ شہادت نوش کر گئے۔

امریکہ اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھے — طالبان

دریں اثنا طالبان نے اسامہ پر افغانستان کے قندھار مقدمہ چلانے کی پیش کش کا اعادہ کیا اور مطالبہ کیا کہ امریکہ حملے بند کر کے مذاکرات سے مسئلہ حل کرے۔ طالبان نے مزید کہا کہ امریکہ افغانستان پر حملوں کے جاری رہنے تک اپنے آپ کو محفوظ نہ سمجھے۔ امریکی طیارے ڈر کی وجہ سے بہت بلندی پر پرواز کرتے ہیں، ہماری دفاعی تنصیبات تباہ کرنے کا امریکی دعویٰ غلط ہے۔ انسانی حقوق کی تنظیمیں خطرناک بم برسانے کا نوٹس لیں۔

مال غنیمت کی قیمتیں

اسی دوران یہ دلچسپ اطلاعات بھی ملیں کہ افغان عوام امریکی بموں کا اسکریپ جمع کر کے فروخت کرنا چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں افغانوں نے امریکیوں سے حاصل ہونے والے مالِ غنیمت کے نرخ بھی طے کر لیے ہیں جو کچھ اس طرح ہیں: امریکی فوجی کی ٹوپی کی قیمت 500 ڈالر، پینٹ شرٹ کی قیمت 1200 ڈالر، کمانڈو جیکٹ کی قیمت 1000 ڈالر، گھڑی کی قیمت 300 ڈالر، جوتوں کی قیمت 500 ڈالر۔

برطانوی اخبار گارڈین نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایسی جنگ ہے جو اسامہ پہلے ہی جیت چکے ہیں، انہوں نے پوری دنیا کو کفر و ایمان میں تقسیم کر دیا ہے۔

11 اکتوبر 2001ء — 66 کمسن بچے شہید ہو گئے

مزار شریف میں دینی مدرسے پر کروز میزائل سے حملہ، 26 کمسن بچے شہید جب کہ درجنوں زخمی ہو گئے۔

جلال آباد میں کرّم نامی گاؤں پر امریکی طیاروں کی وحشیانہ بمباری سے 200 شہری شہید ہو گئے۔ جبکہ سینکڑوں شہری زخمی ہو گئے۔ جلال آباد کے نواحی گاؤں کرّم میں جمعرات کی شب شہری آبادی پر امریکی طیاروں نے شدید بمباری کے ذریعے افغان شہری آبادیوں کو براہِ راست نشانہ بنایا اور اب امریکی طیارے مساجد کو خصوصی طور پر اپنا ہدف بنا رہے ہیں۔ نائب رئیس الوزراء ملا عبدالکبیر نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ جن جن مقامات پر امریکہ بمباری کر رہا ہے۔ ان مقامات پر مجاہدین کے تربیتی کیمپ یا فوجی اڈے کبھی بھی نہیں رہے اور بین الاقوامی صحافی ہمارے موقف کی تصدیق اور امریکی جارحیت کا نظارہ کرنے کے لیے آئیں تو ہر ممکن تعاون کریں گے۔

کرّم گاؤں کے دردناک مناظر

کرّم میں ہونے والی تباہی کے دلدوز مناظر دو دن بعد اس وقت دنیا کے سامنے آئے جب صحافیوں کی ایک ٹیم نے طالبان کی دعوت پر وہاں کا دورہ کیا۔ صحافیوں نے بتایا کہ کرّم میں ہر طرف انسانی اعضاء بکھرے ہوئے ہیں، جب کہ بمباری سے خوف زدہ ہو کر قریبی پہاڑوں کی غاروں میں پناہ لینے والے درجنوں افراد بھی زندہ دفن ہو گئے ہیں۔ جلال آباد کے تباہ شدہ گاؤں میں ہزاروں جانور

ہلاک ہوئے ہیں، جس کے باعث فضا میں ناقابل برداشت بدبو پھیلی ہوئی ہے۔ تقریباً 200 افراد پر مشتمل گاؤں پر 20 سے 25 بم برسائے گئے جن میں سے ایک نہیں پھٹا۔ اس کا وزن ایک ٹن سے زائد، لمبائی ڈیڑھ میٹر اور ایک قطر ایک میٹر ہے۔ مذکورہ گاؤں میں بہت پہلے فوجی مرکز تھا، تاہم اب وہاں ''افغان کوچی'' (خانہ بدوش) آباد تھے۔ جلال آباد کے اس دورافتادہ گاؤں میں پہنچنے کے لیے 4 گھنٹے گاڑی میں اور ایک گھنٹہ پیدل سفر کرنا پڑتا ہے۔ یہ باتیں جمعہ کو ''الجزیرہ ٹیلی ویژن'' کی ٹیم کے ہمراہ کرّم گاؤں کا دورہ کرنے والے افغان خبررساں ایجنسی ''باختر'' کے نمائندے نے جلال آباد سے فون پر 'جنگ' کو بتائیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے گاؤں میں 200 سے زائد افراد آباد تھے مگر اَب کچھ نہیں بچا۔ گاؤں میں خواتین کے جوتے، کپڑے اور مصنوعی زیورات چاروں طرف بکھرے ہوئے ہیں، کسی کا سر کہیں اور ہاتھ کہیں پڑا ہوا ہے۔ جبکہ گاؤں کی مسجد میں بھی کئی لوگ شہید ہوئے ہیں۔ جلال آباد انٹیلی جنس ذرائع کے مطابق امریکی ان سابقہ تربیتی کیمپوں اور فوجی مراکز پر بمباری کر رہے ہیں، جہاں اَب عام شہری آباد ہیں۔ اتحادی جہاز اتنی بلندی سے بم گراتے ہیں کہ انہیں نشانہ بنانا ممکن نہیں۔ ایک اور ذریعے کے مطابق امریکی طیارے جمعرات اور جمعہ کی درمیانی شب 2 بجے اور 4 بجے صبح دوبارہ نمودار ہوئے اور 'درونٹہ' کے پرانے فوجی مرکز پر بمباری کی جو اَب خالی پڑا ہے، جس کے باعث یہاں کوئی جانی نقصان نہیں ہوا۔ ہفتے کو طالبان انتظامیہ نے کرّم کے شہداء کے لیے فاتحہ خوانی اور تعزیتی اجتماعات کیے۔

ہم بھوکے مر جائیں گے یہ خوراک نہیں کھائیں گے

دریں اثنا جلال آباد میں بعد نماز جمعہ شہریوں نے امریکہ کے خلاف جلوس نکالا اور امریکہ اور اُس کے اتحادیوں کے خلاف نعرے لگائے۔ مظاہرین سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے کہا کہ امریکہ ایک طرف ہم پر روٹی اور دوسری طرف بم پھینک رہا ہے، ہم بھوکے مر جائیں گے مگر یہ خوراک نہیں کھائیں گے۔ انسانوں کے ساتھ اس سے بڑا کوئی مذاق نہیں ہوسکتا، ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ امریکہ ہم پر بم نہ گرائے، بعدازاں مسجد گمرک میں تعزیتی اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے جلال آباد کے ڈپٹی گورنر صدر اعظم نے عوامی احساسات کو سراہا اور امریکہ کے شیطانی منصوبوں کی وضاحت کرتے ہوئے کہا، ہم جہاد کے لیے تیار ہیں۔ اطلاعات کے مطابق 12 گھرانوں کے شہید اور زخمی ہونے والے دیگر افراد میں مندوزی خان اور اس کا بیٹا زخمی جبکہ ان کے گھر کے 11 افراد شہید ہوئے۔ محمد شاہ خان سمیت ان کے گھرانے کے 4 افراد زخمی اور 5 شہید ہوئے۔ غمے خان سمیت 4 افراد شہید اور 6 زخمی ہوئے۔ احمد زئی

سمیت 6 افراد زخمی اور 5 شہید ہوئے۔ ظفر خان شہید اور گھر کے 4 افراد زخمی ہوئے۔ میاندم خان کے گھرانے کے 4 افراد شہید اور 5 زخمی ہوئے۔ اوّل گل خان سمیت 7 زخمی اور 4 شہید ہوئے۔ محمد گل سمیت 3 شہید اور 2 زخمی ہوئے۔ تازہ گل سمیت 6 افراد شہید ہوئے۔ نیز مزید لاشوں کی تلاش کا کام جاری ہے۔

امریکی فضائیہ کا افسر ہلاک

دریں اثناء امریکہ نے اعلان کیا کہ افغانستان کے خلاف جاری اس کی مہم میں امریکی فضائیہ کا ایک افسر مارا گیا تاہم اس کی ہلاکت کسی فوجی آپریشن کے دوران نہیں بلکہ ایک حادثے کے دوران پیش آئی۔ امریکی محکمہ دفاع کی طرف سے جاری تفصیلات کے مطابق امریکی فضائیہ کے ماؤنٹین ہوم کا ماسٹر سارجنٹ ایوانڈر اینڈریوز اس وقت مارا گیا جب وہ بھاری آلات کی نقل و حمل میں مصروف تھا۔ بتایا گیا ہے کہ طالبان کے خلاف امریکہ کی جاری مہم میں کسی امریکی فوجی کے مارے جانے کا یہ پہلا واقعہ ہے۔

12 / اکتوبر 2001ء — ساٹھ بے گناہ افراد کی شہادت

صلیبی جنگ کے چھٹے دن بھی امریکہ نے افغان صدارتی محل، وزارت دفاع، دوائیر پورٹ اور بجلی گھر پر بمباری کر کے تباہی مچائی۔ طالبان کے بقول اب تک کی بمباری میں کابل کے ریڈیو اسٹیشن بھی تباہ اور رہائشی آبادیوں پر میزائل گرنے سے ہلاکتیں ہوئیں، حساس دستاویزات کے حوالے سے بی بی سی کی رپورٹ، قندھار پر حملوں میں 60 بے گناہ شہری شہید ہو گئے۔

ہم امریکہ سے انتقام لیں گے — امیر المؤمنین

امریکہ حملوں پر ردّ عمل ظاہر کرتے ہوئے امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ وہ وقت دور نہیں، جب ہم امریکی کارروائیوں کا انتقام لیں گے۔ او آئی سی نے کفر کی طاقتوں کے سامنے سر جھکا دیا ہے اور 45 سے زائد ممالک افغان عوام کے خلاف جنگ میں حصہ لے رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود افغانوں کا جہادی و ایمانی حوصلہ بلند ہو رہا ہے۔

دریں اثناء طالبان نے حملوں پر نظر ثانی کے لیے امریکی صدر بش کی اس پیش کش کو ٹھکرا دیا، جس میں امریکی صدر نے طالبان سے کہا تھا کہ اگر وہ اسامہ بن لادن کو اب بھی امریکہ کے حوالے کر دیں تو امریکہ حملے روکنے کے بارے میں نظر ثانی کر سکتا ہے۔

13 راکتوبر 2001ء — نہتّے شہریوں پر بارود کی بارش

افغانستان پر پہلی مرتبہ اسمارٹ بموں سے امریکی حملہ، کابل ایئرپورٹ پر داغا جانے والا اسمارٹ بم نشانہ خطا ہوکر نزدیکی آبادی پر جا گرا، خاتون شہید، درجنوں زخمی، متعدد مقامات تباہ، امریکی ہرات اور قندھار پر بھی حملے۔ قندھار میں فوجی چھاؤنی میں آگ، مقامی کمانڈر کا ہیڈ کوارٹر تباہ، حملے مخصوص اہداف تک محدود رہیں گے، کچھ زمینی نقل وحرکت ہوگی رکن برطانوی جنگی کابینہ۔

امریکی حملوں میں پھینکے جانے والے 500 پاؤنڈ وزنی ''اسمارٹ بم'' زمینی ہدف کا خود تعین کرتا ہے۔ 15 ہزار فٹ بلندی سے پھینکا جانے والا یہ بم ایک سے دو ہزار پونڈ وزنی بموں سے زیادہ مؤثر ہے۔ اسے سیٹلائٹ سے کنٹرول کیا جاتا ہے، آبادی کی نشاندہی ہوتو اسے پھٹنے سے روکا جاسکتا ہے۔

امیر المؤمنین ملا محمد عمر مجاہد کی زیر صدارت اجلاس میں فیصلہ ہوا کہ طالبان آخری دم تک لڑیں گے۔ طالبان نے کہا کہ ہم نے اسامہ کو حوالے کرنے کی صورت میں حملے بند کرنے کی امریکی پیشکش پر غور بھی نہیں کیا۔

14 راکتوبر 2001ء — طالبان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا، بی بی سی

بی بی سی کے نامہ نگار رحیم اللہ یوسف زئی نے کہا ہے کہ 8 دن کی شدید بمباری کے باوجود طالبان کی فوجی قوت کو قابل ذکر نقصان نہیں پہنچا اور جلال آباد ہوائی اڈے کی عمارت اور رن وے ابھی تک ٹھیک ہیں، صرف ریڈار کو نقصان پہنچا جو بہت پرانا تھا اور فوجی چھاؤنی کا شدید بمباری ہونے کے باوجود بیشتر حصہ اب بھی درست حالت میں ہے نہ ہی لوگ بھاگ رہے ہیں، نہ ہی وہاں خوف وہراس ہے۔

امریکہ شہریوں پر بمباری کررہا ہے طالبان

امریکہ نے کابل اور قندھار پر مسلسل 7 گھنٹے بمباری کرکے طالبان کو بھاری نقصان پہنچانے کا دعویٰ کیا، جلال آباد، ہرات، مزار شریف اور ارغن ذات پر بھی کروز میزائلوں سے حملے، ہوائی اڈے اور آرمی ڈویژن سینٹر کو بھی نشانہ بنایا گیا اور لوگ ایئرپورٹ سے بمباری سے 3 مسافر طیارے تباہ کرنے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ اریانہ کے اندرون ملک پروازیں معطل ہوگئیں، اسامہ کے قریبی ساتھیوں کی بس تباہ کرنے کا بھی دعویٰ کیا جبکہ طالبان نے کہا کہ تازہ حملوں میں شہریوں کا بہت جانی و مالی نقصان ہوا ہے۔ غیر ملکی صحافیوں نے افغانستان کا دورہ کیا تو انہوں نے دیکھا کہ جب طالبان نے امریکی میزائلوں

کے دھماکوں کی آواز سنی تو خوشی سے رقص کرنے لگے۔

امیر المومنین ملا محمد مجاہد نے کہا کہ امریکہ کو سخت سبق سکھائیں گے۔اسامہ کو 3 مسلم ممالک کی علماء کمیٹی کو پیش کیا جا سکتا ہے جبکہ اسامہ کی تیسرے ملک کو حوالے کرنے کی پیشکش کو امریکی صدر بش نے مسترد کر دیا ہے۔

670/افراد شہید ہو چکے ہیں

افغان وزیر دفاع نے انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ اب تک کے امریکی حملوں میں 670افراد شہید ہو چکے ہیں اور فیصلہ کن جنگ زمینی ہوگی، ہمارے جلال آباد، کابل اور قندھار کے ایئر پورٹ محفوظ ہیں، نشانہ بننے والے علاقوں سے فوجیں پہلے ہی محاذ پر جا چکی ہیں۔

امریکی حملوں سے خوراک کی تقسیم معطّل

امریکہ کے تباہ کن فضائی حملوں سے افغانستان میں تقسیم خوراک کا انتظامی نیٹ ورک ٹوٹ گیا ہے، غیر ملکی منتظمین ملک چھوڑ کر چلے گئے۔20/ستمبر کو عالمی ادارۂ خوراک نے ''اسپیشل الرٹ رپورٹ'' میں خوراک کی کمی سے آگاہ کیا، جب خوراک پہنچی تو نظام تقسیم ہو گیا۔ 81-1979ء میں 34 فیصد آبادی کو خوراک کی کمی کا سامنا تھا۔98ء تک 70 فیصد آبادی نیم فاقہ کشی کی زد میں آ گئی۔10/لاکھ افراد کے لیے یومیہ 500 ٹن خوراک پہنچانے کی ضرورت ہے۔حملوں کے بعد ٹرک ڈرائیوروں نے جانے سے انکار کر دیا تھا۔خوراک کے ذخائر محفوظ ہیں۔

امریکہ کے ایک جریدے ''نیویارکر'' نے اپنی رپورٹ میں بتایا کہ حملے کی پہلی رات امریکہ کے جاسوس طیارے کو ملا عمر نظر آئے تھے مگر انہیں فوری طور پر نشانہ نہیں بنایا جا سکا اور امریکی فوج کی اس ناکامی پر وزیر دفاع نے سخت برہمی کا اظہار کیا ہے اور انٹیلی جنس کے حکام بھی سخت دل شکستہ ہیں۔

3 صوبوں کے گورنروں کی پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے مولوی عبدالکبیر نے کہا کہ طالبان کے خلاف بغاوت کا امریکی اندازہ غلط ثابت ہو گیا ہے۔ہمیں دہشت گرد کہنے والے یہ بتائیں کہ لوگوں کو ہجرت پر مجبور کرنا کیا دہشت گردی نہیں ہے۔

15/اکتوبر 2001ء--زندہ دلان افغانستان

حالیہ امریکی بمباری کے باوجود افغانستان میں زندگی معمول پر ہے اور لوگ شادیاں کر رہے ہیں۔

3 باراتیں پاکستان آئیں اور ایک بارات گئی جبکہ 5 زخمیوں کو بھی لایا گیا۔ طورخم سرحد پر ایمبولینس ہر وقت موجود رہتی ہے۔ کابل سے پھلوں کی آمد اور پاکستان سے دواؤں کی ترسیل بھی جاری ہے۔ 1200 افراد افغانستان گئے۔ ملا عمر نے اپنے تمام کمانڈروں کو حکم دیا ہے کہ انتظار کئے بغیر وہ جنگی حکمت عملی بنا سکتے ہیں۔

افغانستان کو تقسیم کر دیا جائے گا — امریکہ

امریکہ نے کہا کہ افغانستان پر بمباری کا مقصد شمالی اتحاد کے لیے راہ ہموار کرنا ہے۔ کابل پر قبضے کے لیے 3 مرحلوں کا آپریشن شروع ہو گیا ہے۔ جن کے مطابق طالبان کی صفوں میں انتشار پھیلانا، کابل پر منظم حملہ کر کے قبضہ اور عبوری حکومت کا قیام شامل ہے۔ امریکہ وزیر دفاع نے کہا کہ افغانستان کی تقسیم کا بھی فارمولہ بنالیا گیا ہے۔ جس کے تحت انتشار کی صورت میں شمالی اور جنوبی افغانستان تقسیم کر دیا جائے گا اور وہ وقت آ گیا ہے جس کا شمالی اتحاد کو انتظار تھا۔

افغانستان میں غربت کی کیفیت

عالمی یومِ خوراک کے موقع پر ایک رپورٹ میں کہا گیا کہ صومالیہ، افغانستان اور برونڈی دنیا کے سب سے زیادہ نیم فاقہ کش ممالک ہیں۔ 82 کروڑ 60 لاکھ افراد کو اتنی خوراک میسر ہے کہ روح وتن کا رشتہ جڑا رہے۔ 79 کروڑ 20 لاکھ کا تعلق ترقی پذیر ملکوں سے ہے۔ پاکستان کی 20، بھارت کی 21، سری لنکا کی 25 فیصد آبادی مناسب خوراک سے محروم ہے اور یہی صورتحال 34 فیصد افریقی آبادی کی بھی ہے۔ ہر سال دنیا میں ایک کروڑ 80 لاکھ افراد نیم فاقہ کشی کے باعث موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں جن میں اکثریت بچوں کی ہوتی ہے۔

امریکی کمانڈو گرفتار

افغانستان وزارت اطلاعات نے دعویٰ کیا کہ طالبان نے تخار کے محاذ سے ایک امریکی کمانڈو کو گرفتار کر لیا ہے، اور اسے مزید کارروائی کے لیے کابل لے جایا گیا ہے اس کے قبضے سے دستی بم اور امریکی ساختہ کلاشنکوف بھی قبضے میں لے لی گئی ہے۔

16/اکتوبر 2001ء — ایک دن میں سو سے زائد حملے

امریکہ نے آٹھ دن کی مسلسل ناکام بمباری کی خفت مٹانے کے لیے تمام تر حملوں کا رُخ حضرات

امیر المومنین کی طرف موڑ دیا۔قندھار پر طیاروں اور میزائلوں کے 100 سے زائد واقعات میں سے نہ کوئی شہید ہوا نہ زخمی ہوا۔منگل کے دن صبح سے رات تک تاریخ کی بدترین بمباری جاری رہی۔کروز میزائل اور بمبار طیاروں کے علاوہ پہلی مرتبہ گن شپ ہیلی کاپٹروں کا استعمال بھی ہوا۔امریکہ سارا دن پرانے مکانات،کھنڈرات اور عام آبادی کو نشانہ بناتے رہے،انتہائی کم جانی نقصان ہوا،اور امریکی طیاروں کے حملوں میں فوجی علاقے بھی زد میں آئے،مگر دفاعی تنصیبات کو نقصان نہیں پہنچ سکا۔ دارالحکومت کابل بھی فضائی حملوں کی زد میں آ گیا۔امریکی طیاروں نے کابل کے شمال میں محاذ جنگ پر بھی بمباری کی لیکن تمام نشانے خطا ہو گئے،جبکہ طالبان نے محاذ جنگ پر نصرتِ الٰہیہ کا مشاہدہ کیا۔

پوری قوم طالبان کے ساتھ ہے

زخمی افغان باشندوں نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ جان و مال کا تحفظ دینے والے طالبان کے ساتھ پوری افغان قوم ہے۔انہوں نے مزید کہا کہ امریکی طیارے بلندی سے بم پھینک کر شہری آبادیوں کو تباہ کر رہے ہیں،بچے بوڑھے،عورتیں اور نوجوان زخمی ہو رہے ہیں،طالبان سے پوری قوم خوش ہے۔امریکی فوج زمینی جنگ کے لیے آئے تو مجاہدین اس کی خوب خبر لیں گے۔افغانستان میں زخمیوں کے علاج کے لیے سہولیات بہت کم ہیں۔

ہسپتال پر بمباری،مریض شہید ہو گئے

ریڈ کراس کے ترجمان نے کہا ہے کہ امریکہ نے حملہ کے لیے نچلی پرواز کرنے والے گن شپ ہیلی کاپٹروں سے طالبان کے ہیڈ کوارٹر اور چھاؤنیوں پر حملے کئے جس کے نتیجہ میں ریڈ کراس کے گودام میں آگ لگ گئی۔گودام پر ریڈ کراس کے نشان کے باوجود یہ حملہ کسی صورت جائز نہیں تھا۔قندھار میں ہسپتال پر بھی بم برسائے گئے جس سے 5 مریض شہید جبکہ جلال آباد پر حملے نہیں ہوئے۔اے سی 130 طیاروں نے طالبان فوجیوں پر بھی فائرنگ کی،امریکہ نے کہا کہ چاخ چرن میں امریکن گن شپ ہیلی کاپٹر اُتر گئے ہیں،اب فرنٹ لائنز کو نشانہ بنائیں گے۔

افغانستان کے مشرقی زون میں طالبان فورسز کے سربراہ اور ننگر ہار کے گورنر مولوی عبدالقدیر نے کہا ہے کہ مغربی میڈیا طالبان میں بغاوت اور کمانڈروں کے شمالی اتحاد سے ملنے کا جو پروپیگنڈا کر رہا ہے،پر اس کا کوئی وجود نہیں،اگر ایسا ہے تو شمالی افغانستان میں موجود مغربی ذرائع ابلاغ کے 100 سے زیادہ نمائندے منحرف طالبان کو ٹیلی ویژن پر کیوں نہیں دکھاتے۔مولوی عبدالقادر نے ان خیالات

کا اظہار قندھار کا دورہ کرنے والے پاکستان اور غیر ملکی ذرائع ابلاغ کو قندھار میں انٹرویو دیتے ہوئے کہا۔

17 اکتوبر 2001ء — میزائلوں کی بارش میں وائرلیس پر خطاب

ملا عمر نے حسب سابق فقید المثال جرأت مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے شدید بمباری اور کروز میزائلوں کی بارش کے دوران بذریعہ وائرلیس 31 صوبوں کے کمانڈوں، گورنروں اور مجاہدین سے ایمان افروز خطاب کیا، صوبوں میں تمام اہم مراکز اور محاذوں کے وائرلیس سیٹ کھلے رہے، لوگ بمباری کے وقت وائرلیس بند کر دیتے ہیں۔ ملا عمر کی فقید المثال جرأت مندی، شدید بمباری اور کروز حملوں کے درمیان خطاب کرتے رہے، دنیا حیران رہ گئی۔ باغی ناکام رہے تو ان کی پشت پناہ طاقتیں کھل کر سامنے آ گئیں۔ جہاد تو پہلے سے کر رہے تھے اب یہ جہاد اس سے بھی اعلیٰ و افضل ہے حملہ باغیوں کا ہو یا امریکہ کا شہادت سے نہیں ڈرتے، ایمان افروز خطاب سے تخار و کابل کے محاذوں پر موجود مجاہدین کے حوصلے بلند ہو گئے۔

امریکی طیاروں کی جلال آباد کے مضافات پر رات بھر بمباری سے کاشتکاروں کا غلہ جل گیا۔ کسی انسانی جان کے نقصان کی اطلاع نہیں، جلال آباد کے قریب چھاؤنی پر دو مرتبہ طیاروں نے بم گرائے، کئی بم پھٹ نہیں سکے۔

پناہ گزینوں کے قافلے پر بمباری

قندھار میں پناہ گزینوں کے قافلے پر امریکہ کی وحشیانہ بمباری سے 8 افراد شہید اور 15 زخمی ہو گئے۔ مرکزی چوک ''چوک مدد'' پر کروز میزائل آ کر لگا دن بھر شہر کے وسط و اطراف میں حملے ہوتے رہے۔

کابل کے شمال اور تخار کے محاذوں پر امریکی طیاروں نے بمباری کی لیکن طیارہ شکن توپوں کی جوابی کاروائی سے طیارے نیچے نہ آ سکے، کوئی جانی و مالی نقصان نہیں ہوا۔

تین سالہ بچی کی ٹانگیں کٹ گئیں

قندھار میں امریکی حملوں سے ایک تین سالہ بچی کی دونوں ٹانگیں کٹ گئیں جبکہ ایک اور دس سالہ بچہ بھی زخمی ہو گیا تھا۔

حالیہ امریکی حملوں میں اب تک افغانستان پر 3200 کروز میزائل اور کلسٹر بم برسائے گئے۔ افغانستان پر امریکہ اور اتحادیوں کی بڑے پیانے پر بمباری کے باوجود کوئی بھی ہدف حاصل کرنے میں مکمل طور پر ناکام رہے۔

کمانڈو اُتارنے کی کوشش ناکام

طالبان کمانڈر نے کہا ہے کہ قندھار میں امریکی کمانڈروز کے اُترنے کی کوشش ناکام بنادی گئی ہے۔ ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ کمانڈوز کو قندھار کے قریب اُترنے کی کوشش کی جن پر موبائل لانچر سے فائرنگ کی گئی۔ برطانوی اخبار نے کہا کہ عالمی سیاسی دباؤ اور 11 روزہ بمباری کے باوجود نہ ہی طالبان کو ختم کیا جاسکا اور نہ توقع کے مطابق اُنہیں تقسیم کیا جاسکا۔

ایک کے پہاڑی گاؤں پر طالبان نے دوبارہ قبضہ کرلیا جبکہ 100 لاشیں بھی ملیں۔شالی اتحاد نے امریکی اسپیشل فورسز کے ساتھ مل کرشہرزارا پر حملے میں زہریلی گیس بھی استعمال کی۔ طالبان کے ذرائع نے کہا کہ مزارشریف پر قبضہ برقرار ہے جبکہ شالی اتحاد نے دعویٰ کی کہ ہماری فوجیں صرف 10 کلومیٹر دور ہیں۔

18 را کتوبر 2001ء — ایک لاکھ افراد بے گھر ہو گئے

پینٹا گون نے طالبان کو اپنے ایک پیغام میں خصوصی امریکی فوجی ریڈیو سے پشتو میں کہا ہے کہ یا تو وہ ہتھیار ڈال دیں یا پھر مرنے کے لیے تیار ہو جائیں۔محا: پرامریکی فوجیوں کو دیکھیں تو ہتھیار پھینک کر اور ہاتھ اُٹھا کر اُن کی جانب چلے جائیں اور اگر طالبان فوجی اپوزیشن اتحاد سے جاملیں تو انہیں تحفظ دیا جائے گا۔مبصرین نے طالبان کی ہمت و استقامت کے مقابلے میں پینٹا گون کے اس اقدام کو مضحکہ خیز قرار دیا۔

امریکی طیاروں نے رہائشی اور فوجی علاقوں پر مزید حملے کئے جن میں بنکر توڑنے والے امریکی طیارے سے بمباری کی گئی۔ جبکہ طالبان نے شہریوں کو ہتھیار دے دیے تھے۔ان حملوں میں بچوں اور عورتوں سمیت 9 رافراد شہید، کئی زخمی فوجی چھاؤنی تیل ڈپو اور صدارتی محل بمباری کا نشانہ بنے اور کابل ایئرپورٹ کے قریب زبردست آگ بھڑک اُٹھی۔ طالبان کے دفاعی نظام کو بھی نشانہ بنایا گیا ہے جبکہ طالبان نے طیارہ شکن توپوں سے اتحادی طیاروں کو نشانہ بنانے کی کوششیں بھی کیں۔

پنٹاگن نے اپنی ریڈیو نشریات کے ذرائع سے کہا کہ امریکی حملوں میں 700 افراد شہید ہوئے ہیں

اور ایک لاکھ افراد پہاڑوں میں پناہ لئے ہوئے ہیں۔

مزار شریف سے اطلاعات کے مطابق طالبان نے 11 ر امریکی فوجیوں کی گرفتاری کا دعویٰ کیا اور انہوں نے کہا کہ امریکی فوج اُتر گئی ہے۔

19 ر اکتوبر 2001ء— گوریلا جنگ کے لیے تیار ہیں، طالبان

امریکہ نے خوراک کی ترسیل کے لیے عالمی ادارہ فراہمی خوراک کی جانے سے حملے بند کرنے کی اپیل مسترد کر دی۔

امریکی مشیر قومی سلامتی نے کہا امریکی کمانڈوز افغانستان میں اُتر گئے ہیں اور زمینی جنگ شروع ہو گئی ہے، ان کا اہم کام القاعدہ کی قیادت کا خاتمہ اور طالبان کی فوجی طاقت کم کرنا ہے۔ کمانڈوز نے شمالی افغانستان میں پوزیشنیں سنبھال لی ہیں۔ اور جنرل دوستم سے بھی ملاقات کی ہے۔ کابل، جلال آباد اور قندھار پر بمباری کا انتقام لیں گے۔ طالبان مختلف علاقوں میں بھیجے گئے امریکی جاسوسوں کا تعاقب کر رہے ہیں۔

کمانڈر حقانی نے کہا کہ طویل گوریلا جنگ لڑنے کے لیے بالکل تیار ہیں۔ ہم افغانستان کو امریکیوں کا قبرستان بنا دیں گے۔ امریکیوں نے اگر افغانستان پر قبضہ کیا تو پہاڑوں پر چلے جائیں گے، ہم ان کی زمینی افواج کے بے چینی سے منتظر ہیں۔ کمانڈر جلال الدین حقانی نے مزید کہا کہ پاکستان افغانستان میں ایسی نئی حکومت چاہتا ہے جس میں بھارت نواز عناصر شامل ہوں۔

20 ر اکتوبر 2001ء— امریکی ہیلی کاپٹر تباہ

پاکستان میں ایک امریکی ہیلی کاپٹر گر کر تباہ ہو گیا جس میں 2 فوجی ہلاک ہو گئے۔ طالبان کا کہنا تھا کہ ہم نے گرایا ہے جبکہ امریکہ کا کہنا ہے کہ یہ محض حادثہ ہے۔ امریکی کمانڈوز اور طالبان میں زمینی جنگ شروع ہو گئی جس میں کئی امریکی فوجی زخمی ہو گئے جبکہ طیاروں کی بمباری سے 29 ر افغان شہید ہو گئے۔ طالبان نے کہا کہ کئی گھنٹوں کی لڑائی کے بعد زمینی جنگ کے لیے اُترنے والے امریکی کمانڈرز پسپا اور 2 امریکی فوجی ہلاک ہو گئے۔ ہرات، جلال آباد اور کابل پر امریکی طیاروں نے شدید بمباری کی۔ آپریشن میں 100 کمانڈوز نے حصہ لیا۔

امریکی جنرل رچرڈ مائرس نے کہا کہ طالبان کے سربراہ ملا عمر کی رہائش گاہ پر امریکی کمانڈوز کا حملہ کامیاب رہا لیکن طالبان یا القاعدہ کا کوئی سینئر رہنما گرفتار نہیں کیا جا سکا۔

بمباری سے زمین بنجر ہو جائے گی

افغانستان سے آنے والے ایک ڈاکٹر نے انٹرویو دیتے ہوئے کہا کہ کابل، جلال آباد اور قندھار پر امریکہ نے حملے تیز کر دیئے ہیں اور امریکی طیاروں سے کابل میں پرچیاں گرائی گئی ہیں جن پر لکھا ہوا ہے کہ "شہری گھروں سے باہر نہ نکلیں۔"

حالیہ امریکی حملوں کے بعد دو دن میں ساڑھے آٹھ ہزار افغان مہاجرین کی پاکستان آمد ہوئی ہے جب کہ 10 ہزار مہاجرین چمن سرحد پر پاکستان میں داخلے کے منتظر ہیں۔

ماہرین نے حالیہ امریکی حملوں سے پھیلنے والی بیماریوں پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا افغانستان پر بمباری سے ماحولیاتی آلودگی بڑھنے اور تیزابی بارش کا خدشہ ہے۔ موسمی حالات کی تبدیلی اور مختلف بیماریاں پھیلنے سے انسانی صحت اور جسمانی اعضاء متاثر ہو سکتے ہیں۔ غاروں سے نکالنے کے لیے کیمیکل ہتھیاروں کے استعمال سے خطرناک نتائج برآمد ہوں گے، جبکہ ڈاکٹر سمیع الزماں اور عارف محمود نے کہا ہے کہ اوزون لیئر پر غیر معمولی اثرات پڑنے یا موسمی حالات تبدیل ہونے کا امکان نہیں ہے۔ اور مختلف سائنسدانوں کا کہنا ہے کہ بموں سے یورینیم کی موجودگی کے باعث بم گرنے کے مقامات قابل کاشت نہیں رہیں گے۔

21 / اکتوبر 2001ء — ایک ہزار افغان شہید ہو چکے ہیں

امریکہ نے گن شپ ہیلی کاپٹروں سے حملے کئے جس کے نتیجے میں 18 افغان شہری اور 17 مکانات تباہ ہو گئے۔ طالبان کے ٹھکانوں کے قریب 8 بم دھماکے ہوئے، کابل سے 25 کلومیٹر دور اگلے مورچوں پر بھی حملے ہوئے۔ 30 / اے بی 130 طیاروں نے قندھار، جلال آباد اور ہرات پر حملے کئے، خوراک کی شدید قلت ہو گئی۔ 5 ہزار ٹن بن کرشکن بم گرائے گئے۔ طالبان کا کہنا ہے کہ ایک ہزار شہری شہید ہو چکے ہیں۔ اور دیہات میں مزید طیارہ شکن توپوں کی تنصیب کا فیصلہ بھی کیا گیا ہے جبکہ امریکی محکمہ دفاع نے کہا ہے کہ مزید زمینی کارروائی کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔

پاکستانی بارڈر پر مہاجرین پر فائرنگ

چمن بارڈر پر افغان مہاجرین کو روکنے کے لیے فائرنگ کی گئی اور پاکستان نے اپنے سرحد بندی کر دی۔ سرحد پر جمع مہاجرین نے سیکورٹی اہلکاروں پر پتھراؤ کیا۔ پاکستانیوں کی ہوائی فائرنگ سے ایک شخص

زخمی ہوگیا۔اقوام متحدہ نے کہا کہ 10 رہزار افغان سرحد پار کرنے کے منتظر ہیں جبکہ سرحدی اہلکار پیسے طلب کررہے ہیں۔

20 رامریکی کمانڈوز ہلاک

کور کمانڈر قندھار ملا اختر عثمانی نے دعویٰ کی کہ گذشتہ شب امریکی کمانڈو ایکشن میں طالبان نے 20 امریکی فوجی ہلاک کردیئے۔8 امریکیوں کی لاشیں امریکی فوجی اُٹھا کر لے گئے۔ جب کہ بارہ کی مسخ شدہ لاشیں ہمارے پاس موجود ہیں۔

طالبان نے جنوبی ملٹری کمانڈر مولوی جلال الدین حقانی نے کہا کہ شہروں پر قبضے ہوئے تو گوریلا جنگ شروع کردیں گے، وسیع البنیاد حکومت کی حمایت سے پاسکستان 2300 کلومیٹر ناقابل تسخیر علاقہ کھودے گا۔

امریکہ کے لیے جاسوسی کرنے کے الزام میں طالبان نے شمالی اتحاد کے دو کمانڈروں سمیت 5 افغانوں کو پھانسی دے دی۔طالبان وزیر نے کہا کہ یہ سزا قانون شوریٰ کے فتوے کے تحت سرعام پھانسی دی گئی ہے، ان لوگوں کو مزار شریف میں ہونے والی لڑائی کے دوران گرفتار کیا گیا تھا۔یہ لوگ افغان مفادات کے خلاف کام کررہے تھےاور اتحاد کے 2 کمانڈر لوگوں کو تخریب کاری پراُکسارہے تھے۔

طالبان نے دعویٰ کی کہ انہیں قندھار کے قریب سے تباہ شدہ امریکی ہیلی کاپٹر کا ملبہ مل گیا ہے۔یہ ہیلی کاپٹر کمانڈو آپریشن کے دوران تباہ ہوا تھا۔

22 راکتوبر 2001ء— ہرات کے ہسپتال پر بمباری 100 مریض شہید

امریکی طیاروں نے افغانستان کے شہر ہرات کے اسپتال پر بھی بمباری کردی، جس کے نتیجے میں 100 امریکی شہید ہو گئے۔ جب کہ امریکی طیاروں نے غلطی سے شمالی اتحاد کی چوکیوں پر بھی بم برسائے۔ طالبان کا کہنا تھا کہ امریکہ جراثیمی ہتھیار استعمال کررہا ہےاور ہم نے ایک اور امریکی ہیلی کاپٹر مار گرایا ہے جب کہ پینٹا گون نے کہا کہ طالبان کے دعوے بے بنیاد ہیں، نہ ہم جراثیمی ہتھیار استعمال کررہے ہیں اور نہ ہی کوئی ہیلی کاپٹر گرا ہے۔امریکی جیٹ طیاروں نے گاؤں پر بمباری کی۔ جس سے 8 شہری شہید ہو گئے۔طالبان کی فائرنگ سے مزید امریکی ہیلی کاپٹر بھاگنے پر مجبور ہو گئے۔اور امریکی کمانڈوز سے مقابلے کے لیے طالبان نے مجاہدین کی ملک بھر میں تعیناتی کردی ہے۔

مسلمان جہاد جاری رکھیں — طالبان

ملامحمد عمر مجاہد نے نامعلوم مقام سے ایک پیغام میں کہا کہ بش صلیبی جنگ لڑ رہے ہیں، تمام مسلمان جہاد کریں، اللہ کی مدد سے امریکہ کو شکست دی جائے گی اور اس جنگ میں شہید ہونے والے جنت میں جائیں گے۔ مسلمانوں کو تلوار، زبان اور قلم سے جہاد جاری رکھنا چاہیے۔

امریکہ کے سرکاری ذرائع نے کہا کہ افغانوں نے امریکی فوجی اتحاد کو حیران کر دیا ہے، شمالی اور جنوبی افغانستان کے اختلافات میں امریکی مقاصد گم ہو گئے ہیں۔ دو ہفتوں کی سیٹلائٹ بمباری سے کسی لیڈر کو نقصان نہ پہنچا یہ معجزہ ہے۔ نیوز انٹیلی جنس یونٹ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ صرف فوجی تنصیبات، ریڈیو اسٹیشن اور ملا عمر کے گھر کی تباہی ہی امریکی کامیابیاں ہیں۔

پاکستانی فورسز کی مہاجرین پر فائرنگ اور لاٹھی چارج

چمن بارڈر پر ایک ہزار مہاجرین رکاوٹیں توڑ کر پاکستان میں داخل ہو گئے۔ لاٹھی چارج کے نتیجے میں 400 مہاجرین واپس دھکیل دیئے گئے۔ سرحد پر چوتھے دن بھی فائرنگ اور پتھراؤ ہوا۔ مزید 2 افراد زخمی ہو گئے۔ حالات بگڑنے پر فوجی دستوں کی مزید نفری طلب کر لی گئی۔ کشیدگی دور کرنے کے لیے افغان علماء اور چمن کے سرحدی حکام کا اجلاس ہوا، جس میں فائرنگ سے گریز کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

23/اکتوبر 2001ء — بمباری سے مسجد اور 67 بے گناہ شہید

برطانیہ نے بے بنیاد دعویٰ کیا کہ ایک ہزار برطانوی کمانڈوز اُتر گئے ہیں اور القاعدہ کے تمام مراکز تباہ کر دئے گئے ہیں۔ جبکہ پینٹاگون نے اعتراف کیا کہ ایک ہیلی کاپٹر کو نقصان پہنچا۔ دریں اثناء افغانستان پر بمباری سے مسجد شہید اور 67 افراد شہید ہو گئے۔ کابل کے شمال اور مزار شریف میں طالبان کے اگلے مورچوں پر کلسٹر بموں سے حملے کئے گئے جبکہ پکتیا اور چاریکار پر بھی حملے کئے گئے۔

طالبان نے افغانستان میں دو امریکی طیارے مار گرانے کا دعویٰ کیا۔

افغان قونصل جنرل نے کہا کہ امریکہ اپنی مرضی سے واپس نہیں جا سکے گا اور افغان عوام امریکہ کی کھلی جارحیت کا دلیرانہ مقابلہ کر رہے ہیں۔

عالمی ادارہ صحت (WHO) کے رابطہ کار برائے ٹی بی ماریو نے کہا ہے کہ امریکی بمباری سے جنوبی اور وسطی ایشیا میں ٹی بی پھیل سکتی ہے۔

24 / اکتوبر 2001ء — ایک دن میں 59 افراد شہید

امریکہ و برطانیہ نے مشترکہ اعلان کیا کہ اسامہ کی گرفتاری تک حملے جاری رہیں گے۔ ٹونی بلیئر نے کہا کہ ہمیں پتہ ہے کہ اسامہ افغانستان میں ہی ہیں۔ امریکی وزیر کولن پاؤل نے کہا کہ رمضان میں فوجی آپریشن جاری رکھنے یا نہ رکھنے کا فیصلہ فوج کرے گی۔ جبکہ رچرڈ باؤچر نے کہا کہ خراب موسم سے قبل کاروائی مکمل کرنا چاہتے ہیں۔ دریں اثناء حملوں سے مزید 59 / افراد شہید ہو گئے۔ مزار شریف کے نزدیک طالبان کے اگلے مورچوں پر بھی شدید بمباری ہوئی۔ اسامہ کے پرانے گھر پر بھی حملے کیے گئے۔

افغانستان میں حملوں کے نتیجے میں زخمیوں کی تعداد بہت بڑھ گئی جبکہ دواؤں اور دوسرے طبی سامان کی شدید قلت ہوگئی۔ کاٹن اور پٹیاں تک دستیاب نہیں۔

ایک عیسائی برطانوی رکن پارلیمنٹ نے مسلمان اراکین کو مباحثے کا چیلنج دیا کہ وہ ثابت کریں کہ افغانستان میں امریکہ اور برطانیہ کی جنگ کیسے جائز ہے اور اس کی کیوں حمایت کی جائے۔ انہوں نے کہا کہ حملوں میں بے گناہ مارے جارہے ہیں۔

طالبان کے نائب وزیر خارجہ نے ایک بیان میں کہا کہ طالبان میں انتہا یا اعتدال پسند گروپ کا کوئی وجود نہیں اور امریکہ جلد اپنے 100 کمانڈوز کی ہلاکت کا اقرار کرلے گا۔

اسامہ کو حوالے نہیں کریں گے — طالبان

افغان سفیر عبدالسلام ضعیف نے افغانستان روانگی سے قبل اپنے ایک بیان میں کہا کہ امریکہ پر جوابی حملے کے قابل ہوتے تو کر گزرتے، اگر امریکہ پوری افغان قوم کو ہلاک کردے پھر بھی اسامہ کو حوالے نہیں کریں گے۔ یہ جنگ امریکہ اور طالبان کسی کے مفاد میں نہیں، اس لڑائی سے امریکہ ٹوٹ جائے گا، ہم اپنی صلاحیت اور طریقے کے مطابق امریکہ پر حملہ ضرور کریں گے۔

25 / اکتوبر 2001ء — مسجد سمیت 20 مکانات، زمیں بوس

امریکی طیاروں نے ہرات میں ''قریہ اسحٰق سلیمانی'' نامی گاؤں پر کلسٹر بموں سے حملہ کیا، جس کے نتیجے میں بچوں اور عورتوں سمیت 20 / افراد شہید اور 8 زخمی ہو گئے۔ اور ایک مسجد سمیت 20 مکانات بھی زمیں بوس ہو گئے۔ قابل کے محاذ پر 24 گھنٹے میں 80 ہوائی حملے ہوئے جس کے نتیجے میں 2 افراد شہید اور 4 زخمی ہو گئے۔ جبکہ ایک ٹینک جزوی طور پر خراب ہو گیا۔ محاذ کے قریب اسٹالف کے قصبہ پر

میزائلوں کی بارش، بم اور میزائل طالبان اور شمالی اتحاد کے علاقوں پر گرتے رہے۔ فضا میں ہر وقت ایک درجن بمبار طیارے رہتے ہیں۔ تباہ شدہ صنعتی علاقہ پر ایک درجن کروز میزائل داغے گئے۔ کابل کے ایک شہری نے سوال کیا ہے کہ امریکی طیارے سے کھنڈرات کو بار بار نشانہ بنا رہے ہیں آخر ان کا مقصد کیا ہے؟

طالبان نے 5/امریکی کمانڈوز قتل کر دیئے

شمال سے تازہ ترین رپورٹ کے مطابق مزار شریف میں طالبان نے 5 غیر ملکی کمانڈوز ڈھیر کر دیئے یہ کمانڈوز دریائے آمو عبور کر کے افغانستان میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے کہ گھات میں بیٹھے طالبان نے ڈھیر کر دیا۔ پانچوں غیر ملکی کمانڈوز طالبان کے خلاف کسی خصوصی مشن پر تھے۔ اس دفاع کے بعد طالبان گوریلے بحفاظت اپنے علاقے میں پہنچ گئے۔

بامیان پر امریکہ اور حزب وحدت نے مشترکہ حملہ کیا جس کے جواب میں طالبان نے ان کی خوب دھنائی کی۔ اور 30 باغی ہلاک کر دیئے۔ باخبر ذرائع کا دعویٰ ہے کہ امریکی طیاروں کی بمباری کے بعد حزب وحدت نے زمینی حملہ کر دیا اور یہ سب کچھ معاہدے کے تحت ہوا جس کے نتیجے میں 3 طلبہ شہید اور متعدد زخمی ہو گئے۔

امریکہ نے اپنی نظر کرم ڈالتے ہوئے ایک بار پھر شمالی اتحاد پر شدید بمباری کی ہے جس کے نتیجے میں 30 جنگجو ہلاک ہو گئے، اس سے پہلے امریکی بمباری سے 70 باغی ہلاک ہو چکے ہیں۔

امریکہ کا اعترافِ شکست

امریکہ نے طالبان کے خلاف زمینی جنگ میں شکست کا اعتراف کر لیا ہے۔ امریکی وزیر دفاع نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ ہم افغانستان پر قبضہ حاصل نہیں کر سکتے، جبکہ شمالی باغیوں کی فوجیں کابل پر قابض ہو سکتی ہیں۔ اس لیے ہم ان کی بھرپور مدد کریں گے۔ زمینی حملے کے منہ کی کھانے کے تلخ تجربے سے قبل امریکی وزیر خارجہ نے انٹرویو میں کہا تھا کہ شمالی باغیوں کو کابل میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔

26/اکتوبر 2001ء — امریکی ایجنٹ کو پھانسی دے دی گئی

طالبان نے مخالف کمانڈر عبدالحق کو گرفتاری کے بعد قتل کر دیا، طالبان کا کہنا تھا کہ کمانڈر عبدالحق کو 8 ساتھیوں سمیت شوریٰ کے فتوے کے مطابق گولیاں ماری گئیں۔ امریکی ہیلی کاپٹر بھی انہیں بچانے میں

ناکام رہے۔ جبکہ 3/امریکی فرار ہو گئے۔ دریں اثنا امریکی بمباری سے ریڈ کراس کے 3 گودام تباہ ہو گئے۔ کابل اور دیگر شہروں پر بمباری سے 20/افراد شہید ہو گئے۔ اسامہ کی سرنگوں کے کمپلیکس پر بھی حملے کئے گئے۔ برطانیہ نے 200 کمانڈوز روانہ کردیئے۔ مزید 400 کمانڈوز کے آنے کا امکان ہے۔

2/امریکی جاسوس گرفتار

طالبان نے ایک چرواہے کی نشاندہی پر اسپین بولدک میں 2/امریکی کمانڈوز کو اطلاعات پہنچانے والے آلات سمیت گرفتار کرلیا ہے، جو سیٹلائٹ فون پر امریکی طیاروں سے رابطے میں مصروف تھے۔
طالبان کی مسلح افواج نے صوبہ غور اور مزار شریف پر امریکی اسپیشل فورسز اور شمالی اتحاد کا مشترکہ حملہ پسپا کردیا۔ اس حملے میں شمالی اتحاد کے 80 فوجی ہلاک ہو گئے۔ جبکہ 120 کو زندہ گرفتار کرلیا گیا۔
ملا محمد عمر نے کہا ہے کہ مسلمان اور غیر مسلم 72 گھنٹے تک دنیا بھر میں احتجاج کریں۔
امریکہ، روس، چین اور اسرائیل دہشت گردی کے عوامل ہیں، حالات مزید خراب ہوں گے۔

27/اکتوبر 2001ء— مسلسل بارہ گھنٹے بمباری

امریکی حملوں میں تیزی آ گئی۔ کابل پر مسلسل 12 گھنٹے بمباری کے نتیجے میں 37 شہری شہید ہو گئے۔ بگرام ایئرپورٹ پر آگ لگ گئی۔ طالبان کا ٹینک تباہ، بمباری سے اقوام متحدہ کا ایک مرکز بھی تباہ ہو گیا۔ قندھار میں طالبان کے ہیڈکوارٹر پر بھی حملے ہوئے۔ طالبان نے 5 کمانڈروں سمیت شمالی اتحاد کے 20 فوجیوں کو پھانسی دینے کی تردید کردی۔
''میجر مظہر ایوب یا جان بولٹن'' امریکی کمانڈو سے تفتیش شروع کردی گئی ہے۔ جان بولٹن گیارہ سال تک کیلیفورنیا کے بحری بیڑے میں متعین رہا، اس کا تعلق امریکی اے ڈی او سے ہے۔ افغانستان میں فوجی آپریشن کے لیے ڈاڑھی رکھی اور مقامی لباس میں چمن سرحد سے داخل ہوا لیکن طالبان کے ہاتھوں گرفتار ہو گیا۔

28/اکتوبر 2001ء— نو بچوں سمیت پچیس افراد شہید

امریکی طیاروں نے شہری آبادی پر شدید بمباری کی جس کے نتیجے میں 9 بچے سمیت 25/افراد شہید ہو گئے۔ جبکہ ایک گاؤں تباہ ہو گیا۔ متعدد مکان منہدم ہو گئے۔ 8/شہداء کا تعلق ایک ہی خاندان سے ہے، تاجک سرحد کے نزدیک بھی طالبان کے اگلے مورچوں پر حملے ہوئے۔ کابل میں امر

بالمعروف کا دفتر تباہ ہو گیا جبکہ جلال آباد پر کلسٹر بم گرائے گئے۔ ہرات میں 12 دکانیں منہدم ہو گئیں۔ ملا محمد عمر نے کہا کہ انشاء اللہ امریکہ کو تلخ سبق سکھائیں گے۔

بموں کا اسکریپ 35 روپے کلو

افغانستان کے مختلف علاقوں میں امریکی بمباری کے بعد کروز میزائل بم اور گولیوں کے ٹکڑے 35 روپے کلو کے حساب سے کباڑ کی دکانوں پر فروخت ہو رہے ہیں۔ ذرائع نے بتایا کہ بموں اور میزائلوں کے گرنے کے بعد ان کے ٹکڑوں کو سمیٹنے کے لیے کئی نوجوان ہاتھوں میں دستانے پہن کر بوریوں سمیت اُن پر لپک پڑتے ہیں اور چند منٹوں میں ہی لوہے کا ڈھیر اکٹھا کر لیتے ہیں۔

مہاجرین کے خیموں میں آگ لگ گئی

باھوکھوسو کے قریب نئے افغان مہاجرین کے خیموں میں آگ لگنے سے ایک بچہ ہلاک اور 12 افراد زخمی ہو گئے۔ قصبہ گل آباد میں افغانستان میں ہجرت کر کے آنے والے 400 قبائل کے لوگوں نے اپنے خیمے لگائے۔ اتوار کی صبح چائے تیار کرنے کے دوران گیس سلنڈر پھٹنے سے ایک خیمے کو آگ لگ گئی جس کے باعث 10 خیمے جل کر خاکستر ہو گئے۔ زخمیوں کو مقامی ہسپتالوں میں داخل کر دیا گیا ہے۔

20 لاکھ بے گھر افراد کے پاس ایک ماہ کا راشن

عالمی ادارہ خوراک نے کہا کہ 20 لاکھ بے گھر افغانوں کے پاس صرف ایک ماہ کا راشن ہے۔ آٹا 11 روپے کلو ہو گیا ہے۔ (Unhcr) نے کہا کہ پاکستان میں ڈیڑھ لاکھ مہاجرین کے لیے 17 کیمپ بنائے جائیں گے۔ کابل پر قبضہ کرنے کے لیے امریکہ نے شمالی اتحاد کو گرین سگنل دے دیا۔ بگرام پر امریکی حملے اس بات کی دلیل ہیں کہ طالبان سخت مقابلہ کر رہے تھے۔

29 اکتوبر 2001ء — ہم نے کئی امریکی کمانڈوز گرفتار کیے ہیں — طالبان

افغانستان پر حملوں کے سلسلے میں غاروں اور سرنگوں پر فضائی حملے ہوئے، جس کے نتیجے میں 25 شہری شہید ہو گئے۔ امریکہ شمالی اتحاد کے علاقے میں اڈا بنائے گا۔ امریکی اڈے میں 600 فوجی تعینات ہوں گے۔ طالبان کے خلاف برسرِ پیکار فوجیوں کو سہولتیں ملیں گی۔ 300 کمانڈوز کو ہنگامی طور پر نکالا جا سکے گا۔ تاجک سرحد کے نزدیک طالبان کے اگلی صفوں پر بمباری کی گئی۔ امداف میں بھی اضافہ کر دیا گیا۔ شمالی اتحاد کے علاقوں پر بھی حملے ہوئے۔ 9 شہری شہید ہوئے۔

تاجک سرحد کے نزدیک طالبان اور شمالی اتحاد میں شدید جنگ جاری ہے۔ دوستم، کمانڈر عطا اور محقق کی ملاقات میں امریکہ سے طالبان کے مورچوں پر بمباری کا مطالبہ کیا گیا۔

افغانی سفیر ملا عبدالسلام ضعیف نے کہا ہے کہ اسامہ کے پاس جوہری ہتھیار نہیں ہیں۔ امریکہ ایٹمی حملے کا جواز تلاش کر رہا ہے۔ جو ملک ایک پیالہ تیار نہیں کر سکتا وہ ایٹمی ہتھیار کیسے بنا سکتا ہے، ہم نے کئی امریکی گرفتار کر لئے ہیں، ہمارے پاس بہت مجاہد ہیں۔

امریکی کمانڈو میجر بولٹن عرف میجر مظہر ایوب سے طالبان کے خفیہ ادارے کی تفتیش جاری ہے۔ اور اس کی نشاندہی پر ایک امریکی کمانڈو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ اسپن بولدک میں طالبان کے ایک' اہلکار ملا محب اللہ نے بتایا کہ جان بولٹن نے دورانِ تفتیش متعدد اہم انکشافات کئے ہیں۔ ملزم کی نشاندہی پر سپینہ تھانہ کے علاقے سے اس کا ایک اور ساتھی گرفتار کر لیا گیا۔

30 اکتوبر 2001ء — امریکہ کیمیائی ہتھیار استعمال کر رہا ہے — طالبان

ملا عبدالسلام ضعیف نے کہا ہے کہ امریکہ کو بے گناہ افغانیوں کے خون کا حساب دینا ہوگا۔ کافروں کی حمایت کی وجہ سے شمالی اتحاد کے افراد واجب القتل ہیں۔ اسامہ کی حفاظت اسلامی حکم ہے اور ہماری جنگی صلاحیت محفوظ ہے۔ جو امریکہ کی ناکامی اور ہماری فتح کی دلیل ہے۔

امریکہ کے طیاروں نے طالبان کی فوجی رسد کے راستے اور بگرام ایئر بیس کے نزدیک بمباری کی۔ قندھار، جلال آباد، کابل، قندوز، بلخ اور پکتیا پر حملے جس سے چار شہری شہید ہو گئے اور درجنوں زخمی ہو گئے۔ قندھار ایئر پورٹ پر بھی بم گرائے گئے۔ طالبان نے کہا کہ امریکہ کیمیائی ہتھیار استعمال کر رہا ہے۔ امریکہ نے کہا کہ 500 امریکی کمانڈوز افغانستان میں برسرپیکار ہیں اور ہم کمانڈوز کے لیے اڈے بنانے پر غور کر رہے ہیں۔

دہشت گردی کے خلاف جنگ فراڈ ہے — برطانوی اخبار

برطانوی اخبار 'دی مرر' نے کہا کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ فراڈ ہے۔ غریب عوام کو طاقتور ملک کی جارحیت کا سامنا ہے۔ امریکی پائلٹ، ہسپتالوں، ریڈ کراس کے گوداموں اور گاڑیوں کو نشانہ بنا رہے ہیں۔ تین ہفتہ کی بمباری میں کوئی دہشت گرد نہیں مارا گیا۔ اخبار نے سوال کیا کہ ٹونی بلیئر جواب دیں کہ ایک ہی خاندان کے سات بچوں کی ہلاکت کا اسامہ کی گرفتاری سے کیا تعلق ہے؟ برطانیہ اگر تشدد کے خلاف ہے تو فلسطین سے اسرائیل کا غاصبانہ قبضہ ختم کرائے۔ عراق پر پابندیاں ختم کرے

جہاں 10 لاکھ بچے مر چکے ہیں۔ امریکہ و برطانیہ منافق ہیں۔ بش تیل و گیس کے ذخائر پر گرفت مضبوط کرنا چاہتے ہیں۔

کابل کے اسکولوں میں امتحانات

افغانستان پر امریکہ کی شدید بمباری کے باوجود کابل کے اسکولوں میں امتحانات لینے کا سلسلہ نہیں رُکا۔ غیر ملکی نیوا یجنسی کے مطابق کابل کے ایک اسکول استقلال ہائی اسکول کے استاد نے بتایا کہ بمباری کے باعث امتحانات اس سال بہت پہلے لئے جارہے ہیں۔ رپورٹ کے مطابق کابل کے شعبہ تعلیم کے دفاتر معمول کے مطابق کھل رہے ہیں۔

31 اکتوبر 2001ء — ہلال احمر کا ہسپتال بمباری سے تباہ

امریکی طیاروں کی شدید ترین بمباری کے نتیجے میں ہلال احمر کا اسپتال تباہ ہو گیا اور 15 شہری شہید اور 15 زخمی ہو گئے۔ طالبان اور اسامہ کے ٹھکانوں پر حملے ہوئے، اگلے مورچوں پر بھی بمباری کی گئی۔ بگرام ایئر بیس کے نزدیک 100 دھماکے سنے گئے۔ مزار شریف کو بھی نشانہ بنایا گیا۔ امریکی طیاروں نے کلسٹر بم اور کروز میزائل بھی گرائے، ملا عمر کی رہائش گاہ پر حملے ناکام ہو گئے۔ ایک پل تباہ ہو گیا اور ایک خاتون شہید ہو گئی۔

افغانستان کے وزیر خارجہ مولوی وکیل احمد متوکل نے قندھار میں پریس کانفرنس میں کہا کہ ملا عمر کا شیدائی ہوں۔ اختلافات کی خبریں بے بنیاد ہیں۔ پاکستان پر اعتماد کیا لیکن وہ چند ڈالر کی خاطر اسلامی رشتے بھول گئے۔ امریکہ نے اسامہ کے مسئلے پر مذاکرات کے راستے بند کئے، اب یہ مسئلہ جنگ سے ہی حل ہوگا۔

رمضان میں حملے جاری رہیں گے — امریکہ

امریکہ وزیر دفاع ڈونلڈ رمزفیلڈ نے کہا کہ رمضان میں حملے روکنے کے لیے صدر پرویز سے متفق نہیں ہے ہمارے زمینی دستے شمالی اتحاد کے ساتھ مل کر لڑ رہے ہیں، امریکی فوجیوں کو بہت قلیل تعداد میں امریکی طیاروں اور شمالی اتحاد کے لیے ہدف کی نشاندہی کرتی ہے۔ عالمی دہشت گردی کے خلاف جنگ میں مدد دینے کے صدر پرویز کا فیصلہ قابل تعریف ہے۔ جنگ بہت اچھے طریقے سے جاری ہے۔

ملا عبدالسلام ضعیف نے کہا ہے کہ الخدار ابراہیمی امریکی ایجنٹ ہیں، ہم ان سے ملاقات کریں

گے، نہ ہی مذاکرات کریں گے۔ امریکہ افغانوں کی نسل کشی کر رہا ہے، اقوامِ متحدہ امریکی مفادات کے لیے کام کرتا ہے۔

یکم رنومبر 2001ء — ظاہر شاہ افغانستان پر حکمرانی کے خواب دیکھنا چھوڑ دے — طالبان

ملا محمد عمر نے کہا ہے کہ سابق شاہ افغانستان پر حکمرانی کا خواب دیکھنا چھوڑ دیں اور جو ظاہر شاہ کا ساتھ دے گا اسے غدار قرار دے کر سزائے موت دی جائے گی۔ طالبان حکام نے کہا ہے کہ ظاہر شاہ کے حامیوں کی فہرست تیار کر لی ہے۔

امریکہ وزیر دفاع رمزفیلڈ نے کہا ہے کہ امریکہ شمالی افغانستان میں مزید فوج بھیج رہا ہے۔ ہمیں سخت جانی دشمن کا سامنا ہے اور کسی کو امریکہ کی طاقت کے بارے میں غلط فہمی کا شکار نہیں ہونا چاہیے۔

گاؤں کھنڈرات میں بدل گیا

امریکہ نے فضائی حملے تیز کر دیئے۔ کابل، قندھار، مزار شریف اور اطراف کے علاقوں میں دس بھاری بمبار طیاروں نے کئی گھنٹے شدید بمباری کی۔ پہاڑی پناہ گاہوں، غاروں سرنگوں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ مزار شریف پر قبضہ کے لیے طالبان کے فوجی ٹھکانوں پر بمباری شمالی اتحاد کے سرحدی علاقوں کے مکانات کی کھڑکیاں اور دروازے ٹوٹ گئے۔ قندھار کے قریب ایک گاؤں تباہ ہو گیا۔ پچاس مکانات کھنڈرات میں تبدیل ہو گئے۔ تقریباً ایک سو افراد شہید ہو گئے۔ جمعرات کو بمباری کرنے والے طیاروں کی تعداد پچاس تھی۔ جن میں B-52 بمبار طیارے بھی شامل تھے۔ کلسٹر بم بھی برسائے گئے۔ اقوامِ متحدہ کے نمائندے الخدار براہیمی نے کہا ہے کہ امریکہ کے حملے بند ہونے چاہئیں جن سے بے گناہ لوگ مر رہے ہیں۔

2 رنومبر 2001ء — امریکی جاسوس کو سزائے موت

مزار شریف اور شمالی علاقوں میں طالبان کے ٹھکانوں پر شدید ترین بمباری کی گئی۔ طالبان نے کہا کہ اب تک 100 امریکی ہلاک ہو چکے ہیں۔

شمالی اتحاد کے سینئر اہلکار نے اعتراف کیا کہ امریکی بمباری کے باوجود طالبان کے مورچوں پر حملہ نہیں کر سکتے۔ امریکی بمباری کافی ہے نہ ہمارے پاس طالبان پر حملہ کرنے کے لیے زیادہ فوجی ہیں۔

گزشتہ ہفتہ چمن سے افغان سرحدی شہر سپین بولدک میں داخل ہوتے ہوئے گرفتار ہونے والے 2 رامریکی جاسوس میجر مظہر ایوب اور اس کے ساتھی کو قندھار میں طالبان کی شرعی عدالت نے پھانسی کی سزا سنادی۔ تاہم سزا پر عملدرآمد کے لیے وقت کا تعین نہیں کیا گیا۔ طالبان ذرائع کے مطابق حالات سازگار ہونے پر سزا پر عملدرآمد کیا جائے گا۔

ہیومن رائٹس واچ نے کہا کہ امریکہ افغانستان میں کلسٹر بموں کا استعمال بند کرے کیونکہ اس سے شہری جانوں کو شدید خطرہ لاحق ہے۔ افغانستان پر استعمال ہونے والے کلسٹر بم میں 202 بم ہوتے ہیں۔

قندھار میں چار ہفتوں کی بمباری کے باوجود طالبان حکومت کے لیے عوامی حمایت بدستور قائم ہے، غیر ملکی صحافیوں کو علاقے کا دورہ کرایا گیا۔

واشنگٹن ٹائمز نے دعویٰ کی کہ طالبان نے ملک میں جاسوسی کا مضبوط جال بچھا رکھا ہے۔ اس مضبوط جال کے باعث افغانستان میں کسی بھی اتحادی اور اجنبی کا گھسنا بہت مشکل ہے۔ ملک بھر میں پھیلے اس جاسوسی کے نیٹ ورک کی بدولت ہی کمانڈر عبدالحق کو پکڑا گیا۔

3 رنومبر 2001ء — امریکہ کا ایک طیارہ 2 ہیلی کاپٹر تباہ

طالبان نے دعویٰ کیا کہ ایک امریکی طیارہ اور دو ہیلی کاپٹروں کو تباہ کر دیا گیا اور 50 امریکی مار دیئے گئے جبکہ امریکہ کا کہنا ہے کہ فوجی محفوظ ہیں۔ طالبان نے کہا کہ غزنی میں امریکی ہیلی کاپٹر اور عملے کو بچانے کے لیے آنے والے طیارے کو نشانہ بنایا ہے۔ امریکہ نے بمباری سے ہیلی کاپٹر اور طیارے کے ٹکڑے کر دیے۔ پینٹا گون نے کہا کہ ہیلی کاپٹر اور طیارہ خراب موسم کے باعث گرے۔

امیر المومنین کے مشیر خاص نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ جنگ بندی کی اپیل نہیں کی جائے گی۔ اقوام متحدہ کو تسلیم کرتے ہیں نہ ہی فیصلے قبول کریں گے۔ اقوامِ متحدہ نے اپنی حیثیت کھو دی ہے اور وہ امریکہ کا ذیلی ادارہ بن چکا ہے۔ موجودہ لڑائی جنگ نہیں جہاد ہے اور جہاد بند کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ شمالی اتحاد نے امریکہ کی مدد سے عارضی ہوائی اڈہ تعمیر کیا ہے۔

مزار و قندھار پر کلسٹر بموں کی بارش

مزار شریف، قندھار اور کابل کے شمال میں B-52 طیاروں نے ہزاروں ٹن وزنی بم گرائے۔ کلسٹر بموں کی لپیٹ میں دیہات آ گئے۔ ٹرک پر دو بم گرنے سے 11 رشہری شہید ہو گئے۔ طالبان نے ''آق

کیپرک'' شہر کا علاقہ واپس چھین لیا۔ امریکی جنرل نے کہا کہ کمانڈوز کی تعداد میں اضافے سے فضائی مہم مؤثر ہوگئی۔

امریکہ نے کہا کہ طالبان کی فوجی صلاحیتیں باقی ہیں۔ رمضان میں حملے بند نہیں کر سکتے۔

امریکی حملوں کا پانچواں ہفتہ شروع ہونے کے باوجود امریکہ طالبان اور اسامہ کا سر نہیں جھکا سکا۔

شہریوں کی ہلاکت پر اتحادیوں میں اضطراب شروع ہوگیا۔ سردیوں میں انسانی المیہ جنم لے سکتا ہے۔

شمالی اتحاد کے کمانڈروں نے اعتراف کیا کہ امریکی حملے کمزور ہوگئے لیکن طالبان ختم نہیں ہوئے۔

امریکی جاسوس میجر جان بولٹن بمباری کی دہشت سے ہلاک ہوگیا۔ طالبان نے کہا کہ اس پر تشدد نہیں کیا گیا۔ ہلاکت کی وجہ بیماری اور خوف ہے جبکہ ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ اسے گردوں کا عارضہ تھا۔ ریڈکراس نے اس کی لاش وصول کرنے سے انکار کر دیا۔

4 رنومبر 2001ء — امریکی فوجی کا ہیلمٹ بارہ ہزار میں فروخت

امریکی فوجی کا ہیلمٹ 12 رہزار روپے میں فروخت ہوگیا ہے۔ الجزیرہ کے صحافی نے بارہ ہزار روپے کا نیا میکارف دے کر ہیلمٹ لیا اور چلتا بنا۔

نادر کے ضلعی سربراہ نیک محمد نے اپنے ایک بیان میں کہا کہ غزنی میں گرائے جانے والے امریکین ہیلی کاپٹر نے پاکستان کے دعووں کو بھانڈا پھوڑ دیا، تباہ شدہ گن شپ ہیلی کاپٹر سے جیکب آباد اور جاغی کے نقشے برآمد ہوئے جو کہ جیکب آباد سے جنگی پروازوں کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ گن شپ ہیلی کاپٹر کے پائلٹ کا بریف کیس طالبان کے ہاتھ لگ گیا اور دو بڑے اور پانچ چھوٹے انتہائی اہم نقشے برآمد ہوئے۔ جن پر افغانستان پر حملوں اور آمد و رفت کا پورا نقشہ درج ہے۔ ہیلی کاپٹر پر بمباری کا مقصد خفیہ دستاویزات، جاغی و جیکب آباد کے نقشے اور فوجیوں کی باقیات کو تباہ کرنا تھا۔

امریکی بمباری سے 1300 خاندان بے گھر

جلال آباد میں امریکی بمباری کے خوف سے 1300 افغان گھرانے بے گھر ہوگئے۔

40 رامریکی کمانڈوز ہلاک ہوئے

چالیس سے زائد امریکیوں کی ہلاکت کی تصدیق ہوگئی ہے۔ غزنی کے قریب گرنے والے دو ہیلی کاپٹروں میں سے بڑے ہیلی کاپٹر سے 36 کمربند، 180 گرین، 3 ہلمٹ گیس ماسک، 2 بلٹ پروف

جیکٹ اور پائلٹ کا بریف کیس برآمد ہوا ہے۔

عرب مجاہدین نے بم بنانے شروع کر دیئے

امریکی B-52 طیاروں اور کروز میزائلوں نے کابل، تخار، مزار اور سمنگان پر خوفناک حملے کئے جس سے دو شہری شہید اور متعدد زخمی ہو گئے۔ تخار کے محاذ پر ایک درجن کروز میزائل برسائے گئے۔ B-52 طیاروں سے سینکڑوں بموں کی مسلسل بارش سے دو طلبہ شہید اور آٹھ زخمی ہو گئے۔ آق کوپرک پر طالبان کے قبضے کے بعد امریکی طیاروں نے کئی گھنٹے بمباری کی۔ درہ صوف پر بھی حملے ہوئے جہاں سے کسی جانی نقصان کی اطلاع نہیں ملی۔

انتہائی باخبر ذرائع نے دعویٰ کیا کہ امریکی بمباری میں جو بم پھٹ نہ سکے، عرب مجاہدین نے اُنہیں بموں سے نئے بم بنانے شروع کر دیئے ہیں۔

5رنومبر 2001ء— مسجد اور قبرستان پر بمباری

کابل، مزار شریف اور طالقان کی آبادی پر صلیبی طیاروں کے حملوں میں 15 عام شہری شہید ہو گئے۔ اور درجنوں زخمی ہو گئے۔ قندوز میں قبرستان کو بھی امریکی طیاروں نے بمباری کا نشانہ بنایا جس سے قبروں اور مردوں کی بے حرمتی ہوئی اور ایک میت کو دفنانے والے 3 رشتہ دار شہید اور 8 زخمی ہو گئے۔ قندوز کے مشتعل عوام نے شدید برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ روسیوں نے بھی قبرستان پر بمباری نہیں کی تھی۔ کابل کے ''باغ بالا'' ہوٹل کے قریب ایک عام گھر پر بم پھینکا گیا جس گھر کے تین افراد شہید اور متعدد زخمی ہو گئے۔ ''آق کوپرک'' میں بھی دیہاتوں پر حملہ کیا گیا جس سے 10 سے زائد دیہاتی شہید ہو گئے۔

17رلاکھ بچوں اور 10 لاکھ عورتوں کی زندگی خطرے میں ہے — اقوامِ متحدہ

اقوامِ متحدہ کے ذیلی ادارے یونیسیف نے واضح کیا کہ افغانستان میں سردیوں کی آمد کے باعث 17 لاکھ بچے اور دس لاکھ کے قریب حاملہ عورتوں کی زندگیاں خطرے میں ہیں۔

اسلام آباد میں پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے افغان سفیر ملا عبدالسلام ضعیف نے کہا کہ انشاء اللہ افغانستان میں طالبان کو ہٹانے کی امریکی خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ طالبان افغان معاشرے کا دل ہیں اور دل کو جسم سے کبھی جدا نہیں کیا جا سکتا۔

6رنومبر 2001ء مسافر بچوں پر بمباری

مزارشریف میں سمنگان روڈ پر چلتی ہوئی 2 عام گاڑیوں پر امریکی طیاروں نے میزائل برسائے جس سے 10 افراد شہید ہو گئے۔ قندوز کے گاؤں میں لوگ نماز پڑھ رہے تھے کہ طیاروں نے مسجد پر بم برسائے جس سے 8 نمازی موقع پر ہی شہید ہو گئے۔ ان دونوں شہروں میں کل 30رافراد زخمی ہو گئے۔

کابل کی شاہراہوں پر امریکی ہیلی کاپٹر کا جنازہ

ایک ماہ سے جاری امریکی بمباری میں پہلی بار کابل کے شہریوں کے لئے دلچسپ تفریح پیش کی گئی جس میں کابل کی شاہراہوں پر گن شپ ہیلی کاپٹر کے ملبے کا جلوس نکالا گیا۔ گن شپ ہیلی کاپٹر کے دو پہیوں، انجن اور پر کو گاڑی میں رکھ کر شاہراہ پر لایا گیا تو دیکھنے کے لیے کابل کے شہری ٹوٹ پڑے۔ جگہ جگہ ہزاروں کا اجتماع تھا۔ شہر نعرۂ تکبیر اللہ اکبر مرگ بر امریکہ، انگریز مردہ باد، طالبان زندہ باد کے فلک شگاف نعروں سے گونج اُٹھا جس سے ثابت ہوا کہ عوام نے طالبان کے دعووں کی تصدیق کر دی۔

اندھادھند بمباری سے بارہ مسافر شہید

جلال آباد میں امریکی طیاروں نے کمانڈر عبدالحق کی گرفتاری کے علاقے میں چلتی ہوئی وین پر بھی میزائل داغ دیا جس سے 3رافراد شہید ہو گئے، اس کے علاوہ امریکی طیاروں نے کمانڈر عبدالحق کے آبائی گاؤں کے قریب شادی کی تقریب پر بھی بم پھینکا گیا۔ دولہا کا بھائی اور 2 مہمان شدید زخمی ہو گئے۔ ان دونوں حملوں میں 7رافراد زخمی ہو گئے۔

بمباری سے زخمی بچے دیکھ کر انسانیت کانپ اُٹھتی ہے۔ بی بی سی

افغانستان پر امریکی بھیانک بمباری کے دوران زخمی ہو کر پاکستان کے مختلف ہسپتالوں میں پہنچنے والے نوعمر معصوم بچوں اور خواتین کے چہرے دیکھ کر انسانیت کانپ اُٹھتی ہے۔ بی بی سی نے اپنی ایک خصوصی رپورٹ میں کہا ہے کہ افغانستان سے آنے والے نوعمر بچے کسی بھی بات پر کوئی ردّعمل ظاہر نہیں کرتے بلکہ گم سم سپاٹ چہرے سے دیکھتے رہتے ہیں۔ بی بی سی نے رپورٹ میں ایسے کئی نوعمر افغان بچوں کو دکھایا جو فلم بندی کے دوران جاں بحق ہو گئے۔ رپورٹ کے مطابق صرف جلوزئی کیمپ میں کم از کم روزانہ ایک افغان بچہ جاں بحق ہو رہا ہے اور مجموعی طور پر بڑی تعداد میں معصوم افغان بچے جاں بحق ہو رہے ہیں۔

7رنومبر 2001ء—20رشعبان 1422ھ

کابل، جلال آباد پر 12 گھنٹے مسلسل بمباری، 10رشہری شہید، قطر میں امریکی فضائی اڈے پر فدائی حملہ، متعدد امریکی فوجی زخمی۔

قندھار کے قریب امریکی ایجنٹوں کا گروہ گرفتار۔ اسلحہ، گاڑیاں اور کروڑوں روپے برآمد۔

طالبان کے حامیوں کو سرحد پار جانے سے نہیں روک سکتے — صدر پرویز مشرف

خوست میں بھی برقہ پوش امریکی کمانڈو زرہبر سمیت گرفتار۔

مہلک بموں کے باوجود الحمدللہ ہمارے حوصلے بلند ہیں — کمانڈر امداداللہ۔

8رنومبر 2001ء—21رشعبان 1422ھ

کابل اور جلال آباد پر امریکی طیاروں کے شدید حملے، متعدد شہری شہید۔

مزار شریف پر شمالی اتحاد کے 3 بڑے حملے پسپا، کئی ٹینک اور فوجی گاڑیاں تباہ۔

جلال آباد۔ طالبان نے امریکہ کے لیے جاسوسی کرنے والے کمانڈر عبدالحنان سمیت 120 رافراد گرفتار کر لئے۔

کراچی میں افغان قونصل خانہ بند کرنے کا حکم۔

امریکی دباؤ پر حکومت طالبان سے سفارتی تعلقات ختم کرنے پر غور کر رہی ہے۔

9رنومبر 2001ء—22رشعبان 1422ھ

طالبان نے حکمت عملی کے تحت مزار شریف سے نکل کر شہر کا محاصرہ کرلیا۔

قندھار میں ہسپتال اور کابل میں مسافر گاڑیوں پر بمباری۔ 15 شہری ہلاک۔

پاک افغان دفاع کونسل کی طرف سے ہڑتال کی اپیل پر ملک بھر میں احتجاج و ہڑتال۔ ڈیرہ غازی خان میں پولیس کی فائرنگ سے 4 نہتے شہری ہلاک۔

ترکی نے اپنے فضائی اڈے امریکہ کو دے دیے۔ 90رجنگجو بھی افغانستان بھیج رہا ہے۔

10رنومبر 2001ء—23رشعبان 1422ھ

امریکہ کی طرف سے شمالی اتحاد کے لئے ڈیڑھ ارب ڈالر کے ہتھیار منظور۔

یونان نے امریکہ کو فوجی دستے دینے سے انکار کر دیا۔ بش نے یونانی صدر سے درخواست کی تھی۔

امریکی فوجی کاروائی پر ظاہر شاہ کی مایوسی، قابل ذکر پیش رفت نہیں ہو رہی ــــ ظاہر شاہ

11 / نومبر 2001ء ــ 24 / شعبان 1422ھ

امیر المؤمنین کے حکم پر مجاہدین سرپل اور شبرغان سے بھی واپس آ گئے۔ مزار شریف کے بعد دونوں صوبوں کے مجاہدین کو رسد کی ترسیل مشکل تھی۔

ایٹمی یا کیمیاوی حملے کا جواب بھی اسی انداز میں دیا جائے گا۔ اسامہ بن لادن

قندھار کے قریب ضلع خاک میں تین دیہات پر امریکی طیاروں کی وحشیانہ بمباری۔ 300 عام شہری شہید، گاؤں شاہ آغا مکمل تباہ۔

مزار شریف میں قبضے کے بعد شمالی اتحاد میں شدید اختلافات۔

طالبان، امریکہ اور شمالی اتحاد کے خلاف آخری دم تک لڑیں گے ــــ ملا عبد الجلیل

امریکہ و برطانیہ کے 200 طیارے طالبان پر بمباری کر رہے ہیں۔

ویتنام میں امریکہ کی جارحیت کا انجام

جانے مانے دانشور، فلسفی لارڈ برٹرینڈ رسل نے ویتنام میں امریکی جارحیت اور ظلم و جبر کے خلاف ایک ایسے ادارہ کے قیام کی ضرورت محسوس کی جو آزادانہ شہادتیں جمع کرنے اور واقعات کی چھان بین کر کے امریکہ کے انسانیت سوز جنگی جرائم کی تحقیق کے بعد اپنا فیصلہ لکھے۔ انہوں نے ۹۶ سال کی عمر میں جوانوں جیسے حوصلہ کے ساتھ یہ اہم خدمت انجام دیں اور ۱۹۶۶ء میں رسل ٹریبونل وجود مین آ گیا۔ امریکی ظلم و جبر کے خلاف اس ٹریبونل کا فیصلہ ظلم و جبر اور جارحیت کے خلاف جمہوریت پسند اور غیر جانبدار دانشوروں کا فیصلہ ہے جس کی تفصیلات ایک کتاب ''وار کرائمز ان ویتنام'' ویت نام کے جنگی جرائم میں جمع کر دیئے گئے ہیں۔

سوشلسٹ جمہوریت ویتنام جنوب مشرقی ایشیا میں ٹونکن کی خلیج اور بحیرۂ چین کے ساحل پر بسا ہوا ہے۔ اس کے شمال میں عوامی جمہوریہ چین اور مغرب میں لاؤس اور کمبوڈیا بسے ہوئے ہیں۔ ویت نام کے ساحل کی لمبائی ۱۴۰۰ میلیے۔ یہ ایک ساحلی پٹی ہے۔ بحیرۂ چین اس کے مشرق اور جنوب میں ہے۔ پچیس فیصد حصہ یہاں کا زرخیز ہے۔ دریائے سرخ کی وادی بہت زرخیز ہے۔ جنوب میں دریائے میکانک کے ڈیلٹا میں بھی کاشت ہوتی ہے۔ اس علاقہ میں گھنے جنگلات ہیں۔ ویت نام کا رقبہ ایک لاکھ ۲۷ ہزار ۲۰۷ مربع میل ہے۔ آبادی سات کروڑ ہے۔

سرکاری اور قومی زبان ویت نامی ہے۔ اس کے علاوہ چینی انگریزی اور فرانسیسی زبانیں بھی لکھی پڑھی اور بولی جاتی ہیں۔

زیادہ تر لوگ بدھ مذہب، کنفیوشیس مت اور تاؤیت کے ماننے والے تھے مگر کسی بھی مذہب پر عمل نہ کرنے والوں کی بھی خاصی تعداد ہے۔ تھوڑی تعداد عیسائیوں اور مسلمانوں کی بھی ہے۔

حضرت عیسیٰ کی پیدائش سے پہلے بھی ٹونکن کا علاقہ ایک تاریخی حیثیت رکھتا تھا۔ ۱۱۱ قبل مسیح میں اس

علاقہ پر چین کا قبضہ تھا۔ پھر کئی صدیوں تک یہ علاقہ چین کا باجگذار رہا۔

ویت نامیوں نے ۱۲۸۸ء میں منگول حملہ آور قبلائی خاں کو شکست دے دی تھی۔ ۱۸۵۸ء میں فرانس نے اس کو اپنی نوآبادی بنالیا۔ دوسری جنگ عظیم میں جاپان نے ویت نام پر قبضہ کرلیا۔ اسی زمانہ میں ہو چی منہ کی قیادت میں ویت نام کے قوم پرستوں نے مسلح چھاپہ مار جنگ شروع کردی۔

شروع میں جو قوم پرست گروہ قائم ہوا اس کے لیڈر ہو چی منہ تھے۔ انہوں نے ویت نام کی کمیونسٹ پارٹی کو منظم کیا۔ ۱۹۴۵ء میں ویت منہ حریت پسندوں نے جاپان کی کٹھ پتلی حکومت کے بنائے ہوئے شہنشاہ باؤ دامی کو اقتدار چھوڑنے پر مجبور کردیا۔ اس کے بعد فرانس نے ہو چی منہ کی کمیونسٹ تنظیم کو کچلنے کے لیے طاقت کا استعمال شروع کردیا۔

ویت، منہ کے حریت پسندوں کی چھاپہ مار جنگ ۱۹۴۶ء سے ۱۹۵۴ء تک جاری رہی۔ ۱۹۵۴ء میں ڈین بین پھو کے محاذ پر ویت منہ حریت پسندوں نے فرانس کی طاقتور فوج کو فیصلہ کن شکست دے کر شمالی ویت نام میں ہو چی منہ کی قیادت میں کمیونسٹ پارٹی کی حکومت قائم کرلی۔

یکم جولائی ۱۹۴۹ء میں سابق شہنشاہ باؤ دامی نے فرانس کی مدد سے ملک کے جنوبی علاقہ میں ویت نام کے نام سے الگ حکومت قائم کرلی۔

اسی بیچ چین نے شمالی ویت نام کی ہو چی منہ حکومت کی حمایت اور امداد شروع کردی۔ شمالی ویت کو سوویت یونین سے بھی امداد ملنے لگی۔

۱۹۵۴ء میں ویت نام میں جنگ بندی کا معاہدہ ہوگیا۔ فرانس کی فوج واپس بلا لی گئی اور دونوں علاقوں میں انتخابات کرائے جانے کا اعلان ہوا۔ مگر اس پر عمل نہ ہوسکا۔

جنوبی ویت نام کی راجدھانی سائیگون تھی جب کہ شمالی ویت نام کی راجدھانی ہنوئی تھی۔

جنوبی ویت نام میں امریکہ کی شکست کے بعد سائیگون کا نام بدل کر ہو چی منہ سٹی رکھ دیا گیا۔

شمالی ویت نام نے جنوبی ویت نام کی حکومت ختم کر کے متحدہ ریاست کی کوششیں تیز کردیں تو اس کے خلاف دنیا کا پولس مین بننے کا دعویٰ کرنے والا امریکہ آ گیا اور جنوبی ویت نام کو پہلے مالی امداد، پھر فوجی امداد دینا شروع کردی۔ آخر ۱۹۶۴ء سے امریکی فضائیہ نے شمالی ویت نام پر حملے شروع کردیئے۔

دوسری جنگ عظیم کے بعد فرانس اور امریکہ کے خلاف ویت نام کی جنگ طویل قومی جنگ تھی۔ آزادی کے لیے سب سے بڑی مسلح جدوجہد۔ امریکی فضائیہ کے حملوں میں ہزاروں ویت نامی موت کی نیند سو گئے۔ اور اس طرح امریکہ ویت نام کی جنگ میں براہ راست شامل ہوگیا۔

اپریل ۱۹۶۹ء میں جنوبی ویت نام میں امریکی فوجیوں کی تعداد پانچ لاکھ چوالیس ہزار تھی۔ ۱۹۷۲ء میں امریکہ نے شمالی ویت نام پر زبردست بمباری کا سلسلہ شروع کر دیا اور زمینی جنگ میں بھی اپنی پوری طاقت جھونک دی مگر جنگ کا پانسا امریکہ کے خلاف پلٹتا چلا گیا۔

۱۹۷۵ء میں امریکہ نے ویت نام میں حریت پسندوں کے ہاتھوں اپنی شکست تسلیم کر لی۔

ویت نام کی جنگ میں امریکہ کے اڑتالیس ہزار فوجی مارے گئے۔ جنوبی ویت کی کٹھ پتلی حکومت کے مرنے والے سپاہیوں کی تعداد دو لاکھ تھی۔ ہلاک ہونے والے شہریوں کی تعداد دس لاکھ تھی۔ اس جنگ میں صرف جنوبی ویت نام کے بے گھر ہونے والوں کی تعداد کا اندازہ ۶۵ لاکھ لگایا گیا تھا۔

جنوبی مشرقی ایشیا میں ۵۸ ہزار ایک سو ترپن امریکی فوجیوں کی ہلاکت کی امریکہ میں ہر سال یاد منائی جاتی ہے۔ مگر مارے جانے کے اسباب پر غور کر کے انہیں دور کرنے پر توجہ نہیں دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دوسروں کے پھڈے میں پیر اڑا کر اپنی ٹانگیں امریکہ ہر جگہ تڑوا کر ذلت و رسوائی کے ساتھ ان علاقوں سے واپسی پر مجبور ہوتا رہا ہے۔

ویت نام میں تین برس میں امریکی فضائیہ نے اٹھارہ لاکھ نناوے ہزار حملے کیے۔ ۶۷ لاکھ ۲۷ ہزار ٹن بم گرائے۔ ویت نام کی کھیتیوں اور باغات کو تباہ کرنے کے لیے ایک کروڑ نوے لاکھ گیلن تباہ کن مادہ چھوڑا۔ زمین پر زہریلی دوائیں چھڑکیں جن کا اثر سو برس تک رہے گا۔ ایک کروڑ لوگ بے گھر ہوئے، نوے لاکھ بچے یتیم ہو گئے۔ پندرہ لاکھ بچے کسی نہ کسی مرض کا شکار ہو گئے۔ چھتیس لاکھ باسٹھ ہزار لوگ ہلاک ہو گئے۔ مگر نتیجہ صفر۔ جذبۂ آزادی و جانفروشی کے آگے یہ سب ناکام....

امریکی دہشت گردی صومالیہ سے افغانستان تک

۱۱ ستمبر کے بعد پاگل جانور کی طرح امریکہ مسلم ملکوں پر حملہ آور ہے۔ ساتھ ہی یورپ کی صلیبی کفر کی طاقتوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا ہے۔ اس کی ظاہری طاقت و قوت کے آگے مسلم حکمراں بھی اس کے گو بھرے قدموں میں لوٹ رہے ہیں اور اس سے پوچھنے والا کوئی نہیں کہ اس کے پاس کیا دلیل ہے کہ اسامہ اور طالبان دہشت گرد ہیں۔

امریکہ کی یہ دہشت گردی برسوں سے جاری و ساری ہے۔ مگر اس کے نمک خوار مسلم حکمراں اللہ کی طاقت سے منہ موڑ کر امریکی طاقت کے سامنے سجدہ ریز ہیں۔ یہاں ہم امریکہ کی عالمی دہشت گردی کی ایک تصویر دکھانے جا رہے ہیں تاکہ آپ خود فیصلہ کریں کہ اصل دہشت گرد کون ہے؟

فلسطین میں امریکی اور اسرائیلی دہشت گردی

۱۹۴۸ء میں اسرائیل کے قیام سے لے کر اب تک امریکہ اور اسرائیل کی مشترکہ دہشت گردی میں ایک لاکھ مسلمان شہید کئے گئے۔آج بھی امریکہ اسرائیل کو مسلمانوں کو مارنے کے لیے فوجی اور مالی امداد دے رہا ہے۔اسرائیلی فوج امریکہ کی چھتر چھایہ میں مسلمانوں پر حملہ آور ہے۔فلسطینیوں کے قتل پر امریکہ چشم پوشی کے ساتھ ہی اس کی پیٹھ بھی تھپتھپاتا رہتا ہے ورنہ اگر امریکہ اسرائیل اور عربوں کے بیچ غیر جانبدار ہو جائے تو بارہ گھنٹے کے بعد دنیا پوچھے گی کہ اسرائیل کی حکومت کہاں گئی؟

مگر امریکہ اسے ہر طرح کی مدد فراہم کرتا ہے۔لہٰذا اسرائیلی دہشت گردی دراصل امریکی دہشت گردی کی دوسری شکل ہے۔اس سے صاف ظاہر ہے کہ مسلمانوں کا قتل امریکی مقاصد کا اہم حصہ ہے۔

بوسنیا اور کوسوو میں امریکی دہشت گردی

یوگوسلاویہ میں امریکی دہشت گردی اس وقت شروع ہوئی جب ۱۹۹۲ء میں امریکہ اور جرمنی نے یوگوسلاویہ کو تقسیم کرلیا۔اس کے بعد بوسنیا کے اندر جنگ چھڑ گئی۔اس جنگ میں ۱۹۹۵ء کے اندر تین لاکھ سے پانچ لاکھ لوگ مارے گئے۔امریکی فوجوں نے یوگوسلاویہ پر کلسٹر بم، فیول ائیر بم، نیپام بم، کروز میزائل اور دیگر میزائلوں سے حملہ کیا۔اس حملہ میں دو لاکھ تیس ہزار شہری مارے گئے۔لاکھوں افراد کلسٹر بموں سے زندگی بھر کے لیے معذور ہو گئے۔ہزاروں لوگ ان حملوں سے بچنے کے لیے محفوظ مقامات کی تلاش میں بھاگتے ہوئے مارے گئے۔کوسوو پر قبضہ کے بعد آج بھی وہاں قتل عام جاری ہے۔نیٹو افواج کی موجودگی میں مسلمانوں کو اغوا کیا جا رہا ہے۔مسلمانوں کی نسل کشی جاری ہے۔سر بازار انہیں تشدد کا نشانہ بنایا جا رہا ہے، مساجد گرائی جا رہی ہیں، مسلمان عورتوں کو اغوا کر کے ہزاروں ڈالر کے بدلہ یورپ میں بیچ دیا جاتا ہے۔

مشرقی تیمور میں امریکہ کی دہشت گردی

مشرقی تیمور نے پرتگال سے آزادی حاصل کر لی مگر امریکہ نے انڈونیشیا کو اکسا دیا اور فوجی و مالی امداد دے کر انڈونیشیا سے حملہ کرا دیا۔اس کارروائی میں دو لاکھ سے زیادہ لوگ ہلاک ہو گئے۔بچوں کو ٹینکوں سے روند دیا گیا۔کہیں کوئی مسلمانوں کو مارے چاہے وہ مسلم نما حکمراں ہو، امریکی امداد حاضر

ہے۔وہ انڈونیشیا ہو یا پاکستان ہو۔

عراق میں امریکی دہشت گردی

عراق پر حملہ جوتے خور بش کے باپ نے کیا تھا اور آج تک عراق کے عوام آگ و بارود کی بارش سے نہلائے جارہے ہیں۔اس امریکی غنڈہ گردی کے نتیجہ میں ۱۹۹۱ء سے اب تک نو لاکھ سے دس لاکھ تک مسلمان مارے جاچکے ہیں۔ ہزاروں بچے دوا اور غذا کی قلت سے معذور ہو چکے ہیں۔ سینکڑوں عورتیں بیوہ ہو چکی ہیں۔ لاکھوں لوگ بھوک کا شکار ہیں۔عراق جیسا خوبصورت ملک کھنڈر میں بدل گیا ہے۔ ہر طرف موت کا سناٹا ہے۔مگر امریکی غنڈہ گردی ہے کہ رکنے کو نہیں آتی۔عراق کا پانی سپلائی کرنے کا نظام تباہ کر دیا گیا جہاں سے پورے ملک کو پانی فراہم کیا جاتا تھا۔

جنگ میں امریکہ نے مائع یورینیم میزائل کلسٹر بم اور فیول بم کا آزادانہ استعمال کر کے لاکھوں لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ مائع یورینیم بم کے نتیجہ میں لاکھوں لوگ کینسر کا شکار ہو کر مر رہے ہیں۔ ان بموں کے زہریلے اثرات کے نتیجہ میں کیمیاوی آلودگی کا شکار پانی بارود سے اٹی فضا اور بموں کے مہلک اثرات سے لگ بھگ دو لاکھ لوگ اب تک جاں بحق ہو چکے ہیں۔اس بیچ پیدا ہونے والے ہزاروں بچے معذور ہیں جو ہاتھ پیر چلا نہیں سکتے۔

اقوام متحدہ کا اندازہ ہے کہ اس جنگ میں مارے جانے والوں میں کم از کم پانچ لاکھ بچے ہیں۔مگر امریکہ کی یہ دہشت گردی دنیا کو تو چھوڑئے، امر بالمعروف پر مامور قوم کے حکمرانوں کو بھی نظر نہیں آرہی ہے۔

گوئٹے مالا میں امریکہ کی دہشت گردی

گوئٹے مالا کے حکمراں جیکوبو ار بنیز نے امریکی فروٹ کمپنی کی غیر قانونی زمین پر قبضہ کر لیا۔اس کی وجہ یہ تھی کہ اس کمپنی نے کئی بار قانون کی خلاف ورزی کی اور اپنی تجارت کو آگے بڑھاتی رہی۔امریکہ سے اس کمپنی کے تعلقات اچھے تھے۔امریکہ نے اپنی خفیہ ایجنسی سی آئی اے کے ذریعہ وہاں فوجی بغاوت کروادی اور پھر فوج کو اپنے قابو میں لے کر بے دردی سے عوام کا قتل عام شروع کروادیا جس کے نتیجہ میں دو لاکھ لوگ مارے گئے۔

صومالیہ میں امریکی دہشت گردی

امریکہ نے صومالیہ کے قحط زدہ لوگوں میں خوراک تقسیم کرنے کے بہانے یہ مشن شروع کیا اور دھیرے دھیرے صومالیہ میں اپنے قدم جماتا چلا گیا۔ صومالیہ کے بعض عہدیدار خرید لیے اور پھر ان کے ذریعہ صومالیہ کے حکمران محمد عدید کا تختہ پلٹ دیا اور انہیں قتل کروادیا۔ اس کے بعد غنڈہ گردی کے ذریعہ عدید کے حامیوں کو چوری چھپے قتل کرواتا رہا۔ اس کے بعد امریکہ نے ان کے ٹھکانوں پر کروز میزائل اور گن شپ ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ بمباری شروع کردی۔ اس کارروائی میں سینکڑوں لوگ مارے گئے۔ گھروں کو اجاڑ دیا گیا۔ کئی علاقے زمین بوس ہوگئے۔ امریکہ نے مسلسل بمباری جاری رکھی۔ اس کے پیچھے امریکی تیل کمپنیاں تیل تلاش کرنے میں لگی رہیں۔ امریکہ وہاں مستقل جمنا چاہتا تھا مگر جب عرب مجاہدین نے امریکہ کے خلاف صومالیہ میں کارروائیاں شروع کردیں تو وہاں سے بھاگ نکلا۔

کمبوڈیا کے خلاف امریکی دہشت گردی

امریکہ نے کمبوڈیا کو اپنا اسیر بنانے کے لیے پہلے تو لالچ کے جال بچھائے۔ لیکن کمبوڈیا کا حاکم پرنس سہانوک امریکی غنڈہ گردی کو پسند نہ کرتا تھا۔ لہٰذا امریکہ نے اس کی حکومت کا تختہ پلٹنے کے لیے سازشیں شروع کردیں۔ آخر ۱۹۷۰ء میں امریکہ نے اس کے خلاف فوجی بغاوت کرادی اور اپنی پسند کی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہوگیا۔ لیکن اس سرکار کے خلاف پرنس سہانوک کی حامی فوج کھیمر وج نے اس فوجی بغاوت کے خلاف جنگ شروع کردی۔ اس طرح امریکی حامی اور پرنس سہانوک کے حامیوں کے درمیان خونریز جنگ جاری رہی۔ آخرکار پانچ سال کے بعد کھیمر وج نے دوبارہ اقتدار پر قبضہ کرلیا۔ اس امریکی سازش کی وجہ سے ہزاروں کمبوڈیائی مارے گئے۔ امریکہ کی طرف سے اس لادی گئی جنگ میں ملک کی اقتصادی حالت اتنی برباد ہوگئی کہ لوگ بھوک مری کا شکار ہوکر ایک ایک نوالہ کو ترستے رہے۔

دیگر علاقوں میں امریکی دہشت گردی

۱۹۷۶ء میں امریکہ نے لیبیا کے خلاف دہشت گردانہ حملہ کیا جس میں سولوگ مارے گئے۔ اس میں لیبیا کے صدر کرنل قذافی کی دوسالہ بچی بھی تھی۔ یہ بمباری صدر قذافی کی رہائش گاہ پر کی گئی تھی۔
۱۹۸۸ء میں امریکہ نے ایران کے مسافر بردار جہاز کو مار گرایا جس کے نتیجہ میں دوسونوے افراد لقمہ

اجل بن گئے۔اس کارروائی کے ذمہ دار فوجیوں کو ایوارڈ دیے گئے۔

امریکہ نے ۶ر اگست ۱۹۴۵ء کو جاپان کے شہر ہیروشیما پر اپنا پہلا ایٹم بم گرایا جس کے نتیجہ میں اکانوے ہزار لوگ موت کی آغوش میں جا پہنچے۔اسی مہینہ میں تین دن بعد ۹ر اگست کو دوسرے شہر ناگاساکی پر دوسرا ایٹم بم گرایا جس کے نتیجہ میں ۷۴ ہزار لوگ موت کی نیند سو گئے۔اس کے ساتھ ہی جاپانی علاقہ ''اوکی'' پر قبضہ کرنے کے لیے امریکہ نے ایک لاکھ دس ہزار لوگوں کی جان لی۔

۱۹۹۸ء میں سوڈان کی ایک دوا بنانے والی فیکٹری پر کروز میزائلوں سے حملہ کر دیا جس کے نتیجہ میں پوری فیکٹری تباہ ہوگئی۔اس کی وجہ یہ بتائی گئی کہ اس فیکٹری میں سوڈان کیمیاوی ہتھیار بنا رہا تھا۔

اسی طرح امریکہ نے روانڈا میں آٹھ لاکھ افراد کو موت کے منہ میں ڈھکیل دیا۔

افغانستان کے خلاف امریکی دہشت گردی

اس کا تفصیلی ذکر پچھلے صفحات میں کیا جا چکا ہے۔اس دہشت گردی کی اصل وجہ یہ تھی کہ ملا محمد عمر نے صلیبی کافروں کے اتحادی ایوانوں میں زلزلہ پیدا کر دیا اور مشرق وسطی اور افغانستان کے زمینی وسائل سے حاصل ہونے والی دولت کو خطرہ لاحق ہوگیا۔لہٰذا روس کے نکلتے ہی ۱۱ستمبر کے واقعہ کو بہانا بنا کر اور امریکی قوم کو اسامہ کا ہوا دکھا کر بش نے افغانستان پر حملہ کر دیا جس کے پاس نہ تو کوئی ثبوت ہے اسامہ کے خلاف نہ طالبان کے خلاف۔مگر عالمی دہشت گردی کی لگام تنگ کرنے والی کوئی طاقت چونکہ موجود نہیں ہے لہٰذا وہ اپنی ظالمانہ دہشت گردی کو حق جانتے ہوئے بھوکے بھیڑیا کی طرح ہر طرف دوڑتا پھر رہا ہے۔اپنی خون آلود زبان باہر لٹکائے ہوئے ہے۔

امریکی احکامات اور پاکستان کی افغان پالیسی

امریکی ڈالروں میں بڑی طاقت ہے جو دو حریف ملکوں کو بھی امریکی احکامات کے تحت ایک دوسرے کے ساتھ رواداری کا پابند بناتی رہتی ہے۔یہی صورت حال ہندوستان اور پاکستان کی بھی ہے۔

افغانستان پر امریکی حملوں کی حمایت میں پاکستان یہ کہہ کر کھڑا ہوگیا کہ وہ آنے والی کسی بڑی مصیبت سے بچنا چاہتا ہے۔گویا اس بڑی برائی کی جگہ چھوٹی برائی کو قبول کرلیا۔مگر یہ بھول گیا کہ طوفان ہمیشہ قطرہ سے ہی برپا ہوتا ہے۔مگر بھلا ہو ڈالروں کا جو ہر برائی کو نیکی اور ہر نیکی کو برائی میں بدلتی رہتی ہے۔

لیکن اصل یہ ہے کہ پاکستانی حکومت ہمیشہ سے امریکی احکامات کی پابند رہی ہے۔ مشرقی پاکستان کے معاملہ میں دھوکا کھانے اور امریکی بے وفائی کے باوجود۔

یہ دولت کی لالچ اور موت کا خوف دو ایسی چیزیں ہیں جو اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکامات کو بھی پس پشت ڈالنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ ۱۱ ستمبر کے بعد بش کے صلیبی جنگ کے اعلان کے بعد بش کا فرمان کہ دو راستے ہیں جو ہمارے ساتھ نہیں وہ ہمارا دشمن ہے۔ بس اس کے بعد صلیبی کفر کے اتحاد کے ساتھ پورا عالم اسلام کسی نہ کسی شکل میں کھڑا ہو گیا۔ کسی نے اپنا ائیر بیس دیا، کسی نے اپنے ہی ملک میں اپنے شہریوں پر فوجی یورش بھی کی اور اپنے ہوائی اڈے بھی استعمال کے لیے دیئے۔ ترکی نے تو اپنی فوجیں تک صلیبی کفر کے اتحاد کے سپرد کر دیں کہ ہماری گولیاں اپنے بھائیوں کے سینوں کو چھلنی کریں گی۔ دشمنوں کو دوست بنانے کا یہ کتنا احمقانہ خیال ہے۔

پاکستانی حکمران امریکی ٹیلی فون پر سڑک پر پڑے ہوئے پتوں کی طرح ہوا کے معمولی جھونکوں کے ساتھ اپنا رخ بدلتے رہتے ہیں اور غیروں کے اشاروں پر اپنے شہریوں کے خون سے اپنے ہاتھوں کو گلنار بناتے رہتے ہیں۔

دوسری طرف عوام سے جھوٹ بول کر یہ اعلان کہ ہماری زمین افغانستان پر حملوں کے لیے استعمال نہ ہوگی، امریکی اتحاد کے حملے محدود ہوں گے، صرف دہشت گردوں کو ہی نشانہ بنایا جائے گا، اپنی آزادی قومی غیرت اور اپنی اسلامی روایات کی حفاظت کے لیے حملہ آوروں کا مقابلہ کرنا کیا دہشت گردی ہے۔ امریکی لغت کی یہ نئی تشریح کس دل سے قبول کر لی جائے۔ زبان اور مصلحتوں کی بات دوسری ہے۔

پاکستانی سرکار کا ہر معاملہ میں ہندوستان کو نشانہ بنا کر بدی کے بھنور میں کودنے کا عمل خود وہاں کے عوام سے پوشیدہ نہیں ہے۔ ساٹھ سال کی تاریخ میں ہندوستان نے پاکستان کے خلاف کوئی بھی جارحانہ حرکت نہیں کی ہے۔

افغانستان پر امریکی حملہ کے پہلے دن ہی پاکستان نے ایک اعلان کر دیا کہ ہماری زمین افغانستان پر حملوں کے لیے استعمال نہ ہوگی جب کہ عالمی میڈیا نے اسے جھوٹ قرار دیا اور بی بی سی نے کھل کر کہا کہ پاکستان کی فضائی حدود کو استعمال کئے بغیر یہ حملے ممکن ہی نہیں ہیں۔

غیر ملکی ایجنسیوں کی رپورٹ کے مطابق ۱۱ اکتوبر کو امریکی فوجی ہیلی کاپٹر اور لڑاکا طیارے پاکستان پہنچ گئے جب کہ پاکستان کے سرکاری ترجمان نے اس خبر کو جھٹلاتے ہوئے کہا کہ فوجی طیارے نہیں اترے۔

پاکستان کے اخبارات نے ۱۲ر اکتوبر کو جیکب آباد میں شہباز ائیر بیس پر ۱۴۰۰ امریکی کمانڈوز کی آمد کی اطلاع دی اور یہ بھی بتایا کہ پسنی میں مزید دستے اتارے جارہے ہیں۔ اس کے لیے بیس کے اطراف کو حساس علاقہ قرار دے دیا گیا ہے۔ جب کہ گردونواح کی حفاظت کے لیے فوج رینجرز، ایف سی اور پولیس لگادی گئی ہے۔

خبریں بتاتی ہیں کہ امریکی جہازوں کی آمدورفت کا سلسلہ جاری ہے۔ امریکہ کے مزید گن شپ ہیلی کاپٹر، جہاز، بی-۵۲ اور سی-۱۳۰ طیارے ائیر بیس پہنچے ہیں۔ سی-۱۳۰ طیاروں کے ذریعہ ۱۴۰۰ امریکی کمانڈوز یہاں آچکے ہیں۔ پاکستان کی طرف سے امریکہ کو جیکب آباد ائیر بیس استعمال کرنے کی اجازت کے بعد دس سے پندرہ امریکی طیارے اور قریب سو امریکی کمانڈوز پہلے سے ہی موجود تھے۔ لیکن پاکستانی اہلکار جھوٹ بولتے رہے کہ پاکستان کی زمین پر کوئی امریکی فوجی موجود نہیں۔ اس درمیان لگاتار امریکی طیاروں اور کمانڈوز کا جیکب آباد میں موجود ہونے سے انکار کیا جاتا رہا جب کہ جیکب آباد کی فضاؤں میں امریکی طیارے اڑتے پھر رہے تھے۔

۱۶ر اکتوبر ۲۰۰۱ء کو امریکی وزیر خارجہ کولن پاؤل پاکستان آئے اور صدر پرویز مشرف سے ملاقات کی جہاں صدر پاکستان نے انہیں یقین دلایا کہ وہ انہیں اس جنگ میں حساس معلومات فراہم کرتے رہیں گے اور پاکستان کی فضائی حدود امریکی طیاروں کے لیے کھلی رہیں گی۔

۱۹ر اکتوبر کو پاکستانی دفتر خارجہ کے ترجمان ریاض محمد خان نے پریس کو بریفنگ کرتے ہوئے کہا کہ افغانستان کے خلاف پاکستانی سرزمین سے کوئی بڑا آپریشن نہ ہوا ہے اور نہ ہوگا جب کہ اس اعلان کے دوسرے ہی دن ایک امریکی ہیلی کاپٹر پاکستانی حدود میں گر کر تباہ ہوگیا جس نے اس شبہے کو حقیقت میں بدل دیا کہ بدین ائیر پورٹ افغانستان کے خلاف حملوں میں استعمال ہورہا ہے۔

دی نیوز انٹیلی جنس یونٹ کی ۲۱ر اکتوبر کی رپورٹ کے مطابق دو ہزار امریکی فوجی جیکب آباد اور پسنی ائیر پورٹ استعمال کررہے ہیں جب کہ والبندین ائیر پورٹ فارورڈ آپریشن ائیر بیس بن سکتا ہے۔ حملہ کے دوران بیس کے قریب ہیلی کاپٹرز زمین سے اڑتے دیکھے گئے۔

فوجی تجزیہ کاروں کا کہنا ہے کہ پاکستان میں امریکی فوجیوں کی اچھی خاصی تعداد موجود ہے۔ مگر اس سب کے باوجود پاکستانی حکمراں حقائق سے آنکھ چراتے رہتے ہیں جب کہ ۳ر نومبر کو غزنی کے نزدیک گر کر تباہ ہونے والے ہیلی کاپٹر سے جیکب آباد اور چاغی کے نقشے بھی ملے تھے۔

پاکستان کے حکام اور سرکار خاص طور پر وزیر داخلہ امریکی حمایت میں بہت آگے جاچکے ہیں۔

افغانستان کی حمایت میں عوامی حمایت سے ان کے ہوش اڑ جاتے ہیں۔ ۲۶ راکتوبر کے عظیم الشان مارچ نے ان کو ہواس باختہ کر دیا اور گھبرا کر کہنے لگے کہ امریکی حکام نے ہمیں پوری طرح اعتماد میں نہیں لیا۔

امریکہ اور اس کے اتحادی روزانہ قرضوں کی معافی اور امداد کی یقین دہانیاں کرا رہے ہیں اور پاکستانی حکمراں مسلمانوں کے خون کی قیمت پر ڈالروں کی سودے بازی میں لگے ہیں اور خود جیکب آباد میں پاکستانی فوج کا ایک جوان جاوید اختر نامعلوم گولی سے ہلاک ہو گیا۔

پاکستان کی وزارت خزانہ نے ایک رپورٹ تیار کی ہے کہ افغانستان کے خلاف دہشت گردی کی جنگ میں دس ارب ڈالر کے خسارہ کا اندازہ ہے۔

ادھر امریکہ کے نائب وزیر خارجہ نے اعلان کیا کہ امریکہ پاکستان کے لیے خون مرد مسلمان کی قیمت پر ایک اقتصادی پیکیج تیار کر رہا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی اعلان کیا گیا کہ عالمی بینک مشکل وقت میں پاکستان کو اکیلا نہیں چھوڑے گا۔

یاد رہے کہ مشرف کے زمانہ تک پاکستان ۳۵ ارب ڈالر کا مقروض تھا جس میں بارہ ارب دیگر ملکوں سے لیا جانے والا قرضہ ہے۔ اب اگر تمام اتحادی ممالک مل کر اپنا قرضہ معاف کر دیں تو صرف بارہ ارب ڈالر ہی تو معاف ہوگا۔ لیکن ۲۳ ارب ڈالر کا قرضہ پھر بھی برقرار رہے گا۔ یہ قرضہ عالمی اداروں کی طرف سے ری شیڈول ہو کر مزید بوجھ بنے گا۔

بی بی سی کی رپورٹ کے مطابق پہلی افغان جنگ میں ساٹھ ارب ڈالر پاکستان آئے تھے۔ ان کا پتہ نہیں، چلا کہ کس کے پیٹ میں گئے۔ اس رقم کو ضیاء الحق نے تو مونگ پھلی ہی قرار دیا تھا۔ ظاہر ہے مونگ پھلی تو چبانے ہی کی چیز ہوتی ہے۔ اس وقت پاکستان پر سولہ ارب ڈالر کے قرضوں کا بوجھ تھا۔ اب تو اس سے تین گنا ہو چکا ہے۔

اب بش نے پاکستان کی مدد کے لیے ٹاسک فورس قائم کر دی ہے اور بش انتظامیہ کی طرف سے پاکستان کی اقتصادی ترقی کے وعدوں کو پورا کرنے کا یقین دلایا گیا ہے۔ تیس کروڑ ڈالر کا ابتدائی قرضہ فراہم کئے جانے کا اعلان ہو گیا ہے۔ برطانیہ نے بھی یورپی یونین کی جانب سے مدد دلوانے کا یقین دلایا ہے۔ امریکی سینیٹ کی طرف سے بش کو پابندیاں اٹھانے کا اختیار دے دیا ہے لہٰذا کروڑوں ڈالر کی مالی امداد کی امید کی جا رہی ہے۔

پاکستان میں عوامی حکومت ہو یا فوجی، امریکی ڈالر کھا کر اسی کی بولی بولنے اور اس کے احکامات کی

تعمیل میں دونوں کا رویہ یکساں رہا ہے۔

جاپان نے امریکہ کی خوشنودی کے لیے پاکستان کا پانچ ارب ڈالر کا قرضہ معاف کرنے پر غور کرنے کو کہا ہے۔ ڈیڑھ کروڑ کی فوری امداد اور نو کروڑ پاؤنڈ دو سال میں دینے کی بات کہی ہے۔

۱۹/اکتوبر کو روزنامہ جنگ کی خبر کے مطابق امریکہ اور اس کے اتحادی پاکستان کا قرضہ معاف کرنے پر رضامند ہو گئے ہیں۔ عالمی مالیاتی اداروں نے بھی باقی بچے قرضوں کی وصولی کی شرائط نرم کر دی ہیں۔

امریکہ کے جوتے خور بش نے اپنے وزیر خارجہ کولن پاؤل کو حکم دیا ہے کہ امریکہ کی سلامتی کے پیش نظر پاکستان کو فوری طور پر پانچ کروڑ ڈالر کی امداد دی جائے۔

گویا پاکستان کو پانچ کروڑ امریکی ڈالر ملنے کے بعد امریکہ کی سلامتی یقینی ہو جائے گی۔ کہاں امریکہ، کہاں پاکستان اور افغانستان۔ یہ اپنے عوام سے کیسا بھونڈا مذاق امریکہ تک میں ہو رہا ہے۔ گویا پاکستان امریکی سلامتی کا چوکیدار ہے؟

لیکن پاکستان کے سرکاری ذرائع اس طرح کی یقین دہانیوں کو فریب کاریوں سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے۔

بش کے بعد اوباما انتظامیہ کی پالیسیاں کہاں بدلی ہیں۔ چنانچہ بش نے امریکی سلامتی کے لیے جو امداد دی تھی اوباما نے بھی ۲۰۱۴ء تک کے لیے پاکستان کو ساڑھے سات ارب ڈالر یعنی ۶۳۰ کھرب روپے کی امداد مہیا کرانے کا اعلان کر دیا ہے۔ اس کے بدلہ افغانستان میں مزید فوج بھیجنے پر بھی غور کیا جا رہا ہے تاکہ پاکستان مسلمانوں کے خون میں تر لقمے کھاتا رہے اور اپنی زمین پر بھی امریکہ مخالف لوگوں کو مارتا رہے اور افغانستان میں مسلم خون بہانے کے لیے امریکی مال و اسباب اور فوجوں کی نقل و حرکت کی سہولتیں فراہم کرتا رہے۔

جاپان نے پابندیاں اٹھانے کے ساتھ ۵۵ کروڑ کے قرضے ری شیڈول کر کے پاکستان کو اپنے جال میں پھنسائے رکھنے کا نیا انداز اختیار کیا ہے۔ غرض یہ کہ امریکہ اور اس کے حواری پاکستان کو اپنے جال سے نکلنے نہ دیں گے، اس کی مکمل تباہی تک۔

ترکی کے صدر نے بھی پاکستانی صدر پرویز مشرف کی پیٹھ ٹھونک دی اور کہہ دیا کہ پاکستان نے امریکی غلامی کا اپنے گلے میں پھندا ڈال کر بڑی دانشمندی کا کام کیا ہے۔

وزیر خزانہ نے اسی کروڑ ڈالر کی امداد کی خوشخبری سنائی ہے۔

۲۸ر اکتوبر جرمنی کی چانسلر نے بھی پرویز مشرف سے ملاقات کے دوران اعلان کیا کہ پاکستان پر سے پابندیاں اٹھالی گئی ہیں۔ ساتھ ہی پانچ کروڑ مارک کا قرضہ معاف کر کے دس کروڑ کی مزید امداد کا وعدہ کردیا ہے۔

۳۰ر اکتوبر کو امریکہ نے بھی پابندیاں اٹھالیں اور ۳۰ سے ۵۰ کروڑ ڈالر کی امداد کا اور اعلان ہونے کی توقع ہے۔

۳۱ر اکتوبر کو ایشیائی بینک نے بھی ۳۵ کروڑ ڈالر کا قرضہ دینے کو کہا ہے۔

مگر ۲ر نومبر کو آئی ایم ایف کے ڈائریکٹر اور فرسٹ ڈپٹی مینجنگ ڈائریکٹر نے پاکستان کو اربوں ڈالر کی امریکی امداد کے بیان کی تردید کرتے ہوئے کہا کہ ہمارے وسائل محدود ہیں۔ ساری دنیا کا خون چوس کر بھی ہم ایسا نہ کرسکیں گے۔

۸ر اکتوبر کو پرویز مشرف نے کہا تھا کہ افغانستان پر حملے جلد بند ہوں گے، حکومت بنے گی، تعمیر نو ہوگی اور پھر امریکی اس علاقہ میں نہیں رہیں گے۔ مگر وہ تو چلے بھی گئے مگر امریکہ اپنی پوری قہر سامانیوں کے ساتھ علاقہ میں موجود ہے۔ کیا پاکستانی حکمرانوں کو پتہ نہیں دوسری جنگ عظیم کے بعد اب تک امریکہ جاپان میں موجود ہے اور اس کے فوجی وہاں کی عورتوں کی عزت لوٹتے رہے ہیں۔ یہ واقعات ہزاروں تک جا پہنچے ہیں جس کی روداد امریکی جریدہ ''ٹائم'' تک نے اپنی رپورٹ میں شائع کی ہے جس سے امریکی فوجیوں کا تاریک چہرہ کھل کر سامنے آچکا ہے۔ خود امریکہ بھی کہتا رہا ہے کہ فوجی مشن کے بعد بھی امریکہ افغانستان میں رہے گا۔

اس پر پاکستان کے وزیر خارجہ نے اپنے عوام کو بے وقوف بنانے کے لیے بیان میں کہا کہ وہ کولن پاؤل سے پوچھیں گے کہ افغانستان میں فوجی آپریشن کب ختم ہوگا مگر افغانستان میں تو یہ ختم نہ ہوا، خود پاکستانی فوج نے یہ آپریشن اپنی زمین پر شروع کر دیا۔ اس لیے کہ امریکہ ایسا چاہتا تھا اور اس کے بغیر پائلٹ کے ہوائی جہاز بھی اس آپریشن میں وقتاً فوقتاً شامل رہتے ہیں۔

۲۲ر اکتوبر صدر پاکستان نے فرمایا کہ امریکہ رمضان سے پہلے حملے روک دے۔ مگر اسی روز امریکی وزیر دفاع رمزفیلڈ نے جواباً عرض کیا کہ رمضان میں حملے روکنا ممکن نہ ہوگا۔

اسی دن پاکستانی صدر نے کہا کہ امریکہ اس علاقہ میں زیادہ دن قیام نہ کرے گا جب کہ اسی دن کے اخبارات میں امریکی نائب صدر ڈگ چینی کہہ رہے تھے کہ افغان جنگ شاید کبھی ختم نہ ہوگی اور اب موجودہ امریکی صدر اوباما کی نظر پاکستان کے علاقہ پر ہے۔ اس لیے کہ امریکی عوام کی باون فیصد آبادی

افغانستان میں قتل و غارت گری کے خلاف ہوگئی اور یہی صورت برطانیہ کے عوام کی بھی ہے۔ لہٰذا القاعدہ کا ہوا دکھا کر نیا محاذ پاکستان کے علاقوں پر کھولا جانے والا ہے۔

امریکہ نے جب رمضان میں افغانستان پر بمباری روکنے سے انکار کر دیا تو گر پڑے تو ''ہر گنگا'' کا نعرہ لگا کر مشرف صاحب نے کہا کہ میں رمضان میں افغانستان پر بمباری روکنے کے لیے امریکہ پر دباؤ نہ ڈالوں گا۔

پاکستان امریکہ کی قتل و غارت گری پر پردہ ڈالتا رہتا ہے۔ امریکی بمباری سے پندرہ ہزار سے زائد افغان شہری ہلاک ہو چکے ہیں۔

ساری دنیا کے صحافیوں نے ۱۲/اکتوبر کی امریکی بمباری سے ملبہ میں بدل جانے والے گاؤں کرم کو دیکھا۔ اس کی ۱۳/اکتوبر کو کابل ائیر پورٹ پر گرایا جانے والا اسمارٹ بم راستہ سے بھٹک کر شہری آبادی پر جا گرا۔ ۵۰۰ پونڈ وزنی بم زمینی ہدف کا تعین خود کرتا ہے، سیٹلائٹ سے کنٹرول ہوتا ہے اور ایک ہزار دو ہزار پاؤنڈ وزنی بموں کے مقابلہ میں موثر ہوتا ہے۔ اگر آبادی کی نشاندہی ہو جائے تو اسے پھٹنے سے روکا جا سکتا ہے۔ صحراؤں میں خیموں کو نشانہ بنایا جا رہا ہے، پورے کے پورے دیہات صفحۂ ہستی سے مٹ چکے ہیں۔ ریڈ کراس کے گودام پر بھی بمباری ہوئی ہے۔ اقوام متحدہ کے کارکن بھی اس بمباری میں ہلاک ہوئے۔ سینکڑوں زخمی بچے، بوڑھے، جوان اور عورتیں پاکستان کے اسپتالوں میں زیر علاج ہیں۔ اس کے علاوہ افغانستان کے اسپتال بھی زخمیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس کے بعد ان میں سے بعض اسپتالوں پر بھی بمباری کی گئی۔ ۱۶/اکتوبر کو قندھار کے اسپتال پر بمباری ہوئی۔ پانچ مریض شہید ہوئے۔ ۲۲/اکتوبر کو ہرات کے اسپتال کو نشانہ بنایا گیا جہاں سولوگوں کی شہادت کی خبر ہے۔ جن میں کئی ڈاکٹر بھی مارے گئے۔ ۳۰/اکتوبر کو قندھار کے ہلال احمر کا اسپتال بمباری سے تباہ کر دیا گیا۔ بنکر بسٹر بموں سے بھی حملے کئے جا رہے ہیں جو زمین کے اندر جا کر پھٹتا ہے۔ کلسٹر بم بھی گرائے جا رہے ہیں۔ یہ ایک بم اپنے اندر کئی چھوٹے بموں کو رکھتا ہے۔ نیوکلیئر اور کیمیاوی ہتھیار بھی استعمال کئے جا رہے ہیں۔ روایتی بموں میں سب سے زیادہ وزنی بم ڈیزی کٹر بھی استعمال کیا جا رہا ہے جو چھ سو گز کے علاقہ میں ہر چیز کو بھسم کر دیتا ہے۔ اس کی قیمت بیالیس ہزار ڈالر ہے۔ ۳۱/اکتوبر کو قندھار کے قریب گاؤں پر بمباری میں بانوے افراد شہید ہوئے۔ قندھار کا دورہ کرنے والی غیر ملکی میڈیا بھی اس کا گواہ بنا۔ ۱۰/نومبر کو قندھار کے ضلع خاک کے تین دیہاتوں پر بمباری میں تین سو شہری شہید ہوئے اور ایک گاؤں آغا شاہ پوری طرح تباہ ہو گیا۔ شہری آبادیوں کو نشانہ بنانے کے باوجود امریکہ شہریوں کی ہلاکت کا منکر ہے۔

اس سے پہلے ۵ر نومبر کو ہیلی کاپٹروں نے ایک قبرستان پر بمباری کر کے جنازہ میں شریک لوگوں کو ہلاک کر دیا۔ کروز میزائلوں کی اندھا دھند بمباری جاری ہے۔ کون دہشت گرد ہے جس کی تلاش میں یہ سب ہو رہا ہے۔ مگر اصل یہ ہے کہ امریکہ کی نظر میں ہر مسلمان دہشت گرد ہے اور ساری دنیا کی سرکاریں اور دنیا کے اس تھانیدار نما دہشت گرد کی ہاں میں ہاں ملا رہی ہیں جس میں ہندوستان جیسا عدم تشدد پر یقین رکھنے والا ملک بھی خاموش تماشائی ہے۔

اب امریکہ سے یہ کون پوچھے کہ کیا اسپتال دہشت گردی کے اڈے ہیں؟ کیا خانہ بدوش افغانوں کے خیمے القاعدہ کی تربیت گاہیں ہیں؟ کیا امریکی حملوں میں شہید ہونے والی پچاس مسجدیں بھی دہشت گردوں کے اڈے تھیں؟ کیا اس وحشیانہ بم باری میں مارے جانے والے پھول جیسے بچے اسامہ کے سپاہی تھے؟ مگر یہ کون پوچھے گا جب سبھی ڈالر کی چمک دمک میں گم ہو کر اپنی عقلوں اور حق و انصاف کا سودا کر چکے ہوں۔ وہ ہندوستان کا حکمراں طبقہ ہو یا پاکستان کا۔

پاکستان کے حکمراں اپنی قوم سے غداری اور ملت فروشی کے عوض ملنے والی امریکی امداد پا کر ہمیشہ اس شیطانی وسوسہ کا شکار ہوتے رہے ہیں کہ انہوں نے ہندوستان کو حاشیہ پر پہنچا دیا ہے۔ مگر نتائج اور شواہد ہمیشہ ان کو شکست اور شرمندگی سے دو چار کرتے رہے ہیں اور امریکہ کی دوستی ہمیشہ نمرود کی خدائی ثابت ہوتی رہی ہے جہاں بندگی میں بھی بھلا نہ ہوا۔

پاکستان امریکی حمایت کے چکر میں پڑ کر اس کے جال میں پھنستا جا رہا ہے اور امریکی بدنیتی کی طرف سے خطرہ کے بادل اس کے سر پر منڈلا رہے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو ہندوستان بھی اس کا شکار ہو کر رہے گا۔ لہٰذا وقت اور دانشمندی کا تقاضا یہی ہے کہ دونوں پڑوسی اپنے معاملات کو سلجھا کر اپنی دوستی، یکجہتی اور قدیم روایتی محبت کے رشتوں کو مضبوط بنانے کی کوشش کریں تاکہ امریکی مداخلت سے محفوظ رہیں۔ اپنے پڑوس پر نظر ڈالیں اور عرب کے تیلی بادشاہوں نے دنیا کے اس جاگیردار کو اپنے علاقوں میں دعوت دے کر جو مصیبت مول لی ہے اس سے دونوں سبق حاصل کریں اور اپنے باہمی رشتوں کو مضبوط کر کے امریکی عذاب سے اپنے عوام کو بچائیں۔ یہی وقت کی اہم ضرورت اور اصل تقاضا ہے۔

افغانستان میں انسانی حقوق کی پامالی

امریکہ اور اس کے حلیفوں کی اگر اس دلیل کو مان لیا جائے کہ طالبان جاہل اور ان پڑھ تھے اور انسانی حقوق سے ناواقف تھے تو اب افغانستان میں جہاں جہاں امریکیوں کے ہم نوا حکومت کر رہے ہیں اگر طالبان کے پانچ سالہ دور حکومت کا غیر جانبدارانہ جائزہ لیا جائے تو دونوں حکومتوں کے فرق کا اندازہ ہو جائے گا۔

شمالی اتحاد کی حکومت کے زمانہ میں روزانہ ۱۶۸ لوگ ان کی فوج کے ہاتھوں مارے جارہے تھے۔ جب افغانستان کے مجبور مسلمانوں کو عیسائی بنانے والی خبر میں این جی اوز ''شیلٹر ناؤ'' کے سات افراد گرفتار ہوئے تو مغربی دنیا نے آسمان سر پر اٹھالیا۔ اور طالبان سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ ان ساتوں افراد کو چھوڑ دیں۔ مگر اس کے بعد جب طالبان اقتدار سے ہٹ گئے تو غیر ملکی صحافیوں تک کی زندگی محفوظ نہ رہی۔ یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے شمالی اتحاد کے وزیر خارجہ ڈاکٹر عبداللہ سے خصوصی انٹرویو لیا تھا۔ ان چار لوگوں کو شمالی اتحاد والوں نے قتل کر کے الزام طالبان پر ڈال دیا۔

طالبان نے اپنے دور اقتدار میں کسی مسلم یا غیر مسلم کا ناحق خون نہیں کیا۔ شیلٹر ناؤ کے افراد بھی رہا کر دیئے۔

مغربی صحافیوں کی ایک ٹیم افغانستان میں طالبان کے کنٹرول کے علاقوں کا دورہ کر کے پاکستان آئی جس نے اپنے تجربے قلمبند کئے۔ انہوں نے لکھا کہ اگر قندوز میں محاصرہ میں شمالی اتحاد کے فوجی ہوتے تو طالبان ان کو گرفتار کر لیتے اور اگر کوئی معاہدہ کرتے تو اس کی پابندی کرتے مگر شمالی اتحاد والے کسی معاہدہ کے پابند نہیں۔ طالبان کے دور میں مکمل امن تھا۔ ان کے دور میں زندگی معمول کے مطابق چل رہی تھی۔ بازاروں میں کھانے پینے کی چیزوں کی کمی نہ تھی۔ اذان کے وقت کاروبار بند ہو جاتا تھا۔ عوام میں طالبان کے خلاف کوئی ردعمل نہ تھا۔ غیر ملکی صحافیوں کی یہ رپورٹیں مغربی ملکوں کے اپنے آنگن کی گواہیاں ہیں مگر دو اور دو چار کے بجائے دو اور دو پانچ کی امریکی ضد کچھ ماننے کو تیار کہاں ہے۔ جب کہ شمالی اتحاد کے قبضہ والے علاقوں میں بیس غیر ملکی صحافی قتل کر دیئے گئے۔

دنیا کو انسانی حقوق کا سبق پڑھانے والا امریکہ اسامہ کو بہانہ بنا کر افغانستان پر بموں کی بارش کر رہا ہے جس سے پورا افغانستان خون آلود ہو چکا ہے۔ دوسری طرف لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم ہے۔ انارکی، چوری، قتل وغارت گری کی ایسی تاریخ بنائی جارہی ہے جس کی مثال افغانستان میں ملنا مشکل ہے جس

نے روسی سرخ ریچھ کی خون آشامیوں کو بھی پس پشت ڈال دیا ہے اور اس کی جگہ خونخوار امریکی درندوں اور بھیڑیوں نے لے لی ہے۔

شمالی اتحاد کے سپاہی امریکی سرپرستی میں اپنی افغان بیٹی کے سر کا آنچل کھینچ کر مغربی صحافی سے اس کی تصویر بڑی بے شرمی سے اتارنے کو کہتا ہے اور کابل کے بازار میں ایک برقعہ پوش خاتون کا برقعہ اپنی سنگین سے نوچ کر کہتا اسے اتار دو اس سے طالبان کے دور کی بو آتی ہے۔

روسیوں نے کابل یونیورسٹی کی سینکڑوں طالبات کو ایک جہاز میں بھرا اور اوپر جا کر ان کے کپڑے اتروا کر نیچے گرا دیئے۔ سوال تو یہی ہے جو کچھ روسیوں کے زمانہ مین ہوا وہی امریکہ کو خوش کرنے کے لیے شمالی اتحاد کے نام نہاد مسلمان اپنی بہنوں اور ماؤں کے ساتھ کر چکے۔

طالبان کے پانچ سالہ دور حکومت میں ایسا کوئی ایک واقعہ بھی سامنے نہیں آیا۔ طالبان کی تحریک شروع ہی ہوئی عورتوں کے حقوق کی حفاظت سے۔ قندھار میں ایک مدرسہ کے طالبان نے دو لڑکیوں کو اغوا کرنے والوں کو پھانسی پر لٹکا دیا تھا۔ اسی کے ساتھ تحریک طالبان شروع ہو گئی تھی جس کا ذکر پچھلے صفحات میں ہو چکا ہے۔

افغان عورت وراثت کے حق سے محروم تھی لیکن طالبان کی عدالتوں نے یہ حق دلا دیا۔ یہ قبائلی غیرت کا مسئلہ تھا، شریعت کا نہیں۔

طالبان کے دور میں خوراک کے قائم کیئے گئے گوداموں کو بعد کو لوٹ لیا گیا۔ یہاں تک کہ باہر سے آنے والی امداد بھی مستحق افراد کو نہ مل سکی جو طالبان کے دور میں مل رہی تھی۔

ایک پاکستانی شاعر کے تاثرات

نہیں یہ دہشت گرد نہیں ہے

جہان والو! یہ کیا ستم ہے — کہ دست قاتل میں اب قلم ہے
فساد کا فیصلہ کرے گا — یزید انصاف کیا کرے گا
تو تل گیا ہے کڑی سزا پر — ہے خونِ ناحق تری قبا پر
کہ اہل تہذیب اپنے جھگڑے — سمیٹتے ہیں مذاکروں سے
وہ بیت مقدس بھی پھونک ڈالے — تو ویٹو پاور اسے بچا لے

عراق ہو یا طرابلس ہو — وہ چاہتا ہے کہ خار و خس ہو
امریکہ نے کہاں خطا کی؟ — نہ ہیروشیما نہ ناگاساکی
وہ ویت نامی کہ جانور تھے — نہ مرتے کیوں کر وہ فتنہ گر تھے
کہ موت کو یوں گلے لگایا — عدو نے ان کا پتہ نہ پایا

فرعونیت کا غرور توڑ
ضمیر عالم کو یوں جھنجھوڑ

اب اہل دانش کدھر گئے ہیں — مجھے تو لگتا ہے مر گئے ہیں
کہاں کی تہذیب؟ کیسا کلچر؟ — کہ اب گرا تھا ٹریڈ سنٹر
حیا کو اتنا زوال آیا! — مرے وطن میں سوال آیا!!
کہ کس کے ہاتھوں میں ہاتھ دو گے؟ — بتاؤ تم کس کا ساتھ دو گے؟
یہ آزمائش پڑی جو سر پر — تو عصر حاضر کا میر جعفر
بس ایک دھمکی سے ڈر گیا ہے — مرا نہیں ہے وہ مر گیا ہے
عمیق دلدل میں پھنس رہا ہے — غضب ہے پھر بھی وہ ہنس رہا ہے
وہ کثرتوں کو قلیل کہہ دے — کبھی عقابوں کو چیل کہہ دے
اداس رت میں کھلا کھلا ہے — عدو کی فوجوں سے جا ملا ہے
خبر نہیں بھول کیوں گیا ہے؟ — حقیقتیں بھول کیوں گیا ہے؟
یروشلم میں جو روئیں بھی ہم — بقول ان کے ہیں ٹیرر ازم

طلوع ہوتا ہے اب نیا دن
جدھر بھی دیکھو ہے ابن لادن

جھکے ہوئے سر اٹھا کے کہہ دو — کفن فروشوں سے جا کے کہہ دو
ستم کے آثار ہوں گے جب تک — یہ دہرے معیار ہوں گے جب تک
لہو کی ہولی روا رہے گی — تو وحشتوں کی فضا رہے گی
گلے میں ذلت کے ہار ڈالو — ہر ایک مظلوم مار ڈالو
جدھر ہوں انصاف پر بھی پہرے — جہاں بلکنا گناہ ٹھہرے
وہاں بغاوت بری نہیں ہے — وفا کی عادت بری نہیں ہے

یہ رسم غیرت بری نہیں ہے
نہیں! یہ دہشت گری نہیں ہے

افغانوں کی بہادری

سوویت پیدل فوج کے سابق کرنل میکسم کوربو کو افغانستان مین سوویت حملہ کے شروع میں بھیجا گیا۔اس کو مجاہدین سے لڑنے کا موقع ملا۔کرنل میکسم کوربو کے بیان کے مطابق اس کو ۳۰/مارچ ۱۹۷۹ء میں افغانستان کے صوبہ پکتیا میں سب سے پہلے بھیجا گیا۔ یہ علاقہ پاکستان اور افغانستان کی سرحد پر ہے۔ یہاں کئی افغانی ہمارے ساتھ کام کرتے تھے۔ان کو دیکھ کر اندازہ ہوتا تھا کہ یہ جتنے جنگجو ہیں اس سے زیادہ انسان دوست ہیں۔ یہاں افغانیوں کی بہادری کی داد نہ دینا انصاف کے خلاف ہوگا۔ان کی قوت میں اس وقت اور اضافہ ہو گیا جب عرب اور دیگر قومیتوں کے مسلمان ان کی مدد کے لیے میدان جنگ میں کود پڑے۔

میں اس بات کا قائل ہوں کہ اگر بعض افغان گروپوں کو خرید کر دوسرے افغانوں کے خلاف نہ استعمال کیا جائے تو زمینی جنگ کتنی ہی جدید ٹکنالوجی کی کیوں نہ ہو، افغانوں کو زیر نہیں کیا جا سکتا۔

عربوں کی دلاوری

کرنل میکسم کوربو کے بیان کے مطابق یہ بات دنیا کو بہت کم معلوم ہے کہ جب عرب جنگجو افغانستان میں سوویت یونین کے خلاف جنگ کرنے آئے تو انہیں پہاڑی جنگ کا زیادہ تجربہ نہ تھا۔ان کی بڑی تعداد اس وقت وادئ پنجشیر اور پاکستانی سرحد کے قریب کے علاقوں میں تھی۔ابتدا میں ان کا کردار جنگ میں محدود تھا مگر جب ان کو پہاڑی گوریلا جنگ کی تربیت مل گئی تو ان سے جنگ کرنا موت کو دعوت دینا تھا۔وہ اس طریقہ جنگ میں اتنے ماہر ہو گئے کہ افغانوں کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔عربوں کو تربیت دینے والے چینی مسلمان نہیں تھے بلکہ باقاعدہ گوریلا فوج کے ماہر تھے۔آج ان عرب جنگجوؤں کا ریکارڈ افغانستان سے باہر چینیوں کے پاس ہے مگر اس تک رسائی اب ممکن نہیں ہے۔

پاکستان کی امریکہ نوازی

افغان سفیر ملا عبدالسلام ضعیف پاکستان کی راجدھانی اسلام آباد سے افغان عوام پر ہونے والے

مظالم کی روداد روزانہ صحافیوں کو سنایا کرتے تھے۔ یہ بات امریکہ کو ناگوار ہوتی تھی۔ ملا عبدالسلام ضعیف نہ ہی پریس بریفنگ کا کوئی خاص اہتمام کرتے تھے اور نہ ہی ملکی اور غیر ملکی صحافیوں کو مدعو کرتے تھے۔ بلکہ صحافیوں کو افغانستان سے متعلق خبروں کی تشنگی انہیں ان کے دولت کدہ یعنی افغان سفارت خانہ کی طرف کھینچ لاتی تھی اور وہ روزانہ ملا عبدالسلام ضعیف کے پاس جا پہنچتے تھے۔ قطار در قطار کھڑے ہو کر یا فرش پر بیٹھ کر ملاقات کرنے کی خواہش ظاہر کرتے۔ وہ سادگی کا پیکر بنے کاندھے پر شال ڈالے برآمدہ میں میز و کرسی ڈال کر صحافی حلقہ کو افغانستان میں امریکہ کی طرف سے ہونے والی دہشت گردی کو بے لاگ بیان کر دیا کرتے تھے۔

مگر امریکہ کو یہ بات پسند نہ تھی۔ لہٰذا حکومت پاکستان نے ملا ضعیف سے کہا کہ وہ سفارتی آداب کا خیال رکھیں اور روزانہ افغان سفیر کی پریس کانفرنس پر پابندی لگا دی۔ اس کا اصل سبب یہ بھی تھا کہ یہ پریس بریفنگ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے مظالم کو آشکارا کرتی تھی۔ یہ حقائق دنیا کو معلوم نہ ہوں اس لیے افغان سفیر کو پریس کانفرنس سے منع کر دیا گیا۔

لیکن پاکستان کی سرزمین بری اور فضائی حدود تیسرے ملک یعنی افغانستان کے خلاف استعمال ہو رہی ہیں۔ کیا یہ سفارتی، اخلاقی اور انسانی اصول کے خلاف نہیں ہے۔ کراچی کے افغان قونصلیٹ کو بھی یہی کہہ کر بند کر دیا گیا کہ تیسرے ملک کے خلاف استعمال ہو رہا ہے۔ یعنی یہ ظلم و جبر کو ظاہر کرتا ہے۔

دفتر خارجہ کے ترجمان کا یہ بیان یا فیصلہ انتہائی نامعقول، انتہائی غیر جانبدارانہ، انتہائی جانبدارانہ، انتہائی متعصبانہ، دوغلے ذہن، دوغلے کردار کی ترجمانی کرتا ہے جس کا واحد مقصد امریکی آقا کو خوش کرنے کے سوا کچھ نہیں ہے۔

امریکہ پاکستان کے تعاون سے افغانوں کی نسل کشی کر سکتا ہے تو افغان سفیر اس کی منظر کشی بھی نہیں کر سکتا۔ امریکہ افغانستان پر پاکستان کی فضاؤں سے گزر کر میزائل گرا سکتا ہے تو افغان سفیر پاکستان کی زمین پر دو آنسو بھی نہیں گرا سکتا ہے۔ امریکہ شہری آبادیوں کو موت کے گھاٹ اتار سکتا ہے مگر اسلامی ملک پاکستان میں افغانستان کا سفیر مرنے والوں کا کفن بھی دنیا کو نہیں دکھا سکتا۔ امریکہ کو مسلمانوں کو قتل کرنے کی آزادی مگر مسلم ملک پاکستان میں قتل کیے گئے مسلمانوں کے لیے احتجاج پر پابندی۔

تفو بر تو اے چرخ گرداں تفو

عراق کے خلاف ہونے والی جنگ میں امریکی وزارت دفاع نے پریس کے نمائندوں پر یہ پابندی لگا دی تھی کہ امریکہ کی مرضی اور اس کے نظریہ کا لحاظ کیے بغیر رپورٹنگ نہیں کی جائے گی۔ امریکہ

دراصل سچائی کی ہر اس آواز کو خاموش کر دینا چاہتا ہے جو اس کے جھوٹ کو جھوٹ ہی بتائے۔ چنانچہ اس نے خلیج کی جنگ کے متعلق لکھی گئی کتابوں کی نگرانی کے لیے ایک شخص مقرر کر دیا تھا جس نے ان کی اشاعت سے پہلے اس بات کو یقینی بنایا کہ ان کتابوں میں چھپنے والا سچ اس کے برہنہ جھوٹ کو دنیا کے سامنے اجاگر نہ کر دے۔

اسی حکمت عملی اور مکاری کا سامنا افغانستان مین کرنا پڑ رہا ہے کہ امریکی دہشت کی بریفنگ صحیح ڈھنگ سے دنیا کے سامنے پیش نہ کی جا سکے۔ اسی لیے اس نے طالبان کے موقف کو واضح کرنے والے افغان سفارت خانہ کو پاکستان پر دباؤ ڈال کر بند کرا دیا اور دنیا کے دیگر چینلوں کو بھی طالبان کے موقف کو ظاہر کرنے پر پابندی لگا دی کہ وہ امریکی دہشت گردی کو ظاہر کرنے والے کسی بھی واقعہ کو دنیا کے سامنے پیش کرنے سے گریز کریں۔ امریکہ کی حریت و آزادیٔ اظہار کا اصل پیمانہ یہی تو ہے۔ امریکہ کا باطن چنگیز و ہلاکو سے زیادہ تاریک ہے۔ انسانیت اور جمہوریت کا پرچار کرنے والے امریکہ کا یہی احترام آدمیت ہے کہ کمزور قوموں کو اپنی ہوس حکمرانی کا رعب جمانے کے لیے خاک و خون میں غلطاں کر دیا جائے۔

امن کا قاتل اور انصاف کی باتیں

جرمن شاعر ایریش فریڈا اپنی ایک نظم میں امریکی دہشت گردی کے فلسفہ کو یوں بیان کرتا ہے —

کمزور لوگوں کو قتل کر دیا جائے
دنیا طاقتور ہو جائے گی
بدصورتوں کو ذبح کر دیا جائے
دنیا خوبصورت ہو جائے گی
بے وقوفوں کو مار ڈالا جائے
دنیا عقل مند ہو جائے گی
بیماروں کو ذبح کر دیا جائے گا
دنیا تندرست ہو جائے گی
رنج و غم میں گرفتار لوگ ذبح کر دیے جائیں
دنیا خوش و خرم ہو جائے گی
بوڑھوں کو ذبح کر دینے سے

دنیا جوان ہو جائے گی
دشمنوں کو مار ڈالا جائے گا
دنیا دوست بن جائے گی
بروں کو مار ڈالا جائے گا
دنیا نیکیوں سے بھر جائے گی

بون کانفرنس، امریکہ، روس اور چین

جرمنی کے شہر بون کے نزدیک پیٹرز برگ میں افغانستان کے مستقبل کے بارہ میں اقوام متحدہ کے زیر نگرانی ۲۷رنومبر ۲۰۰۱ء میں ہونے والی کانفرنس میں عبوری حکومت پر ظاہر شاہ گروپ اور شمالی اتحاد کے درمیان مفاہمت ہوگئی۔

اس کے تحت حامد کرزئی عبوری حکومت کے وزیر اعظم ہوں گے جب کہ وزیر دفاع شمالی اتحاد کا ہوگا۔ پانچ نائب وزیر اعظم ہوں گے۔ انتظامیہ میں انتیس افراد شامل ہوں گے۔ یہ انتظام چھ ماہ کے لیے بظاہر ہوگا۔ شمالی اتحاد نے وزارت دفاع کے علاوہ وزارت داخلہ کا بھی مطالبہ کیا ہے۔

حامد کرزئی کی قیادت میں تیس رکنی افغان عبوری حکومت نے ۲۲ر دسمبر ۲۰۰۱ء کو حلف لے کر ملک کا انتظام سنبھال لیا۔

امریکہ اور برطانیہ کے زیر سایہ زبردست تحفظ میں ہونے والی اس تقریب میں ایران، بھارت اور پاکستان کے وزرائے خارجہ کے علاوہ یورپ، امریکہ اور دوسرے ملکوں کے دو ہزار مندوبین نے شرکت کی۔

افغانستان کے لیے اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری کے خاص ایلچی لخذار براہیمی نے اپنے خطاب میں افغانستان کے عوام اور نئی حکومت کو مبارک باد دی اور اس موقع کو افغانستان کے لیے تاریخ ساز بتایا۔

سابق صدر برہان الدین نے ہنسی خوشی امریکہ کے خوف میں اقتدار نئی حکومت کے حوالہ کر دیا۔

حامد کرزئی نے کہا کہ افغانستان سے دہشت گردوں اور طالبان کو نکال دیا جائے گا۔ ہر افغان شہری کو اظہار رائے کی آزادی ہوگی۔ خواتین کا احترام کیا جائے گا اور ان کو ملکی قوانین کے تحت مکمل آزادی ہوگی۔ رشوت ختم کر دی جائے گی، تعلیمی انقلاب لایا جائے گا اور لویہ جرگہ کے ذریعہ افغانستان کا نیا

آئین مرتب کیا جائے گا۔ان کی حکومت ہمسایہ ممالک کے ساتھ بہتر تعلقات قائم کرے گی۔

اس کے بعد برطانیہ اور بھارت نے کابل میں اپنے سفارت خانے کھول دیئے۔

ایرانی وزیر خارجہ نے بھی امریکی دہشت گردی کے زیر سایہ بننے والی سرکار کو تمام اسلامی دنیا کے لیے اہم قرار دیا۔ یہ بات ایران کے وزیر خارجہ کمال خرازی نے کہی۔اس موقع پر پاکستانی وزیر خارجہ خاموش رہے اور کچھ نہیں بولے۔

امریکہ افغانستان میں اپنی کٹھ پتلی حکومت کے زیر سایہ فوجی اڈے قائم کرے گا اور اپنے طویل المدت مفادات کی نگرانی چاہے گا۔

مگر افغانستان کے پڑوسی روس اور چین بھی اس علاقہ میں اپنے مفادات کے نگراں بنے ہوئے ہیں۔۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد پیش آنے والے واقعات کے پیش نظر انہوں نے پاگل کتے کا مقابلہ کرنے سے گریز کیا لیکن دونوں بڑی طاقتوں نے اپنے مفادات کو پس پشت نہیں ڈالا ہے اور یہ دونوں اپنے مفادات کے تحفظ کے طریقوں سے واقف ہیں۔

افغانستان میں روس کی ناکامی اور شکست کے باوجود روس کے لیے یہ قابل قبول نہ ہوگا کہ اس کا پرانا حریف اس کی سرحدوں کے قریب جو چاہے کرتا رہے۔

فی الوقت روس کھل کر امریکہ کے مقابلہ میں آنے کو تیار نہیں ہے۔اس لیے کہ بھارت بھی امریکی پیشوائی میں افغان پالیسی کا شکار ہے۔

دوسری طرف چین ہندوستان کے بعض علاقوں پر اپنی نظریں لگائے ہوئے ہے اور امریکہ چین پر دباؤ بنائے رکھنے کے لیے بھارت کی ناز برداری کر رہا ہے۔لیکن افغانستان میں امریکی فوجی اڈوں کی موجودگی میں روس اور چین کو اپنے مستقبل کے بارہ میں سوچنا ہوگا۔اس سلسلہ میں روس اور چین کے درمیان تبادلہ خیال بھی ہو چکا ہے مگر سر دست دونوں خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہے ہیں۔ یہ دونوں اس نکتہ سے واقف ہیں کہ افغانستان کی سرزمین زیادہ دنوں تک حملہ آوروں کو راس نہیں آسکتی۔ پاکستان اور ایران بھی کچھ ایسی ہی صورت حال کا شکار ہیں۔

امریکہ افغانستان میں اپنی کٹھ پتلی حکومت میں شمالی اتحاد کی ناز برداریاں کر رہا ہے۔شمالی اتحاد کے رشتے روس سے بھی در پردہ ہیں مگر یہ حکومت جو کرزئی کے زیر انتظام پورے افغانستان پر اپنا حکم چلانے سے آٹھ سال گزر جانے کے بعد بھی قاصر ہے اور نئے انتخاب میں بدعنوانیوں کے بعد اس کی پوزیشن مزید کمزور ہو چکی ہے۔اس صورت حال میں فائدہ صرف علاقائی کمانڈروں اور حکومت کے اتحادیوں کو

اپنے جرائم بڑھوانے میں تو ہو سکتا ہے، افغان عوام کو اس سے کچھ ملنے والا نہیں۔

کرزئی حکومت کو مستحکم، قابل عمل اور امن برقرار رکھنے کا اہل قرار دینا زمینی حقائق سے عدم واقفیت ہوگی۔ اس طرح کی بات سوچنے والے افغان تاریخ افغان سماج اور وہاں کی موجودہ سیاسی صورت حال سے ناواقفیت رکھنے والے ہی ہو سکتے ہیں۔ اس حکومت کے نقائص دنیا پر عیاں ہو چکے ہیں۔ امریکی وزارت خارجہ چاہے جتنی اس کی خوبیاں گنواتی رہے امریکی گرین کارڈ رکھنے والا افغان سربراہ کرزئی افغانی قوم کا نمائندہ نہیں ہو سکتا۔ وہ تو امریکہ کا فرمانبردار غلام ہی رہے گا۔ ظاہر ہے کہ اس حکومت کا اصل خالق تو امریکہ ہی ہے۔

امریکی رویہ ظاہر کرتا ہے کہ اس کے پیچھے خالی جذبہ انتقام کی تسکین اور دہشت گردی کا خاتمہ نہیں ہے بلکہ اکیسویں صدی میں دنیا پر اپنا حکم چلانا اور دنیا کے توانائی کے وسائل پر قابض ہو جانے کی منصوبہ بندی کے سوا کچھ نہیں ہے۔

وسط ایشیا کی ریاستوں، وہاں کے بازار اور موجود تیل کے ذخائر پر قبضہ اور کھلے سمندر تک پہنچانے کا محفوظ راستہ افغانستان سے ہو کر گزرتا ہے۔ اس کے تحت امریکہ صرف امن ہی کا خواہاں نہیں بلکہ ایک ایسی تہذیب وثقافت کو پروان چڑھانا چاہتا ہے جس کی کوشش میں روس ناکام ہو چکا ہے۔ یعنی سامراجی طاقتوں کی تابعدار قوم۔

اپنے ان دو مقاصد کی تکمیل کے لیے امریکہ نے سیکولر فکر رکھنے والے حامد کرزئی کو افغانستان کی نئی عبوری حکومت کے سسٹم کا سربراہ بنایا گیا ہے تاکہ افغانستان میں امن کے ساتھ اپنی تابعدار حکومت برقرار رکھی جا سکے۔

جہاں تک امن کا تعلق ہے، وہ تو طالبان نے قائم کر کے دکھا دیا تھا مگر تہذیبی اور ثقافتی طور پر طالبان اور امریکہ میں مشرق ومغرب کا فاصلہ تھا کیونکہ طالبان اسلامی ثقافت اور اسلامی عدالت اور مساوات کے طرفدار تھے جسے پانچ برسوں میں عملی شکل دے کر انہوں نے نمونہ کے طور پر پیش کر دیا تھا۔ مگر امریکہ کی توقعات کے بالکل خلاف وہ حکومت تھی۔ اگرچہ حامد کرزئی ثقافتی اور تہذیبی تبدیلی کی کوشش کر رہے ہیں مگر کیا وہ کامیابی حاصل کر سکیں گے؟ افغان سماج ایک پابند سماج ہے جو قبائلی بندشوں اور رسم ورواج میں گرفتار ہے۔ امریکہ اپنے مزاج کے مطابق حامد کرزئی پر دباؤ بنائے گا۔ طالبان کے بعد بھی افغان مرد اور عورتیں اپنے اندازِ فکر پر قائم ہیں اس لیے کہ ان کے اپنے ثقافتی معیار ہیں جن کو قبائلی زندگی میں ترک کرنا ناممکن ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حامد کرزئی کی حکومت اپنی کم سمجھی اور افغان مزاج

کے برعکس کام کر کے افغانوں کی عوامی مخالفت کا شکار ہوتی چلی جا رہی ہے۔

کیا افغانستان کی تاریخ شاہ شجاع سے لے کر حامد کرزئی تک کسی ایسے حاکم کی نشاندہی کر سکتی ہے جو باہر سے لایا گیا ہو یا غیر ملکی طاقت کا پروردہ ہو یا مسلط کردہ ہو۔ کبھی افغانوں کے لیے قابل قبول رہا ہے؟

افغان حکمراں یا تو اتنا طاقتور ہو کہ پورا ملک اس کی حیثیت کو تسلیم کرے یا پھر لوگوں کے لیے اتنا پسندیدہ ہو کہ افغان قوم اس کو اپنا حکمراں مان لے۔ دوسرے نمبر پر طالبان کا دور حکومت ہے جو افغانستان کے بڑے حصہ کے لیے پسندیدہ بن گئے تھے۔

بی بی سی عالمی سروس کے ایک جائزہ کے مطابق طالبان کے لیے اب بھی حمایت موجود ہے۔ ایک ہزار خواتین و حضرات کے انٹرویو کے بعد یہ بات سامنے آئی ہے کہ ۳۷ فیصد لوگ افغانستان میں طالبان حکومت کے حامی ہیں۔

امریکہ کا مالی بحران پنجہ یہود کی گرفت میں

امریکہ کا معاشی نظام ہر روز بحران کی زد میں ہے۔ عام طور پر اقتصادی ماہرین کی رائے میں امریکی معاشیات کی ابتری کی اصل وجہ یہودیوں کی مالی سازشیں ہیں تاکہ امریکہ کو پنجہ یہود کی گرفت میں مضبوطی سے دبوچ لیا جائے۔ امریکہ سے تعلق رکھنے والے عالمی یہودی سرمایہ دار ''جارج سورس'' نے جنوب مشرقی ایشیا کی اسٹاک مارکیٹ سے اپنا سرمایہ یکبارگی نکال کر اس خطہ کی اسٹاک مارکیٹ کو غیر مستحکم کر دیا۔

عالمی مالیاتی معاملات کے ماہرین جانتے ہیں کہ جارج سورس عالمی شہرت کے مالک صیہونی روتھ شیلڈ خاندان کا دوست ہے۔ اس خاندان کا امریکہ سے لے کر جاپان تک کے بینکوں کا ایک گلوبل جال پھیلا ہوا ہے۔ یہ اور عالمی صیہونی خاندان یا دنیا بھر کے یہودی سرمایہ دار مل کر عالمی مالیات کو کنٹرول کرتے ہیں۔

پچھلے چار سو برسوں سے زیادہ مدت میں اس خاندان نے خسارہ کا کوئی سودا نہیں کیا۔ امریکی مالیات پر اپنا حکم چلانے والے ''فیڈرل ریزرو بینک'' کے ساٹھ فیصد حصے اس صیہونی خاندان کی ملکیت ہیں۔ امریکہ میں سات سو بلین ڈالر کا ''بیل آؤٹ'' منصوبہ اسی صیہونی مالیاتی سنڈیکیٹ کو فائدہ پہنچانے کے لیے معرض وجود میں آیا تھا۔ وہ اس لیے کہ امریکی حکومت عراق اور افغانستان کی جنگ سے ہونے

والے مالی نقصان کی وجہ سے ان بینکروں کا قرضہ اتارنے کی پوزیشن میں نہ تھی۔ اسی کی قیمت امریکی عوام کے ساتھ ہی امریکی ڈالر سے وابستہ دنیا کے دوسرے ملکوں کو ادا کرنا پڑی۔ اس کی سب سے زیادہ چوٹ تیل پیدا کرنے والے ملکوں پر پڑی۔ سب سے زیادہ تعجب اور حیرت ناک بات تو یہ ہے کہ امریکی سرکار کی طرف سے امریکہ کے پرائیویٹ صیہونی بینکوں کو سہارا دینے کے لیے سات سوملین ڈالر کا بیل آؤٹ پیکیج جاری کر دیا گیا۔

کانگریس اور سینیٹ میں ری پبلکن اور ڈیموکریٹ ممبران کو امریکی جنرلوں کی طرف سے مارشل لا کی دھمکی دی جاتی ہے۔ اس لیے کہ یہی جنرل ریٹائر ہونے کے بعد ان صیہونی بینکوں سے دنیا میں تباہی پھیلانے والے ہتھیاروں کی خریداری کے لیے قرضے لے کر دوسرے ملکوں کو سپلائی کرتے ہیں۔

اس نقصان کو پورا کرنے کے لیے عالمی بازار میں تیل کی قیمت اتنی گرادی گئی کہ ایک طرف تو روس کا تیل بے قیمت ہو جائے، دوسری طرف اوپیک کو بڑے نقصان سے دوچار کر دیا جائے۔

آپ سوچیں صیہونی بینکوں کو بیل آؤٹ کی رقم بھی سات سوملین ڈالر اور اوپیک کے خسارہ کی قیمت بھی سات سوملین ڈالر۔ مگر اس کے ردعمل میں اگر اوپیک ممالک امریکہ اور یورپ کو تیل کی سپلائی بند کر دیتے تو یہ سب اوپیک ممالک کے قدموں میں آ جاتے۔ لیکن عزت کے لیے اتحاد باہمی کی ضرورت ہوتی ہے جو سرے سے ان ملکوں میں موجود نہیں ہے۔ گویا عالمی مالیاتی بحران کا فائدہ بھی عالمی صیہونی مالیاتی گروپ کو ہی حاصل ہوا۔

اس عالمی مالیاتی بحران کی دوسری تصویر کچھ اس طرح ابھر کر آ رہی ہے۔

جس طرح خلیج کی پہلی جنگ کے پیٹ سے ''نیو ورلڈ آڈر'' کا بچہ پیدا ہوا تھا اسی طرح افغانستان اور عراق کی جنگ سے ایک نیا ''عالمی اقتصادی نظام'' پیدا کرنے کی پوری تیاری کر لی گئی ہے۔

یہ کھیل اوباما کے صدارتی حلف نامہ کے بعد شروع ہو چکا ہے۔ اوباما جس راہ پر چل رہے ہیں اور جن لوگوں کو اپنی کابینہ میں لے رہے ہیں اس سے ان کے پیچھے کھڑی صیہونی مالیاتی ایمپائر کے عزائم سامنے آتے جا رہے ہیں۔

۲۰رجنوری ۲۰۰۹ء کے بعد دنیا کدھر جا رہی ہے اس کا ایک جائزہ لیتے چلتے ہیں۔ امریکہ میں شروع ہونے والے اقتصادی بحران نے جس طرح دنیا کو اپنی گرفت میں لیا ہے اس کے لیے امریکہ کے یہودی مالیاتی ادارے ''سنگل گلوبل کرنسی'' رائج کرنے کی منصوبہ بندی کر چکے ہیں تا کہ دنیا کے اقتصادی نظام کو اپنے ہاتھوں یا یوں کہیں کہ پنجہ یہود میں پوری طرح جکڑ کر رکھا جائے۔

اوباما کی اقتصادی کمیٹی کے ایک ممبر اور فیڈرل ریزرو بینک کے سابق چیئرمین پال وولکر نے کہا ہے — دنیا کو عالمی اقتصادی کرنسی کی ضرورت ہے۔ اوباما کی اس مالیاتی ٹیم میں یہودی بینکر رابرٹ رابن بھی شامل ہے۔

سنگل گلوبل کرنسی ایسوسی ایشن کی ویب سائٹ (SGCA) میں لکھا ہے کہ سنگل گلوبل کرنسی گلوبل سنٹرل بینک کے ساتھ گلوبل مانیٹری یونین کے تحت رائج کی جائے گی۔ ان تمام معاملات سے پہلے گلوبل سنٹرل بینک کا قیام بھی عمل میں آ سکتا ہے۔ یہ بینک علاقائی بینکوں کے تعاون سے عمل میں لایا جائے گا جو رابرٹ رابن جیسے یہودی بینکروں کے ہاتھ میں ہے۔ اوباما کی ٹیم میں شامل یہ آدمی سٹی گروپ بینکنگ کا ڈائریکٹر بھی ہے۔ یہی یہودی بینکر نارتھ امریکن سنٹرل بینک کا آغاز کرنے جا رہا ہے جو گلوبل بینک کی جانب اولین قدم ہوگا۔

کینیڈا کے فریزر انسٹی ٹیوٹ کے یہودی ممبر ہربرٹ گوبل کی تجویز یہ ہے کہ نارتھ امریکن سنٹرل بینک مانیٹری یونین کے ذریعہ امریکہ، میکسیکو اور کینیڈا کے لیے ایک یونٹ کے طور پر کام کرے اور پھر اس کو امریکہ میکسیکو اور کینیڈا کے سنٹرل بینک میں تبدیل کر دیا جائے جس طرح یورپی یونین میں کیا جا چکا ہے۔

ایک یہودی تھنک ٹینک جسے سنٹر فار اسٹریٹیجک اینڈ انٹرنیشنل اسٹڈیز (CSIS) اس کو شمالی امریکہ کا مستقبل اور پروجیکٹ ۲۰۰۵ء کے نام سے یاد کیا گیا ہے۔ اس بات کو سامنے رکھا جائے کہ بارک اوباما کا فارن پالیسی کا مشیر برزنسکی اس تھنک ٹینک کا ڈائریکٹر اور ٹرسٹی ہے۔ Slow Road tc Hell کے عنوان سے لکھے گئے ایک مضمون میں برزنسکی نے ان خیالات کا اظہار بھی کیا ہے کہ ہم ایک دم عالمی حکومت کے قیام کے لیے قدم نہیں اٹھا سکتے۔ اس کے لیے علاقائی بنیادوں پر منظم ہونا ہوگا۔

معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح یورپی یونین نے ''یورو'' کے نام سے اپنی کرنسی کا تعارف کرایا ہے اسی طرح ''امیرو'' کے نام سے نئی گلوبل کرنسی کو بازار میں لانے کا منصوبہ زیرغور ہے جو اول نارتھ امریکن یونین یعنی امریکہ، کینیڈا اور میکسیکو پر مبنی ہوگی۔ اس کے بعد اسے ڈالر کی شکل میں دنیا پر مسلط کرنے کا اندیشہ ہے۔ سوال یہ ہے کہ انگلینڈ، یورپ میں ہے مگر وہ اپنے پونڈ کی حیثیت سے کیوں دستبردار نہیں ہو رہا ہے اس کی بھی وہی وجہ ہے کہ بینک آف انگلینڈ جسے دنیا برطانوی حکومت کا بینک سمجھتی ہے، وہ بھی اصل میں امریکی فیڈرل ریزرو بینک کی طرح ایک شخصی بینک ہے جس کے زیادہ تر حصے روتھ شیلڈ خاندان کے پاس ہیں۔ اس یہودی خاندان کا سب سے زیادہ یورپی سرمایہ اسی بینک کے ذریعہ گردش

میں رہتا ہے۔اسی لیے اگر برطانیہ یورو میں اپنی کرنسی لے آتا تو اس سے برطانوی عوام کو ضرور فائدہ ہوتا لیکن بینک آف انگلینڈ کے یہودی مالکوں کو بڑا نقصان اٹھانا پڑتا۔یہی وجہ ہے کہ عالمی سرمایہ داروں کی غلامی میں سانسیں لینے والا تاج برطانیہ اور اس کا نام کا جمہوری ڈھانچہ پاؤنڈ کو یورو میں نہ بدلوا سکا۔ جب کہ بقیہ یورپ نے اس یہودی مالیاتی سازش سے اپنا دامن چھڑا کر اپنی کرنسی کو یورو میں تبدیل کر لیا۔

امریکہ میں نئی مالیاتی امپائر بنانے کی یہودی سازش کی دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ چین نے پچھلے آٹھ دس برسوں میں ڈالر کی شکل میں بڑی تعداد میں زرمبادلہ جمع کر رکھا ہے۔

افغانستان پر حملہ کی منصوبہ بندی پہلے ہی ہو چکی تھی

پیٹر برگ مارٹن کا بیان

امریکہ نے ۱۱ر ستمبر ۲۰۰۱ء سے بہت پہلے افغانستان پر قبضہ کرنے کی باقاعدہ منصوبہ بندی کر لی تھی۔ اسی منصوبہ کے تحت ۲۰۰۱ء کے گرمیوں کے موسم میں افغانستان پر حملہ کی تیاریاں مکمل کر لی گئی تھیں۔اس کا اعلان امریکی میڈیا کے بجائے خفیہ طور پر فرانسیسی، بھارتی اور برطانوی میڈیا کے ذریعہ جس کا اظہار کرایا گیا یہ تھا کہ امریکی فوجی کارروائی افغانستان میں برف باری سے پہلے مکمل کر لی جائے گی جس کے لیے وسط اکتوبر کا مہینہ طے کیا جا چکا تھا۔

ان رپورٹوں کو امریکی ذرائع ابلاغ کے بجائے یورپی میڈیا کو استعمال کیا گیا۔ بھارت، فرانس اور برطانیہ کے حکام اور ذرائع ابلاغ کو سب سے پہلے خفیہ اطلاعات فراہم کرادی گئی تھیں تاکہ یہ ممالک اپنے سیاسی اور اقتصادی مفادات کو دیکھ سمجھ لیں اور ان کے ساتھ امریکہ کا کوئی سیاسی یا سفارتی بکھیڑا نہ پیدا ہو۔ان رپورٹوں کے مطابق افغانستان پر امریکی تسلط کا بنیادی مقصد وسط ایشیا کی تیل سے مالا مال ریاستوں پر کنٹرول حاصل کرنا تھا۔ امریکی میڈیا نے افغانستان کے خلاف امریکی جنگ کے حقیقی مقاصد اور سیاسی و اقتصادی مفادات کو چھپانے کی منظم حکمت عملی پر کام کیا اور اس کے لیے بہانہ بنایا اسامہ بن لادن اور دہشت گردی کے نام کو یا اس کے نٹ ورک کو جب کہ ۱۱ر ستمبر کو امریکہ پر ہونے والے حملوں میں ان کا کوئی ہاتھ نہ تھا۔یہ سب امریکہ کے خفیہ محکمہ کے اندر اپنی اسکیم تھی تاکہ اپنے عوام کو اسامہ کا ہوا دکھا کر افغانستان کے خلاف جنگ کا جواز پیدا کیا جا سکے۔ظاہر ہے کہ ایک مکمل جنگ کے

لیے ایسا کرنا ضروری تھا۔اس طرح برطانیہ،فرانس اور بھارت کے ذرائع ابلاغ کے ذریعہ اس کی تشہیر کرا کرامریکہ کے جنگی جرائم پر پردہ ڈالنے کی ناکام کوشش کی گئی۔ساتھ ہی یورپ کے اپنے حلیفوں کو بھی چکما دے کرا پنے اصل مقاصد کو چھپاتے ہوئے اسلامی دہشت گردی کے خلاف بش نے صلیبی جنگ کا نعرہ بلند کر کے ۷/ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو دنیا کے سب سے غریب ملک افغانستان پر اپنے چالیس یورپی بھیڑیوں کو لے کر ہلا بول دیا اور اس کے لیے قربانی کے بکرے کے طور پر شمالی اتحاد نامی افغان گروپ کو آگے کیا گیا۔ ہر دور میں غیروں کی کلہاڑی میں بینٹ بن کر کام کرنے والے اسی قوم کے افراد ملتے ہیں تبھی آزادی و حریت وغیرت مندی کے تناور درخت کو غیروں کے ذریعہ گرایا جاتا ہے۔

بارہ دن کے ہوائی حملوں کے بعد جس میں ہولناک بم استعمال کئے گئے، ۱۹/ اکتوبر ۲۰۰۱ء سے امریکی اسپیشل فورسز نے شمالی اتحاد کے پیچھے رہ کر طالبان پر زبردست حملہ کر دیا اور امریکی ٹیلی ویژن اور روزنامے طالبان کے قومی شکست کی تشہیر کرتے رہتے جو نو سال گزر جانے کے بعد ناممکن ہی دکھائی دے رہی ہے اور آج بھی طالبان ایک موثر طاقت وقوت کی شکل میں افغانستان میں اپنے وجود کو تسلیم کرا چکے ہیں۔

۱۹۹۱ء میں عراق کی شکست کے بعد نیوز میک میگزین نے آپریشن اسٹیپ شیلڈ کے عنوان سے ایک رپورٹ شائع کی کہ امریکہ نے کویت، سعودی عرب اور عراق کو اپنے لوہے کے جال میں پھنسانے کے لیے کس طرح آپریشن ڈیزرٹ شیلڈ کا آغاز کیا تھا۔اسی طرح کا ایک آپریشن قزاقستان میں شروع کرنے کی تیاریاں مکمل کی جا چکی ہیں۔سوویت یونین کے خاتمہ کے بعد امریکہ کی نظریں وسط ایشیا کے تیل و گیس پر ہیں۔اس لیے عراق ٹائپ کا آپریشن وہاں بھی ضروری ہے اور افغانستان اس کا دروازہ ہے۔ مگر امریکہ نے یہ نہ سوچا کہ وہ ایک فولادی پنجہ ہے جسے سوویت روس نہ مروڑ سکا، جس کو دنیا میں سورج نہ ڈوبنے والی طاقت برطانیہ عظمیٰ نہ جھکا سکی اسے امریکہ کیسے جھکا لے گا۔لہٰذا اس کا معاملہ الجھ گیا اور ساری منصوبہ بندی کھٹائی میں پڑ گئی۔

۱۹۹۷ء میں قزاقستان کے ساتھ اور روسی زوال کے ایک سال بعد ازبکستان کے ساتھ امریکی اسپیشل فورسز نے مشترکہ آپریشن میں حصہ لیا تھا جس کا بنیادی مقصد اس علاقہ کے جنوبی پہاڑی سلسلوں میں اسپیشل فورسز کی ٹریننگ تھی جو کرغستان، تاجکستان اور شمالی افغانستان پر مشتمل ہے۔

افغانستان کے راستہ پائپ لائن کا منصوبہ ایک امریکی فرم یونوکال آئل کمپنی کا تھا جس نے طالبان کی حکومت کے ساتھ مذاکرات کئے تھے لیکن ۱۹۹۸ء میں کینیا اور تنزانیہ میں امریکی سفارت خانوں پر

بموں کے دھماکوں کے بعد ختم ہوگئی۔ جب امریکہ نے اسامہ بن لادن اور افغانستان کی حکومت کو ذمہ دار بتایا ۱۹۹۸ء کی اس وقت کی امریکی کلنٹن حکومت نے مشرقی افغانستان میں اسامہ بن لادن کے بتائے جانے والے ٹریننگ کیمپوں پر کروز میزائل کے حملے کرائے۔ اسی کلنٹن کی بیگم اوبامہ کی انتظامیہ میں وزیر خارجہ ہے اور اسی پارٹی سے اوباما کا تعلق ہے۔

بش کی حکومت نے طالبان سے اسامہ بن لادن کو امریکہ کے حوالہ کرنے کا مطالبہ کیا۔ افغانستان پر پابندیاں لگادیں۔ اس طرح پائپ لائن پر ہونے والی بات چیت خود بخود ختم ہوگئی۔

کلنٹن انتظامیہ اور نواز شریف نے جو اس وقت وزیر اعظم تھے، لادن کے قتل کے لیے خفیہ آپریشن پر اتفاق کرلیا تھا لیکن ۱۲؍اکتوبر ۱۹۹۹ء کو نواز شریف کی حکومت کا تختہ پلٹ دیا گیا اور پرویز مشرف نے اس خفیہ منصوبہ کی حمایت نہیں کی۔

۲؍نومبر ۲۰۰۱ء کے وال اسٹریٹ جرنل میں شائع ایک رپورٹ کے مطابق طالبان کے خلاف امریکہ کے خفیہ اقدامات ۲۰۰۰ء میں جاری تھے۔ ریگن انتظامیہ کے زمانہ کے مشیر رابرٹ میک فارلن نے اس زمانہ میں شکاگو کے تجارتی مال کی سٹہ بازی کرنے والے دو دولتمند امریکیوں جوزف اور جیمر زش کی خدمات حاصل کی تھیں تاکہ وہ پاکستان میں افغان پناہ گزینوں میں طابان مخالف لوگوں کو بھرتی کریں۔ ان کا ہیڈ افغان کنٹریکٹر عبدالحق تھا جس کا ذکر پیچھے کہیں ہو چکا ہے۔

جیمر زش کا باپ ۱۹۵۰ء میں سول انجینئر کی حیثیت سے افغانستان میں کام کرتا رہا تھا۔ اس لیے یہ کہانی بنائی گئی کہ اس کا افغانستان سے جذباتی لگاؤ ہے۔ لیکن ایک رپورٹ میں پائپ لائن کے حوالہ سے طالبان کے ساتھ اس کی بات چیت کے بعد امریکہ سے اس کے رابطوں کی پول کھل گئی۔ جیمر زش نے ۱۹۹۸ء میں افغانستان کا دورہ کیا اور طالبان کے ساتھ ایک منصوبہ پر بات چیت کی۔ اس میں سعودی عرب کی ڈیلٹا آئل کا ایک بڑا عہدایدار بھی موجود تھا جو ارجنٹائن کی ایک فرم کے اشتراک سے افغانستان میں گیس کی پائپ لائن بچھانا چاہتی تھی۔

دوسری طرف سی آئی اے نے جنوبی افغانستان میں بعض پشتو بولنے والوں کو خرید کر ایک اپنا نٹ ورک تیار کرلیا تھا۔

ان منصوبہ بندیوں سے ظاہر ہے کہ وہ میک فارلین اور عبدالحق ہوں یا سی آئی اے یا امریکی ذرائع ابلاغ، یہ سب افغانوں کو آپس میں لڑانے کے لیے الگ الگ گروپ تیار کر رہے تھے۔

لہٰذا ۱۱؍ستمبر کے واقعات تو محض بہانہ تھے۔ اصل تو یہ ہے کہ بش جوتے خور کے اقتدار میں آتے ہی

افغانستان میں مداخلت اور اسامہ کے قتل یا گرفتاری کی پالیسی ایک مکمل جنگ میں تبدیل ہوگئی جو طالبان حکومت کے خاتمہ کے بعد بھی جاری وساری ہے جس کی قیادت غلام بچے اوباما کے ہاتھ آ گئی ہے جو اپنی ماں کے مسلم شوہر کی بے وفائی کا بدلہ پوری امت مسلمہ سے لینے کا کام کر رہا ہے۔

۱۵ مارچ ۲۰۰۱ء کی برطانوی جینز انٹرنیشنل سیکورٹی کی رپورٹ کے مطابق بش انتظامیہ نے طالبان حکومت کے خلاف بھارت، ایران اور روس کے ساتھ مل کر کام کیا۔ اس دوران بھارت شمالی اتحاد کو ہر طرح کی مدد پہنچاتا رہا جس میں فوجی سامان، فوجی صلاح کار، ہیلی کاپٹر، کمیونی کیشن کی فراہمی وغیرہ شامل تھے۔ روس اور بھارت آپریشن کے لیے تاجکستان اور ازبکستان کے ہوائی اڈے استعمال کرتے رہے۔

دہلی کے انٹیلی جنس ذرائع کے مطابق طالبان کے خلاف زمینی جنگ میں افغانستان میں ذلت سے دوچار روس کے علاوہ بھارت اور ایران تک نے امریکہ کی بھرپور مدد کی تھی۔

افغانستان پر حملہ کرنے کی امریکی منصوبہ کی خبر بی بی سی نے ۱۸ ستمبر ۲۰۰۱ء کو جس کے مطابق امریکی حکام نے وسط جولائی میں پاکستان کے خارجہ سکریٹری نیاز اے۔ نائک کو بتا دیا تھا کہ امریکی حکومت طالبان کے خلاف فوجی کارروائی کا منصوبہ بنا چکی ہے۔

نیاز اے نائک کے مطابق برلن میں افغانستان کے حوالہ سے انٹرنیشنل کنٹیکٹ گروپ کے اجلاس میں امریکی اہلکاروں نے کہا تھا کہ اگر طالبان اسامہ بن لادن کو امریکہ کے حوالہ نہیں کریں گے تو اسامہ اور ملا عمر کو قتل کرنے یا گرفتار کرنے کے لیے امریکہ فوجی کارروائی کرے گا اور پھر وہاں طالبان کی جگہ ظاہر شاہ کی نگرانی میں ایک عبوری حکومت قائم کی جائے گی۔ یہ وہ شواہد ہیں جو بتا رہے ہیں کہ ۱۱ ستمبر کے واقعہ سے افغانستان پر حملہ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ بلکہ جوتے خور بش کو اپنے دل کی بھڑاس اور انتقامی جذبہ کی تسکین کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا۔

جین ہر یسارڈ فرانس کا ایک سابق سیکریٹ ایجنٹ بن لادن اور القاعدہ کے نٹ ورک کے حوالہ سے کئی رپورٹوں اور کتابوں کا مصنف ہے۔ دوسرا فرانسیسی دیونڈی ہے جو تحقیقاتی صحافت سے تعلق رکھتا ہے۔ ان دونوں کی کتابوں میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ بش انتظامیہ دہشت گردوں کی سرپرستی کے الزام کے باوجود طالبان حکومت کو تسلیم کرنے پر راضی ہو چکی تھی۔ شرط یہ تھی کہ طالبان امریکہ سے سونے کا قالین لے لیں اور وسط ایشیا کے تیل و گیس کی لوٹ میں امریکہ سے تعاون کریں۔ ان دونوں کا دعویٰ ہے کہ اگست تک امریکہ طالبان کو سیاسی استحکام کا ذریعہ سمجھتا رہا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ وسط ایشیا سے ایک تیل

پائپ لائن کی تعمیر میں مددگار ہوں گے۔ لیکن جب طالبان نے امریکی شرائط جن سے ملت فروشی کی بو آتی تھی، ماننے سے انکار کر دیا تو امریکہ نے جنگ کی دھمکی دی۔ ان دونوں فرانسیسی مصنفوں نے لکھا کہ بش انتظامیہ سمیت کسی بھی امریکی حکومت نے دہشت گردوں کی سرپرستی کرنے والی ریاستوں میں طالبان کو شمار نہیں کیا تھا۔ جب کہ اسامہ بن لادن اس وقت بھی ان کا مہمان تھا۔ لیکن صرف وسط ایشیا کی مسلم ریاستوں کے تیل و گیس کی لوٹ میں طالبان نے امریکہ کا ساتھ دینے سے انکار کر کے امریکہ کی دشمنی مول لے لی اور امریکہ نے طالبان کے خلاف بڑے پیمانہ پر کارروائی کر کے دہشت گردوں کی سرپرستی کرنے والوں سے ان کا نام جوڑ دیا۔

۱۰ ارفروری ۱۹۴۸ء کو یہودی ریاست کے قیام سے پہلے امریکی صدر نے شاہ عبدالعزیز کو جو خط لکھا اس میں کھلے طور پر عربوں کے قتل عام کی دھمکی دی گئی۔

امریکی صدر نے لکھا— ''میں نے یہ مناسب سمجھا کہ عالمی سلامتی اور ایک ستائی ہوئی قوم (یہودی) کے نام پر آپ سے مدد مانگوں تاکہ آپ مقدس سرزمین پر اس کے باشندوں، عرب اور یہود کے درمیان برپا خانہ جنگی کو روکنے میں اپنا اثر و رسوخ استعمال کر سکیں اور عرب قوم کو اپنے ہم وطن یہودیوں کے ساتھ مصالحت پر آمادہ کر لیں۔ عربوں کا یہ انداز اقوام متحدہ میں شامل تمام ملکوں کے خلاف جس میں سرفہرست آپ کا ملک آتا ہے، سرکشی اور زیادتی کے مترادف ہے''۔

آگے اس نے لکھا— ''جس بات کا مجھے ڈر ہے وہ یہ کہ کہیں مختلف ممالک متحدہ طور پر ان بغاوت کرنے والوں کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کی خلاف ورزی کرنے پر درست کرنے کے لیے ان پر فوج کشی نہ کر دیں جس سے آپ کی قوم کی ہزاروں جانیں تلف ہو جانے کا خدشہ ہے''۔

اس دھمکی آمیز خط کے جواب میں سعودی عرب کے مرد مومن شاہ عبدالعزیز نے لکھا— ''تقسیم فلسطین کی قرارداد جس کو منظور کروانے میں آپ کا رول نمایاں رہا ہے، یہ محض ظلم و ناانصافی پر مبنی قرارداد ہے۔

یاد رکھئے کہ میں اقتصادی مفادات قربان کر سکتا ہوں مگر مجھے یہ منظور نہیں کہ اس کے بدلہ فلسطین کی ایک بالشت زمین بھی مجرم یہودیوں کے ہاتھوں فروخت کر دوں۔

اللہ تعالیٰ اس بات پر گواہ ہے کہ میں تیل کے کنوؤں کو بند کر سکتا ہوں۔ تیل کے یہ کنویں اللہ تعالیٰ کی وہ نعمتیں ہیں جو اس نے ہم پر جاری فرمائی ہیں۔ لہٰذا ہم ان کو کبھی بھی عذاب الٰہی میں تبدیل کرنا نہیں

چاہتے۔ میں نے اس سے پہلے کئی دفعہ ساری دنیا پر یہ بات واضح کر دی ہے کہ اپنے تمام بیٹوں کے ساتھ فلسطین کے لیے لڑنے مرنے کو تیار ہوں، پھر اس کے باوجود میرے لیے یہ تیل کے کنویں میری اپنی جان اور میری اولاد سے زیادہ کیسے عزیز ہو سکتے ہیں''۔

آخر میں شاہ نے لکھا— ''جناب صدر! میں آپ کو یاد دلاتا چلوں، جن تجارتی اشیاء کی بنیاد پر ہمارے درمیان اقتصادی تعلقات قائم ہیں، یہ خیال رہے کہ دنیا کے بازار میں اس کو بیچنے والے بہت کم ہیں۔ لیکن اس کو خریدنے والے بہت زیادہ ہیں''۔

لیکن اس سب کے باوجود عدم اتحاد کی وجہ سے طاقت کے سامنے عربوں کا عزم نہ ٹھہر سکا اور ہزاروں عربوں کی لاشوں پر یہودی ریاست بن گئی۔ مگر عالم اسلام کے عوام نے آج تک اس ارض مقدس پر ناپاک یہودی کے غاصبانہ قبضہ کو تسلیم نہیں کیا ہے جب کہ بہت سی مسلم حکومتوں نے کھلے اور بند طور پر تسلیم کر لیا ہے۔

طالبان کا بنیادی مقصد افغانستان کی آزادی

افغان طالبان کا کہنا ہے کہ مغربی ممالک کو ان سے کوئی خطرہ نہیں ہے لیکن وہ غیر ملکی قابض فورسز کے خلاف جنگ جاری رکھیں گے۔ امریکی قیادت میں ۱۷ اکتوبر ۲۰۰۱ء کو افغانستان پر حملہ کر کے طالبان کو اقتدار سے بے دخل کر دیا گیا تھا۔

طالبان نے اپنی ویب سائٹ پر کہا ہے کہ دنیا کے ممالک کو نقصان پہنچانے کا ہمارا کوئی ارادہ نہیں ہے جن میں یورپ کے ممالک بھی شامل ہیں۔ ہمارا مقصد اپنے ملک کو آزاد کرانا ہے اور اسے اسلامی ریاست بنانا ہے۔

بیان میں کہا گیا ہے کہ اگر پھر بھی آپ (ناٹو اور امریکی فوجی) دہشت گردی کے نام پر جنگ میں ہمارے ملک کو نو آبادی بنانا چاہتے ہیں تو آپ کو سمجھ لینا چاہیے کہ ہمارے صبر و تحمل میں اضافہ ہوگا اور ہم طویل جنگ کے لیے تیار ہیں۔

صدر امریکہ بارک اوباما نے کہا کہ افغانستان اور پاکستان مین طالبان کو شکست دینا ہماری خارجہ پالیسی کی ترجیحات میں ہے۔

اس وقت افغانستان میں ایک لاکھ سے زیادہ غیر ملکی فوجیں ہیں۔

طالبان کی داخلی پالیسی کی ترجیحات میں ملک کی آزادی ہے۔

اللہ جانے کیا ہوگا۔

اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل دہشت گردوں کی کونسل ہے

ــــ کرنل قذافی

یواین او سے لے کر عالمی عدالت انصاف تک بڑی طاقتوں کے رحم وکرم پر کام کر رہے ہیں۔ امن وانصاف کے لیے قائم کی جانے والی اقوام متحدہ بڑی بے باکی سے ظلم و ناانصافی اور عدم مساوات کے لیے بڑی طاقتوں کی آلہ کار بن چکی ہے۔

یواین او کو مسلم دشمن کا ادارہ کا نام دینا زیادہ مناسب ہوگا۔ دنیا کے لیے روشنی کے بجائے وہ ظلمت کدہ بن چکا ہے۔ یواین او کے اجلاس میں مسلم ملکوں کے نمائندے مسلمانوں کے خلاف ہونے والے مظالم اور سامراجیت کے خلاف ایک لفظ بھی بولنے کی ہمت کرنا تو دور کی بات رہی، وہ جمہوری انصاف کے دو بول بھی نہیں بول سکتے۔ اس لیے کہ انہیں یہ خوف ستاتا رہتا ہے کہ ان کے آقا امریکہ کی پیشانی پر شکن نہ آجائے۔

۲۳ ستمبر ۲۰۰۹ء کو نیو یارک میں اقوام متحدہ کے چونسٹھویں سالانہ اجلاس میں کرنل قذافی کے اعلان حق کے ساتھ ہی مغربی دنیا کو حیرت زدہ کر دیا۔ استعماری طاقتوں کے گھر کے اندر حق گوئی و بیباکی کے نتیجہ میں مسلم امت کی ترجمانی کر کے مظلوموں کو بڑا حوصلہ عطا کر دیا۔ وہ اپنے چالیس سالہ دور حکومت میں پہلی بار امریکہ گئے اور وہیں اس کے منہ پر طمانچہ رسید کر دیا۔ انہوں نے نوے منٹ تک بلند آواز میں تقریر کر کے مغربی طاقتوں کو حیران کر دیا۔

انہوں نے عالمی ادارہ کے اندر اس کی بے اثری کو بیان کرتے ہوئے ایک جرأت مندانہ تاریخ رقم کی اور مغربی میڈیا نے پہلی بار قذافی کی جرأت کی تعریف کی۔ قذافی کی تقریر اقوام متحدہ کی غیر منصفانہ پالیسیوں پر ایک طرف کاری ضرب لگاتی ہے تو دوسری طرف مسلم دنیا کے حکمرانوں کی بے شرمی کا بھی پردہ فاش کرتی ہے۔

سیکورٹی کونسل کو انہوں نے دہشت گردوں کا اڈہ قرار دیا۔ انہوں نے کہا کہ پانچ بڑی طاقتوں نے اقوام متحدہ کو یرغمال بنالیا ہے اور انہیں پانچوں کی اس پر اجارہ داری ہے۔ انہوں نے ویٹو کو ان کی قبروں مین دفن کرنے کا مطالبہ کیا۔ انہوں نے کہا یواین او کے ذریعہ انصاف کے تقاضے اس وقت تک پورے

نہیں ہو سکتے جب تک اقوام متحدہ کے ہر ممبر ملک کی حیثیت برابر نہ ہو۔

انہوں نے کہا کہ ابدی حیثیت صرف خدا کو حاصل ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ ہم اتنے بے وقوف نہیں کہ سپر پاور والے ہی ویٹو کے ذریعہ ہمارا خون ناحق کرتے رہیں اور ہم خاموش رہیں۔ انہوں نے یورپ، اسرائیل اور امریکہ سے کہا — جو دہشت گرد یہاں موجود ہیں وہ مہربانی کر کے کیا اپنے ہاتھ اٹھا سکتے ہیں۔

ان کا یہ اشارہ یورپی ملکوں، وہائٹ ہاؤس اور اسرائیل کی طرف تھا۔

قذافی نے ابتدا میں ہی اجلاس کے ایجنڈے کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور بتایا کہ اقوام متحدہ ناکام ادارہ ہے جو امریکہ، اسرائیل اور بڑے ملکوں کے مفادات کا ضامن ہے۔ انہوں نے یواین او سے سوال کیا کہ یہ جنگیں کیوں لڑی گئیں اور یواین او انہیں روکنے میں کیوں ناکام رہا۔ انہوں نے کوریا، افغانستان اور عراق کا حوالہ دیا۔

انہوں نے کینیڈی اور سیاہ فام لیڈر مارٹن لوتھر کے قتل کا ذمہ دار یہودیوں کو بتایا۔ انہوں نے کہا کہ یہ طالبان کا حق ہے کہ وہ کابل میں اسلامی نظام نافذ کریں یا نہ کریں۔ ساتھ ہی افغانستان کو ویٹی کن سٹی کا درجہ دیئے جانے کی وکالت کی۔

انہوں نے بتایا کہ اقوام متحدہ کے قیام کے بعد سے اب تک پینسٹھ جنگیں ہوئیں اور یواین او انہیں روکنے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ان کا کہنا تھا یہ ادارہ مسلمانوں کو انصاف نہیں دلا سکتا، اور اس طرح انہوں نے یواین او کے شیطانی چہرہ کو نمایاں کر دیا۔

امریکہ کے لیے پاکستان اور افغانستان میں مشکلات کا سامنا

اس مہینہ یعنی اکتوبر ۲۰۰۹ء میں افغانستان میں ایک حملہ میں آٹھ امریکی فوجی مارے گئے۔ پھر جنوبی افغانستان میں کئی ٹھکانوں پر کئی بم حملوں میں آٹھ فوجی مارے گئے۔ پھر دو ہیلی کاپٹروں کو گرائے جانے کے نتیجہ میں گیارہ امریکی فوجی مارے گئے۔

افغانستان پر قابض امریکہ اور اس کے حامی صلیبی کفار کو ہر ہفتہ موت کا سامنا ہے جس کا ذکر اوپر ہو چکا ہے۔ صوبہ نورستان مین افغان حریت پسندوں نے اپنے حملے جاری رکھے۔ گذشتہ آٹھ برسوں میں اکتوبر ۲۰۰۹ء میں طالبان کی یہ بڑی کامیابی ہے۔ امریکہ اور ناٹو کے فوجی دو، تین، چار تو مرتے ہی رہتے ہیں لیکن آٹھ، آٹھ اور گیارہ، گیارہ ایک ساتھ مرنا امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے لیے بڑا دھچکا ہے۔

امریکہ کی سرکار اپنے عوام کو یہ باور نہ کرا سکی کہ افغانستان میں اس کی جنگ امریکی عوام کے تحفظ کے لیے ہے۔

وہ جاننا چاہتے ہیں کہ ہر روز افغانستان سے تابوت آنے کا کیا جواز ہے۔ امریکی اور یورپی حکمرانوں کے اس دعوے پر کسی کو یقین نہیں کہ افغانستان جو سوئی تک نہیں بناتا وہ یورپ اور امریکہ کے لیے خطرہ کیسے بن سکتا ہے۔

ایک آزاد اور خود مختار ملک افغانستان پر فوج کشی کا امریکی اور ناٹو کے پاس کوئی مناسب جواب نہیں ہے۔ ویت نام کی ذلت آمیز شکست اور پھر وہاں سے فرار کے بعد بھی اس نے کوئی عبرت حاصل نہیں کی۔

دراصل صلیبی کفار اور برطانیہ افغانستان میں اپنی پے در پے شکستوں کو فراموش نہیں کر سکا ہے۔ اسی لیے اپنا مذہبی فرض سمجھ کر اہل اسلام کے خلاف یورش کا راستہ اختیار کئے ہوئے ہے۔ مگر نتیجہ جو کل نکلا تھا آج بھی وہی نکلے گا۔ لیکن دیر اس لیے ہو رہی ہے کہ صلیبیوں کو افغانوں میں سے ہی کچھ غدار مل گئے ہیں جوان سے اپنے ذاتی فائدہ کے لیے تعاون کر رہے ہیں۔ رہی سہی کسر پاکستان کے سابق صدر اور فوجی ڈکٹیٹر پرویز مشرف نے پوری کر دی۔ نام کا شخصیت پر بڑا اثر پڑتا ہے۔ اسلام دشمنی ان کے پرویز نام سے ہی عیاں ہے جبھی تو انہوں نے امریکہ کو مشورہ دیا ہے کہ افغانستان میں مزید فوج بھیجی جائے اور وہاں سے فوجیں واپس بلانا خطرناک ہوگا۔

وہ لندن میں ہیں جہاں انہیں صلیبیوں کی مدد درکار ہے۔ اسی لیے ان کی من پسند بات کر رہے ہیں۔

افغانستان میں امریکہ اور اس کے صلیبی اتحادیوں کی حالت اچھی نہیں ہے۔ کئی ناٹو ممالک وہاں سے نکلنے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس لیے کہ طالبان کی کامیابی کا تناسب بڑھ رہا ہے۔

امریکہ میں خود افغان مسئلہ پر فکری اتحاد ختم ہوتا جا رہا ہے۔ اس لیے کہ پچھلے آٹھ برسوں میں بمباری کر کے آبادیوں کو اجاڑنے کے باوجود وہ اُن کے جذبہ حریت کو ختم نہیں کر سکا ہے۔

امریکہ نے افغانستان میں جمہوریت کا ڈھونگ رچا اور ایک بدعنوان اور اپنے جی حضوریہ کو تخت صدارت پر جلوہ افروز کر دیا اور پھر الیکشن میں اس نے دھاندلی کے سارے ریکارڈ توڑ کر تیس فیصد ووٹ زائد حاصل کرا لیے۔ مگر امریکہ اس بدعنوان صدر کی مدد کرنے پر اپنے کو مجبور پاتا ہے۔

پاکستان میں امریکہ پر کیری لوگر بل کی مصیبت بڑا چیلنج لے کر آ گئی ہے۔ اس کی سنگینی کا اندازہ اس

بات سے کیا جا سکتا ہے کہ امریکی وزیر خارجہ ہیلری کلنٹن نے پاکستانی میڈیا کو امریکہ کے لیے منفی پروپیگنڈہ کے خلاف دھمکی دی ہے کہ اس مہم کے خلاف بھرپور جواب دیا جائے گا۔ کیری لوگر بل جسے امریکہ نے پاکستان کی گردن میں پھندا ڈالنے کے لیے پھینکا تھا اور وہاں کے حکمراں اور افسر شاہی نے اپنے لیے بڑی نعمت جانا تھا، پاکستان کی بیدار اور غیرت مند میڈیا نے اس کے مضر اثرات کو ظاہر کر دیا اور عوام کو باور کرا دیا کہ خون ہے خادم کا آقا کے گلستاں کی بہار۔ یہ امداد جو امریکہ کی طرف سے آ رہی ہے وہ کفر ہے، جو ئے زہر ہے۔ لہٰذا ٹھہر جاؤ۔ تیرہ بختان دہر میڈیا کے اس اعلان کے بعد ایشیا اور پاکستان میں پولس انسپکٹر کا رول ادا کرنے والا امریکہ بے چین ہو گیا کہ پاکستانی میڈیا ہمارے اصل عزائم کا پردہ فاش کر کے اپنے عوام کو امریکہ کے خلاف ہوشیار کرنے کا کام کر رہا ہے۔ لہٰذا اس کا دعویٰ ہے کہ وہ ہر سطح پر اس سے نپٹے گا اور پاکستان کے میڈیا کی خبروں کو غلط بتا کر تشویش کا شکار رہے اور کہہ رہا ہے کہ یہ بل پاکستان کی حکومت کے ساتھ مل کر اس کی رضا و رغبت سے تیار کیا گیا ہے۔

جب پاکستان میں بیدار صحافت اور الیکٹرانک میڈیا نہیں تھا تو وہاں کے حکمراں اپنے عوام کو دھوکے میں رکھ کر جو چاہتے تھے کر گزرتے تھے۔ پاکستان میں امریکی بدکاریوں کا عوام کو علم ہی نہ ہوتا تھا اور امریکہ جو چاہتا تھا سرکاری وسیلہ سے کر گزرتا تھا۔ مگر اب حالات یکسر بدل چکے ہیں اور عوام کو اپنے میڈیا اور اخبارات کے ذریعہ ہر پل کی خبر مل رہی ہے اور امریکی امداد اور عنایات اور اس کے پیچھے خوفناک عزائم کا پردہ فاش ہو رہا ہے تو امریکہ کی بے چینیوں میں اضافہ ہو رہا ہے۔

کیری لوگر بل پر بحث چلی تو اس کے ساتھ ایک بغل بچہ بطور تشریح لگا دیا گیا جس میں عوام کو دھوکہ دینے کے لیے کہا گیا کہ امریکہ نے پاکستانی عوام اور فوج کے تحفظات کا ازالہ کر دیا ہے۔ اگر خالی سرکاری ٹی وی کا زمانہ ہوتا تو یہ بات چل جاتی کہ امریکہ نے بڑی فیاضی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستان کو جو مدد دی ہے اس میں تمام شکایات کا ازالہ کر دیا گیا ہے۔

پاکستان میں امریکہ کی خدمت کرنے والے ماہرین قانون و ماہرین اقتصادیات امریکہ اور پاکستانی سرکار کی شان میں زمین و آسمان کے قلابے ملا دیتے کہ امریکہ نے پاکستان اور اس کے عوام کے ساتھ دوستی کا حق ادا کر دیا اور اربوں ڈالر کی مدد دے کر پاکستان کی اقتصادی حالت کو بہتری کی راہ پر لگا دیا۔ مگر پاکستانی میڈیا نے کیری لوگر بل اس کے بغل بچے تشریحی ڈرافٹ کی دھجیاں اڑا کر رکھ دیں۔ یہاں تک کہ قانونی ماہرین تک سے اگلوا لیا کہ اس وضاحتی ڈرافٹ کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ بلکہ کیری لوگر بل کے ساتھ جو شرائط ہیں انہیں پورا کرنا ہوگا۔

اب صورت حال یہ ہے کہ عوام، میڈیا اور سرکار تین فریق اس بل کے سلسلہ میں ہو گئے ہیں۔فوج نے بھی عدم اعتماد کا اظہار اس بل کے خلاف کر دیا ہے۔مگر سرکار اور افسر شاہی کے منہ سے رال ٹپک رہی ہے کہ جلد از جلد اس رقم کو ہڑپ کر لیا جائے چاہے حلق میں پھندا لگ جائے۔کابینہ اس کی منظوری دے چکی ہے مگر میڈیا اور عوام اس کے خلاف سینہ تانے کھڑے ہیں۔

امریکہ کو پاکستان میں اس سے پہلے اس طرح کی صورت حال کا سامنا نہ تھا۔اسی لیے امریکی محترمہ وزیر خارجہ ناراض ہیں اور اپنی دھمکی پر میڈیا کے خلاف وہ کس طرح پیش آئیں گی یہ بات ابھی کھلی نہیں ہے۔مگر میڈیا عوام کو یہی بتا رہا ہے:

رحم کی درخواست سے پہلے یہ دل میں سوچ لے
خون ہے خادم کا آقا کے گلستاں کی بہار

چین کی طرف سے، افغان جنگ کے خاتمہ کے لیے، امریکہ سے فوری جنگ بندی کرنے کا مطالبہ

آٹھ برسوں میں پہلی بار چین نے افغانستان سے متعلق اپنے موقف کو ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ مصالحت کو آگے بڑھانے کے لیے ضروری ہے کہ امریکہ اپنی فوجی کارروائی فوراً بند کر دے۔اس لیے کہ جنگ سے نہ تو اسلامی ملک کو امن حاصل ہو سکا ہے اور نہ سلامتی جیسا کہ بش انتظامیہ نے وعدہ کیا تھا۔اور اس جنگ سے خود امریکہ کو بھی کوئی فائدہ نہیں ملا۔

ایک ایسے وقت جب کہ امریکہ اپنی آٹھ سالہ افغانستان میں ہزیمت کے بعد اپنی حکمت عملی پر از سر نو غور کر رہا ہے۔

چائنا ڈیلی عوامی جمہوریہ چین کا واحد انگریزی روزنامہ ہے۔اس میں چھپنے والا مواد، مضامین اور اداریے چینی کمیونسٹ پارٹی اور سرکار کے ترجمان ہوا کرتے ہیں۔ان میں اس کی خارجہ پالیسی کی عکاسی اور ترجمانی کی جاتی ہے۔اکتوبر ۲۰۰۹ء کے آخری ہفتہ کے شمارہ میں چین کی قومی سلامتی اور پالیسی ساز کونسل کے ڈپٹی سکریٹری جنرل لی کنگونگ کا افغانستان کے بارہ میں تجزیہ چھپا ہے۔جس کے ابتدائی کلمات مندرجہ بالا چند سطور میں سامنے آ چکے ہیں۔آگے اس تجزیہ میں کہا گیا ہے کہ دہشت گردی کے خلاف جنگ جو جارج بش کی امریکی انتظامیہ نے ۲۰۰۱ء میں شروع کی تھی، گذشتہ چند برسوں کے

دوران ختم نہ ہونے والے پرآشوب اور تشدد کا منبع بن چکی ہے۔ اس میں زور دیکر کہا گیا ہے کہ فریقوں کو درکار مصالحت کے لیے لازمی ہے کہ امریکہ افغانستان میں اپنی فوجی کارروائی فی الفور بند کردے۔ اس لیے کہ امریکی فوجی کارروائی سے ان شکوک وشبہات میں اضافہ ہوتا چلا گیا ہے۔

اس تجزیہ میں امریکہ میں رائے عامہ میں ڈرامائی تبدیلی کا بھی حوالہ دیا گیا ہے کہ اس سال اپریل تک باون فیصد افغان جنگ کے لیے امریکہ میں حمایت کم ہوگئی ہے۔

تجزیہ نگار کہتا ہے کہ اگر صدر اوباما جنگ ختم کرنے کا دلیرانہ فیصلہ کرتے ہیں تو وہ نہ صرف امریکی عوام کی توقعات پر پورا اتریں گے اور مزید امریکی جانیں بچاسکیں گے بلکہ وہ امریکہ کی امن دوست امیج بحال کرنے میں کامیاب ہوسکیں گے۔

تجزیہ میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ افغانستان کے موجودہ تعطل کے خاتمہ کے لیے ایک راستہ یہ بھی ہے کہ حکومت، طالبان اور جنگی سرداروں کے درمیان مصالحت کو آگے بڑھایا جائے۔

لی کنگونگ کا کہنا ہے کہ اس مقصد کے لیے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کو چاہئے کہ پانچ مستقل اراکین کے درمیان اتفاق رائے پیدا کر کے اس مسئلہ کے حل کے لیے ایک نقشہ اور وقت عمل مرتب کرے۔ اگر چہ یہ مسئلہ بلاشبہ پیچیدہ مسئلہ ہوگا کہ فریقین طالبان کو افغانستان میں ایک اہم عنصر ماننے کو تیار ہیں یا نہیں، ساتھ ہی یہ کہ القاعدہ سے کیسے نپٹا جائے۔ یہ بھی کانفرنس کا اہم موضوع ہوگا۔ ساتھ ہی وہ القاعدہ کو جنگ کا کوئی جواز نہیں تسلیم کرتا ہے۔ یہ بات اس لیے اہم ہے کہ چین نے اپنے موقف کی صراحت ایسے وقت میں کی ہے جب اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل افغان مسئلہ پر غور کرنے جارہی ہے۔

لی کنگونگ کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ امریکی فوجوں کی واپسی کے بعد ایک بین الاقوامی امن مشن درکار ہوگا۔

اس تجزیہ میں امریکہ اور برطانیہ کے اس موقف کو تسلیم نہیں کیا گیا کہ افغانستان میں جنگ کا تعلق امریکہ اور یورپ کی سلامتی سے کوئی رشتہ ہے اور مغربی ملکوں اور امریکہ کی سلامتی کے لیے یہ جنگ لڑی جا رہی ہے۔

چین افغانستان کے مسئلہ کو خالص افغان مسئلہ مانتا ہے۔ اسی لیے وہ افغانستان میں فوجی کارروائی کے خاتمہ کا مطالبہ کرتا ہے۔

یہ پہلا موقع ہے کہ اس نے افغانستان سے امریکہ اور اس کے ناٹو اتحادیوں کی فوجوں کی واپسی کا مطالبہ اشاروں میں کردیا ہے۔

چین کے ایک تیر سے دو شکار

چین نے ایک طرف تو امریکہ اور ناٹو کی افغانستان سے واپسی کے بارہ میں اپنا موقف واضح کر دیا جس میں پاکستان اور القاعدہ کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ ساتھ ہی وہ کیری لوگر بل کے ذریعہ پاکستان کو ملنے والی امداد کے شور شرابے کے درمیان پاکستان کو جدید ہتھیاروں سے مسلح کرنے پر آمادہ ہو گیا ہے۔ چین پاکستان کو ایک دفاعی معاہدہ کے تحت چھتیس جنگی طیارے دینے پر آمادہ ہو گیا ہے۔

پاکستانی میڈیا کے مطابق چین پاکستان کو ایک سو چودہ ارب ڈالر کے معاہدہ کے تحت J10 جنگی طیاروں کے دو اسکواڈرن سپلائی کرے گا۔ اس کے مطابق مستقبل میں اس میں مزید اضافہ ہو سکتا ہے اور پاکستان چین سے اس کے علاوہ اور بھی جنگی طیارے خرید سکتا ہے۔ مگر میڈیا نے اس کی جانکاری نہ دی کہ ایک سو پچاس جنگی طیاروں کی خریداری کی شرائط کیا ہیں۔

پاکستانی فوج کے ایک ریٹائرڈ جنرل عبدالقیوم نے کہا کہ اس معاہدہ کو پاکستان اور چین کے درمیان معمولی تناظر میں نہیں دیکھنا چاہئے۔ انہوں نے بتایا کہ اس معاہدہ کے پیچھے دونوں ملکوں کے تعلقات کا ایک وسیع پس منظر ہے۔

چین اپنی جدید ٹکنالوجی میں پاکستان کو شریک کر کے دنیا کو یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ دفاعی میدان میں تیزی سے خود کفیل ہوتا جا رہا ہے۔ چین پاکستان کو پچھلی تین دہائیوں سے پاکستان کو طیارے فراہم کرتا رہا ہے مگر موجودہ تناظر میں چین نے پاکستان کو خاموش پیغام دے رہا ہے کہ وہ امریکہ پر زیادہ انحصار کرنا چھوڑ دے۔ ۱۹۶۸ء میں بھی چین نے پاکستان کی راجدھانی اسلام آباد میں ہوائی اڈا بنانے کے لیے پاکستان کو مالی امداد اور تکنیکی تعاون دیا تھا جہاں اب ٹینک اور بکتر بند گاڑیاں بھی تیار ہو رہی ہیں۔ اس کے علاوہ یہاں جنگی طیاروں کی مرمت بھی کی جاتی ہے۔

پاکستان کی فضائیہ چین میں تیار ہونے والے JF17، قراقرم 8 جیٹ تربیتی طیاروں کے علاوہ F-7، PGS17 اور A-53 جنگی طیارے استعمال کر رہی ہے۔ ساتھ ہی پاکستانی بحریہ کو چینی امداد بھی حاصل ہے۔

طالبان امریکہ سے مذاکرات کر سکتے ہیں

چین کے اس موقف کے ساتھ ہی طالبان کے دور میں افغانستان کے وزیر خارجہ ملا وکیل احمد متوکل

نے بتایا ہے کہ طالبان کا ایک حصہ امریکہ کے ساتھ بات چیت کے لئے تیار ہے۔

امریکی ٹی وی چینل سی این این کو دیئے گئے ایک انٹرویو میں متوکل نے کہا کہ اگر امریکہ افغانستان سے نکل جانے کے لیے تیار ہو تو بعض طالبان بات چیت کے لیے تیار ہو جائیں گے۔

ایک سوال کے جواب میں ملا متوکل نے کہا کہ القاعدہ کا بین الاقوامی ایجنڈا ہے جب کہ طالبان کا ایسا کوئی ایجنڈا نہیں ہے۔ انہوں نے کہا کہ طالبان دنیا کے لیے خطرہ نہیں ہیں، وہ لچکدار رویہ اپنا سکتے ہیں۔

انہوں نے کہا کہ یہ عین ممکن ہے کہ طالبان افغانستان کی سرزمین کو امریکہ پر حملہ کے لیے منصوبہ بندی نہ کردیں اور اس کے لیے اپنی زمین کو نہ استعمال ہونے دیں۔

ملا متوکل کا یہ بیان چینی موقف اور امریکی صدر کے اس قانون پر دستخط کرنے کے بعد آیا ہے جس کے تحت جنگ سے کنارہ کشی کرنے والوں کی مالی امداد کی جا سکتی ہے۔

بارک اوباما افغانستان کے بارہ میں امریکی پالیسی کا ازسرنو جائزہ لے رہے ہیں اور اس سلسلہ کی کئی میٹنگیں ہو چکی ہیں۔ امریکہ متوکل کو ممکنہ طور پر ثالث مانتا ہے۔ اس سلسلہ میں ان سے گذشتہ برس سعودی عرب کے شاہ عبداللہ کی کوششوں سے سعودی عرب میں بات ہو چکی ہے۔

ملا متوکل سے انٹرویو لینے والے سی این این کے نمائندہ کرس لارنس نے متوکل کے حوالہ سے کہا کہ ان سے بہت سے امریکی سفارت کار ملاقات کر چکے ہیں۔

امریکی صدر بارک اوباما آج کل افغانستان میں مزید فوج بھیجنے سے متعلق اپنے اعلیٰ افسروں سے صلاح ومشورہ کر رہے ہیں۔ ساتھ ہی وہاں سے فوج ہٹائے جانے پر غور کرنے کو اس صلاح ومشورہ میں شامل کر لیا گیا ہے۔

نائب صدر جو بائیڈن سمیت اوباما انتظامیہ کے بیشتر اہلکاروں کا خیال ہے کہ افغانستان میں مزید فوج نہ بھیجی جائے بلکہ وہاں سے نکلنے کی حکمت عملی ترتیب دی جائے۔ جب کہ افغانستان میں امریکی فوج کے کمانڈر جنرل اسٹینلے میکرسٹل نے مزید چالیس ہزار فوج بھیجے جانے کی درخواست کی ہے۔

خود امریکہ کے سامنے یہ سوال بھی ہے کہ وہاں سے اس کے نکلنے کو اس کی شکست نہ سمجھا جائے جب کہ سوویت یونین کو دیکھا گیا ہے۔ وہاں سے بھاگتے بھاگتے بھی سپر پاور کا خناس شیطان کی شکل میں اپنے کو بڑا بنا کر دنیا کے سامنے فرعونی انداز میں بتانا چاہتا ہے۔ بہر حال افغانستان سے اس کی واپسی کا یہ انداز بھی ہم منظور کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ افغان عوام امریکہ اور اس کے اتحادیوں کو باعزت

افغانستان سے رخصت کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہ کریں گے۔ وہ بڑے دل کے لوگ ہیں، پشیمان ہونے والے دشمن کو بھی زیادہ پشیمان نہیں کرتے اور ہمیشہ اس اصول پر عمل پیرا رہتے ہیں کہ ع

بدی کرتا ہے دشمن اور ہم شرمائے جاتے ہیں

طالبان کا کہنا ہے کہ افغانستان کی آزادی

یہ نہیں تو قابض فوج کے خلاف لڑائی جاری رہے گی۔ ان کا کہنا ہے کہ مغربی ممالک کو ہم سے کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن ہم غیر ملکی فوجوں کے خلاف جنگ جاری رکھیں گے۔ امریکہ کی قیادت میں افغانستان جنگ کے نو سال پورے ہو چکے ہیں۔ امریکہ نے ۱۱ر ستمبر کے واقعہ کے بعد ۷ار ستمبر ۲۰۰۱ء کو افغانستان پر حملہ کر کے طالبان حکومت کو اقتدار سے بے دخل کر دیا تھا۔

طالبان نے اپنی ویب سائٹ پر کہا ہے کہ دنیا کے ملکوں کو نقصان پہنچانے کا ہمارا کوئی ارادہ نہیں ہے جن میں یورپ بھی شامل ہے۔ ہمارا مقصد اپنے ملک کو آزاد کرانا ہے اور اسلامی ریاست قائم کرنا ہے۔

بیان میں کہا گیا کہ اگر پھر بھی آپ (ناٹو اور امریکی فوج) دہشت گردی کے خلاف جنگ کی آڑ میں ہمارے ملک کو نوآبادی بنانا چاہتے ہیں تو آپ کو سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارے صبر و تحمل میں اضافہ ہوگا اور ہم طویل جنگ کے لیے تیار ہیں۔

اس وقت افغانستان میں ایک لاکھ سے زائد غیر ملکی فوجیں موجود ہیں جن میں دو تہائی امریکی فوجی ہیں۔

طالبان کے اس بیان اور سابق وزیر خارجہ متوکل کے بیان میں زیادہ اختلاف نہیں ہے۔ متوکل نے کہا ہے کہ اگر امریکہ افغانستان سے نکل جانے کو تیار ہے تو بعض طالبان بات چیت کے لیے تیار ہو جائیں گے۔ بہر حال پس پردہ امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے وہاں سے نکلنے کی راہیں تلاش کرنے کا عمل شروع ہو چکا ہے۔ چین کا موقف، طالبان کا بیان، بارک اوباما کا اپنے مشیروں سے مشورہ جس میں افغانستان سے نکلنے پر غور و فکر بھی شامل ہے، خوش آئندہ علامت ہے۔

ساتھ ہی افغانستان کے معاملات کے عالمی شہرت یافتہ ڈاکٹر ویدک پرتاپ ویدک نے اپنے حالیہ مضمون میں امریکہ کے دانشوروں، سفارت کاروں، اوباما حکومت کے بہت سے افسروں، بعض سینیٹروں اور وہاں کی پارلیمنٹ جسے کانگریس کہتے ہیں، کے ممبروں اور دیگر لوگوں نے ان سے پوچھا کہ افغانستان کے طوفانی بھنور سے امریکہ کو کیسے نکالا جا سکتا ہے۔

اس سوال کے جواب میں ویدک نے پانچ نکاتی منصوبہ پیش کیا جس کا اہم نکتہ یہ ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادی یا اوباما افغانستان سے اپنی فوجیں واپس بلانے کی تاریخ طے کریں اور بتائیں کہ فلاں تاریخ کے بعد ایک بھی امریکی فوجی افغانستان میں نہیں رہے گا۔ یہ تاریخ ۳۱ر دسمبر ۲۰۱۰ء بھی ہو سکتی ہے۔ امریکی فوجی سے مراد ہے غیر ملکی فوج۔ اس اعلان کا امریکہ میں کرشماتی اثر ہوگا اور اوباما کو لگے گا کہ وہ دوسری بار الیکشن جیت گئے ہیں۔

افغانستان میں بھی خوشی کی لہر دوڑ جائے گی کیونکہ افغان عوام اپنی سرزمین پر غیر ملکی فوجوں کو کبھی برداشت نہیں کرتے سو برس میں وہ تین بار برطانیہ کی فوجوں اور ایک بار سوویت یونین کو سبق سکھا چکے ہیں۔

لوگوں نے سوال کیا کہ کیا ایسی حالت میں حامد کرزئی سرکار ٹک پائے گی۔

اس کے جواب میں ویدک نے کہا— تو کیا کیا جائے؟

اس نکتہ پر ہم پچھلے صفحات میں بحث کر چکے ہیں کہ آپ ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیں۔

مگر ویدک نے کرزئی کی حفاظت کے لیے پانچ لاکھ افغانی فوج بھرتی کرنے کی بات کہی ہے۔ یہ سب فوجی افغانی ہوں۔ اس طرح بے روزگاری کا خاتمہ ہو جائے گا اور نوجوان جو بے روزگاری کی وجہ سے طالبان اسمگلروں اور مافیا گروہوں کے شکار ہیں، روزگار پا کر طالبان اور اسمگلروں کے انسانی سرچشمے خشک ہو جائیں گے۔

یہاں ویدک نے بھی ٹھوکر کھائی ہے اور مسئلہ کو صحیح پس منظر میں نہیں دیکھا ہے۔ جو لوگ مال و دولت کے طلب گار ہیں وہ کرزئی سرکار کے وفادار ہیں لیکن جو شہادت کے طلب گار ہیں وہی طالبان کے وفادار ہیں:

جن لوگوں کے سردار حسین ابن علی ہیں
وہ لوگ شہادت کے طلبگار ملیں گے

آگے وہ کہتے ہیں کہ پانچ لاکھ افغان فوجیوں پر جو خرچ آئے گا وہ پانچ ہزار مغربی فوجیوں سے بھی کم ہوگا۔ اس طرح امریکہ کروڑوں ڈالر روزانہ کی بچت کر سکے گا۔ مالی تماشوں میں طالبان یا افغان کب الجھنے کو تیار ہیں۔

ڈاکٹر وید پرتاپ کو شاید افغانستان کی پچھلی تاریخ کا علم نہیں ہے جب شاہ شجاع برطانوی فوجوں کے زیر سایہ کابل میں داخل ہوا تھا تو اس کا اور اس کے حمایتیوں کا کیا حشر ہوا۔

تیسرے نکتہ میں طالبان اور القاعدہ کی زندگی ویدک صاحب، افیون کی کاشت کو بتاتے ہیں جب کہ طالبان نے اپنے دورِ حکومت میں افیون کی کاشت بالکل بند کرادی تھی اور یو این او کی رپورٹ کے مطابق صفر رہ گئی تھی۔

چوتھی بات میں ملنے والی امداد کے خرچ سے متعلق ہے، جو حامد کرزئی تک چار فیصد پہنچتی ہے۔

پانچویں بات ہے طالبان سے بات چیت جو ہو سکتی ہے ان کے بھی اپنے دلائل ہیں جنہیں سننے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔

ان نکات پر عمل درآمد ہو تو امریکہ اس دلدل سے ایک سال کے اندر نکل سکتا ہے۔ یہ رائے ہے ویدک جی کی۔

امریکی عوام کی اکثریت افغانستان جنگ جاری رکھنے کے حق میں نہیں ہے۔ امریکہ کے نائب صدر اور کئی ذمہ دار لوگ بمعہ اوباما وہاں سے نکلنا تو چاہتے ہیں مگر دنیا کی تالی سے ڈرتے ہیں کہ امریکہ شکست کھا کر بھاگا ہے۔ اپنی غلطی کا اعتراف کرکے سچائی اور حق کی طرف واپسی میں کبھی کسی کی شکست نہیں ہوتی ہے۔

واحد حل افغانستان سے غیر ملکی فوجوں کی واپسی ہے، جس میں نہ کسی کی ہار ہوگی نہ جیت ہوگی بلکہ حقیقت پسندی کی ہی جیت ہوگی اور موجودہ دنیا امریکی قیادت کی تعریف کرے گی اور اوباما کو امن کا نوبل انعام بھی حق ثابت ہو جائے گا۔

اس لیے کہ بادشاہوں کی نہیں اللہ کی ہے یہ زمیں

موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لیے
نے کوئی فغفور و خاقانی نے فقیر رہ نشیں

افغانستان

کب کس نے کیا کہا—۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۹ء تک

ہم پوری کائنات کو سو مرتبہ تباہ کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ (جوتے خور بش، سابق صدر امریکہ)

طالبان کو کمین گاہوں سے نکال کٹہرے میں لا کھڑا کریں گے۔ اس جنگ میں امریکہ نہ تھکے گا نہ ہارے گا۔ (وہی جوتے خور)

طالبان کی حکومت فوجی کارروائی کے بغیر ختم ہو جائے گی۔ (ٹونی بلیئر، وزیر اعظم، برطانیہ)

جنگ جو بہت جلد میرے اشارہ پر ناچیں گے۔ (جنرل ڈیوڈ رچرڈ، ۲۰۰۶ء)

طالبان زیادہ سکت نہیں رکھتے۔ وہ طویل گوریلہ جنگ لڑنے کی پوزیشن میں بھی نہیں ہیں۔ ان کے حملے جلد ختم ہو جائیں گے۔ (پرویز مشرف)

طالبان نہ ختم ہونے والا دشمن ہے۔ اس کو مورخ سلطنتوں کا قبرستان قرار دیتے ہیں۔ (پیٹریاس، امریکی جنرل)

افغانستان میں فتح ناممکن ہے۔ یہ حملہ بہت بڑی غلطی تھی۔ (میتھو پیرس، برطانوی سفارت کار)

امریکی قوم اور فوج تھک چکی ہے۔ ہم لمبی جنگ کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ صورت حال ہمارے ہاتھ سے نکل رہی ہے۔ (رابرٹ گیٹس، امریکی وزیر دفاع)

افغانستان میں صورت حال ہمارے حق میں نہیں ہے۔ (جنرل مولن، افغانستان میں امریکی فوجی سربراہ)

افغانستان کی صورت حال ویت نام جیسی ہوتی جا رہی ہے۔ (ویزلے کلارک، ناٹو کا سابق کمانڈر)

اس جنگ میں کامیابی کا کوئی راستہ نظر نہیں آتا مگر شکست کے تمام آثار نمایاں ہیں۔ (جنرل اسٹینلے کرسٹل، امریکی کمانڈر، افغانستان)

افغانستان میں وقت اتحادیوں کا ساتھ نہیں دے رہا ہے۔ (میجر جنرل نک کارٹر، برطانوی کمانڈر)

دیکھوا سے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو۔ (ڈاکٹر خان محمد عاطف)

چہرہ روشن، اندروں چنگیز سے تاریک تر

کیا افغانستان میں امریکہ جنگ ہار رہا ہے

امریکہ اور صلیبی کفر کی اتحادی طاقت کو افغانستان میں نو سال پورے ہو گئے جہاں سامراجی طاقتوں کا دعویٰ خداوندی چکنا چور ہوتا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ برطانیہ اور امریکہ میں اس جنگ کے خلاف وہاں کی رائے عامہ اپنی حکومتوں کے خلاف ہوتی جا رہی ہے۔ ادھر طالبان سپر پاور کے غرور و تمکنت کے سامنے پہاڑ کی طرح کھڑے رہ کر ہر وار کا مقابلہ بھی کر رہے ہیں اور حملہ آوروں پر شاہین وار جھپٹ بھی رہے ہیں۔

اار ستمبر ۲۰۰۱ء کے بعد جو جنگ عالم اسلام کے سامنے صلیبی جنگ کے نام سے آئی اس کو دیکھ کر چنگیز و ہلاکو کی یاد تازہ ہو گئی۔ اگر چہ افغانستان پر صلیبی کفار کے اتحادیوں نے جس طرح ظلم و بربریت کا ننگا ناچ ناچا ہے اس نے چنگیز و ہلاکو کو بھی شرمسار کر دیا ہوگا اپنی اپنی قبروں میں۔ لیکن طالبان کی دانشمندانہ قیادت و سرفروشی سے امریکی اتحاد کا غرور و تمکنت نگوں ہوتا دکھائی دے رہا ہے۔

افغانستان پر حملہ کے وقت جوتے خور بش نے کہا تھا کہ امریکہ اس جنگ میں نہ تھکے گا، نہ ہارے گا۔ لیکن اسی کے خدا کے لہجے میں بولنے والا وزیر دفاع آٹھ سال بعد یہ کہنے پر مجبور ہے کہ امریکی قوم اور فوج تھک چکی ہے۔ اب ہم لمبی جنگ کے متحمل نہیں ہو سکتے اور صورت حال ہمارے ہاتھ سے نکل رہی ہے۔

اکتوبر ۲۰۰۱ء میں امریکہ کی طرف سے افغانستان پر حملہ کے خلاف پوری دنیا کے مختلف حصوں میں اس کی مخالفت ہوئی تھی، مظاہرے بھی ہوئے تھے اور پرتشدد جھڑپیں بھی ہوئی تھیں۔ سب سے زیادہ احتجاج مسلم ممالک، خاص کر پاکستان میں ہوا تھا۔

ایک احتجاجی مظاہرہ میں ایک اسٹیج بینر میڈیا میں موضوع بحث رہا جس کو بہت سے مظاہرین

اٹھائے ہوئے تھے۔اس بینر پر تین قبروں کو دکھایا گیا تھا۔دو قبریں بند تھیں جن میں سے ایک کو برطانیہ اور دوسری میں روس کو دفن دکھا کران پر برطانیہ اور روس کے پرچم لہرا دیئے گئے تھے۔

تیسری قبر کھلی ہوئی تھی اور قبر سے تھوڑے فاصلہ پر ایک تختی لٹک رہی تھی جس پر لکھا تھا، نئے آنے والے کا استقبال ہے۔

بین الاقوامی اور ہندوستانی میڈیا اسے افغانوں کی کم عقلی سے تعبیر کر رہے تھے اور سمجھ رہے تھے کہ برطانیہ اور روس کے بعد دنیا بہت بدل چکی ہے اور امریکی ٹکنالوجی بہت آگے جا چکی ہے۔طاقت کے نشے میں چور قومیں آج تک نہ سمجھ سکیں کہ مشکلیں اتنی پڑیں ان پر کہ آساں ہوگئیں۔اور اسی جذبہ کے تحت آج آٹھ سال بعد دنیا کو دکھائی دینے لگا ہے کہ اس خالی قبر میں ایک اور سپر پاور دفن ہونے کے لیے اپنی باری کی منتظر ہے۔

۲۰/اگست ۲۰۰۹ء کو افغانستان پر امریکی یورش کے بعد دوسرا پارلیمانی الیکشن ہوا جو کرزئی حکومت کی ۲۰۰۴ء والے الیکشن کی توثیق کے لیے تھا۔امریکہ اور اس کے صلیبی اتحادیوں کو یہ امید تھی کہ اس ڈرامہ بازی سے وہ دنیا کی سب سے زیادہ جمہوریت پسند افغان قوم کو بے وقوف بنانے میں کامیاب ہو جائیں گے۔لیکن ان کی یہ چال خود ان کی گردن میں آ پڑی۔

میڈیا کی آزاد رپورٹوں کے مطابق افغانستان میں پول ہونے والے ووٹوں کا تناسب پانچ فیصد سے زیادہ نہیں رہا۔اس کے ساتھ ہی بہت سے سنٹروں سے فرضی ووٹ ڈالنے کی شکایتیں بھی سامنے آئیں جس کے نتیجہ میں انتخابی نتائج کے اعلان میں تاخیر ہوتی گئی۔

افغان عوام نے اس الیکشن کو امریکہ کی فریب کاری سے تعبیر کیا۔ان حالات سے پریشان ہو کر امریکہ نے اپنے حاشیہ بردار اقوام متحدہ کا سہارا لے کر دوبارہ الیکشن کرانے کا اعلان کیا۔افغانستان کا صدر دستور کے مطابق پچاس فیصد سے زیادہ ووٹ پا کر ہی کامیاب قرار دیا جاتا ہے۔کم ووٹ ملنے پر دو ہفتہ کے اندر دوبارہ پولنگ کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔اس مرتبہ الیکشن میں صرف اوپر کے دو امیدوار ہی اس میں حصہ لینے کے مجاز ہوتے ہیں۔

اس لیے اقوام متحدہ نے دوبارہ الیکشن کرانے کا اعلان کیا۔افغانستان امور کے ماہرین کی رائے تھی کہ یہ الیکشن بھی پہلے سے کچھ زیادہ مختلف نہ ہوگا۔بہر حال ۷/نومبر ۲۰۰۹ء کو دوبارہ الیکشن کا اعلان ہو گیا۔لیکن اس کی نوبت نہیں آئی اور حامد کرزئی کی صدارت کا دوبارہ اعلان کیا گیا۔شاید مغرب کے آقا افغانستان میں حامد کرزئی جیسا بے حس کوئی اپنا ہمنوا تلاش نہ کر سکے۔

افغان امور کے ماہرین کا خیال ہے کہ افغانستان میں غیر ملکی فوجوں کی موجودگی میں امن و امان قائم ہونا مشکل مسئلہ ہے۔ کسی ملک اور قوم کی آزادی کو ختم کر کے عوام کے دل جیتنے کی ساری چالیں رائیگاں جائیں گی۔ آٹھ سال میں امریکہ اور اس کے صلیبی اتحادیوں نے افغانستان کے عوام، پہاڑوں، وادیوں اور میدانوں میں اپنی فوجی ٹکنالوجی کے ساتھ خوب کلیلیں کیں، طالبان کی طاقت توڑنے، اسامہ اور ملا عمر کو زندہ یا مردہ پکڑنے کے پاگل پن میں ایک لاکھ سے زیادہ افغان عوام، جس میں زیادہ تعداد عورتوں اور بچوں اور بوڑھوں کی ہے، موت کی نیند سلا دیا۔ اپنی سائنس و ٹکنالوجی پر ناز اس زمین میں کہیں بھی دفن ایک سوئی تک کا پتہ لگانے کے دعویداران ''دو'' کی گرد بھی نہ پا سکے۔

الیکشن سے پہلے برطانوی نشریاتی ادارہ بی بی سی نے سروے کر کے بتایا کہ حکومت کے کنٹرول میں صرف ۱۲۵ قصبے ہیں، یعنی ملک کا ۳۴ فیصد حصہ اور ریاستی سطح پر صرف سات صوبوں میں کرزئی کا کنٹرول ہے۔ باقی پر طالبان کا قبضہ ہے۔

برطانوی ادارہ انٹرنیشنل کونسل آن سیکورٹی اینڈ ڈیولپمنٹ (I.C.O.S.) نے اپنی ستمبر ۲۰۰۹ء کی رپورٹ میں کہا ہے کہ طالبان افغانستان کے ستانوے فیصد علاقوں میں سرگرم ہیں۔ اسی فیصد علاقوں پر ان کی سرگرمیاں بہت زیادہ ہیں اور سترہ فیصد علاقہ میں ذرا کم سرگرمی ہے۔ جب کہ پچھلے سال بہتر فیصد علاقہ میں ان کی سرگرمی بتائی گئی تھی۔ گذشتہ سال ہونے والے دھماکوں میں اس سال ایک سو آٹھ فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ افغان خبر رساں ایجنسی ارنا کے مطابق ۲۰ راگست کو پارلیمانی الیکشن کے دن ۱۳۵ حملوں کی وزارت داخلہ نے تصدیق کی ہے۔

سال ۲۰۰۹ء کے شروع میں طالبان کے ۵۲۳۰ غیر ملکی فوجیوں کو مارنے کا دعویٰ کیا ہے۔ لیکن ادھر چند مہینوں سے اتحادی فوجیں کابل کی طرف سمٹ رہی ہیں۔

طالبان اب ٹینکوں اور بکتر بند گاڑیوں کو بھی نشانہ بنا رہے ہیں اور جنگی طیاروں پر بھی نشانہ باندھنے لگے ہیں۔ خیال کیا جا رہا ہے کہ شاید انہوں نے اینٹی کرافٹ میزائل ٹیکنک حاصل کر لی ہے۔

اب صورت حال یہ ہے کہ اتحادی فوجیں طالبان کی طرف سے اس درجہ خوف میں مبتلا ہیں کہ کم تعداد میں عوامی جگہوں پر جانے سے کتراتی رہتی ہیں۔ ۳ راگست ۲۰۰۹ء کو خبر رساں ایجنسی اے. ایف. پی نے لندن سے خبر دی ہے کہ ایک برطانوی فوجی نے اپنی چھٹی پوری کرنے کے بعد افغانستان جانے سے انکار کر دیا جس کی وجہ سے اسے کورٹ مارشل کا سامنا ہے۔

امریکہ کے علاوہ دوسرے کئی اس کے اتحادی ملکوں میں کئی ایسے غیر سرکاری ادارے (NGOs)

ہیں جو افغانستان میں مزید فوج بھیجے جانے کے خلاف عوامی رائے ہموار کررہے ہیں۔

طالبان کی دہشت اب فوجیوں اور بعض جنرلوں کی باتوں میں نمایاں ہے۔ امریکہ کے سابق قومی سلامتی کے مشیر زبیگو برانسکی نے ۱۲ر ستمبر ۲۰۰۹ء کو جنیوا میں عالمی اسٹریٹیجک کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے اس بات کا کھل کر اظہار کیا۔ امریکہ افغانستان میں سوویت یونین کی طرح ناکامی کے راستہ پر جا رہا ہے اور ہمارے جنرل یہ کہہ رہے ہیں کہ ہم یہ جنگ جیت نہیں سکتے۔

اخبار واشنگٹن پوسٹ کی رپورٹ کے مطابق طالبان اتحادی اور افغانی فوجوں کے خلاف سادے اور سستے بم استعمال کررہے ہیں جو غیر دھات کے مادوں اور پلاسٹک سے بنائے جاتے ہیں جن کا پتہ چلانا میٹل ڈٹیکٹر کے ذریعہ بھی مشکل ہے۔

دوسری طرف کینیڈا کی سینیٹ کمیٹی برائے قومی سلامتی اور دفاع کے سربراہ کولن کینسی نے گذشتہ ماہ یہ اعتراف کرلیا کہ ہم افغانستان میں جو کچھ حاصل کرنا چاہتے تھے وہ ناممکن ہوگیا ہے۔ ہم ویت نام جیسے انجام کی طرف تیزی سے بڑھ رہے ہیں۔

امریکی خبر رساں ادارہ سی این این نے ۱۶ر ستمبر ۲۰۰۱ء میں برطانیہ اور روس کے دو سابق جرنلوں کا انٹرویونشر کیا تھا جس میں انہوں نے افغانستان میں اپنے جنگی تجربات کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ ہم افغانستان میں تمام تر جدید ہتھیاروں اور فضائیہ کے ساتھ حملے کرتے رہے ہیں لیکن ہم وہاں کنٹرول حاصل کرنے میں پوری طرح ناکام ہی رہے ہیں۔

ہانگ کانگ کے ایک جریدہ فار ایسٹرن اکنامک ریویو نے اپنے مضمون میں لکھا کہ طالبان اور اسامہ امریکہ کو ایسے گڑھے میں گرانے کی کوشش میں لگے ہیں جو اس سے پہلے سوویت یونین کو اپنے اندر سمیٹ چکا ہے۔

افغانستان میں امریکہ کی نئی پالیسیوں کے بارہ میں لمبی مدت تک خاموشی رہی۔ اوبامانے صدارت کا عہدہ سنبھالنے کے بعد اعلان کیا تھا کہ وہ بہت سوچ سمجھ کر نئی پالیسی کا اعلان کریں گے اور وہاں کے صدارتی انتخاب کے نتیجہ کو بھی دیکھیں گے۔ یہ سب باتیں ہی تھیں اس لیے کہ جس کی گردن پنجہ یہود میں ہو وہ آزادانہ فیصلہ نہیں کرسکتا۔

ایک طرف امریکہ کا موجودہ صدر جس نے امن کے محاذ پر کوئی اہم کارنامہ نہ انجام دینے کے باوجود امن کا نوبل انعام پالیا ہو وہ یہ کہے کہ امریکیوں کے لیے افغانستان کے بجائے روزگار کے مورچہ پر جنگ زیادہ اہم ہے مگر افغانستان میں تیس ہزار فوج مزید بھیجے جانے کی منظوری بھی دے دے۔

اکتوبر ۲۰۰۹ء میں بے روزگاری کے تمام ریکارڈ ٹوٹ چکے ہیں جس کے نتیجہ میں ان کی مقبولیت کا گراف گرتا جارہا ہے۔ امریکہ کے ممتاز بینک تک دیوالیہ ہو چکے ہیں جس کی وجہ سے بے روزگاری میں اضافہ ہوا ہے۔

امریکی نشریاتی ادارہ اے بی سی اور واشنگٹن پوسٹ نے ایک مشترکہ سروے کیا جس میں ۵۱ فیصد امریکیوں نے افغانستان میں جنگ کی مخالفت کی اور ۶۹ فیصد لوگوں نے فوجوں میں تخفیف کی بات کہی۔

نوسالہ طویل جنگ نے امریکہ کی مالیت کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے۔ امریکی کانگریس کی ریسرچ اینڈ سروے کمیٹی کی رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ افغانستان میں امریکہ اب تک ۲۲۳ بلین ڈالرخرچ کر چکا ہے۔ اوباما نے گذشتہ دنوں گاندھی جی کے یوم پیدائش پر عدم تشدد کے فلسفہ کو پوری دنیا کے لیے سبق آموز بتایا مگر افغانستان اور عراق سے لے کر گوانتانا موبے اور ابوغریب تک عملاً اس کی جھلک کہیں بھی اوباما کی عملی زندگی میں دکھائی نہیں دی۔

جارج بش نے افغانستان پر حملہ کے وقت اسے تہذیب کی جنگ کہا تھا۔ افغانستان میں ۱۱ لاکھوں لوگوں کی ہلاکت اور ان کا خون پینے والی امریکی تہذیب کی کیا پیاس ابھی بجھی نہیں ہے۔ اور کیا یہ امریکہ کی تہذیبی دہشت گردی کا کھلا ثبوت نہیں ہے۔

امریکہ کی نئی افغان پالیسی سامنے آنے کے بعد مستقبل کا جو نقشہ سامنے آرہا ہے اس سے یہ بات کھل کر سامنے آچکی ہے کہ امریکہ افغانستان میں اپنی شکست اور خفت کو چھپانے کے لیے پاکستان کو میدان جنگ بنانا چاہتا ہے۔ مگر یہ نہیں جانتا کہ دونوں طرف ایک ہی قوم تو آباد ہے۔ امریکی حکام کی دھمکیوں اور بلیک میلنگ سے یہ مسئلہ حل نہیں ہوگا۔

پچھلی نصف صدی سے پاکستان امریکی پالیسیوں کی غلامی کے نتیجہ میں مشرقی پاکستان کھو چکا ہے جہاں غیر جنگجو بنگالی قوم آباد تھی مگر سیاسی اور اقتصادی ناانصافیوں کے نتیجہ میں جو کچھ ہوا وہ سامنے ہے۔ لہٰذا ڈینگیں مارنے سے مسائل حل نہیں ہوتے۔

اسلام نے انصاف، مساوات اور باہمی رواداری کی جو روح اپنے ماننے والوں میں پیدا کی ہے اگر مسلم حکمراں حضرات عثمان کی شہادت اس کے بعد جنگ جمل، صفین و نہرواں کی خون آشامی پر نظر رکھیں جہاں وہ لوگ تھے جنہوں نے رسول ﷺ کی آنکھیں دیکھی تھیں مگر ناانصافی اور حضرت عمرؓ کی نصیحت کے باوجود ایک طبقہ کو مسلمانوں کا مال ہڑپ لینے کے لیے اقتدار پر قابض کرانے دینے کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے حالات نے جو دکھایا کیا آج امریکہ کی پالیسیوں کی غلامی کے نتیجہ میں پاکستان اسی طرح

کے حالات کا شکار نہیں ہے۔

امریکہ صرف طالبان اور القاعدہ کی تلاش میں اس علاقہ میں نہیں آیا ہے۔ وہ وسط ایشیا کے ممالک کی دولت پر قبضہ چاہتا ہے۔ افغانستان میں امریکہ نے ہندوستان کو بھی بعض معاملات میں دخیل کر لیا ہے جب کہ افغان عوام نے برطانوی دور حکومت میں ہمیشہ ہندوستان کی آزادی کی تحریکوں سے تعاون ہی کیا ہے۔

بار بار اس بات کو دہرایا جاتا ہے کہ اسلام ایک امن پسند مذہب ہے مگر کیا یہ عمل یکطرفہ ہوگا۔ آپ اسلام کا نام لے کر ہماری آبادیوں کو روندنے اور اجاڑنے لگیں، بچوں کو یتیم اور عورتوں کو بے سہارا کرنے لگیں اور جب وہ جوابی کارروائی کریں تو آپ کہیں دہشت گردی ہے۔ آپ اپنی ہی زمین پر اپنے ہی شہریوں کے خلاف فوجی آپریشن کو جائز قرار دیں۔ مالاکنڈ اور جنوبی وزیرستان میں امریکہ کے ڈرون طیاروں کے حملہ پر خاموش رہیں اور پاکستان کی فوج بھی نیچے سے ان پر حملہ آور ہو اور اس کے جواب میں آپ مسجد میں ملیں گے یا مدرسوں میں ان کے خلاف فتوے دینے والے ہوں وہ ردعمل میں ان کو نشانہ بنائیں تو آپ کہیں کہ وہ دہشت گرد ہیں۔

پریڈ لین مسجد میں فوجیوں کی ہلاکت پر پوری قوم فوجیوں کے غمزدہ خاندانوں سے اظہار ہمدردی کرے اور جنوبی وزیرستان اور مالاکنڈ میں ہونے والی سرکاری دہشت گردی پر خاموش رہے بلکہ انہیں دہشت گرد قرار دے تو انصاف کہاں رہے گا؟

روس کے خلاف ہونے والی جنگ میں یہ علاقہ مجاہدین کے مرکز تھے۔ ان کو پاکستانی حکومت کی سرپرستی حاصل تھی۔ اس لیے کہ امریکہ یہی چاہتا تھا اور اَب جب وہ امریکی دہشت گردی کے خلاف اپنی آزادی کے لیے جنگ کرنے والوں کی وہ مدد کر رہے ہیں تو پاکستان کی حکومت اور فوج ان کے ملی تشخص کو مٹانا چاہتی ہے تو یہ دورنگی چال ہی کا نتیجہ ہے کہ دہشت گردی کے جواب میں دہشت گردی پاکستان کے کوچہ و بازار میں پھیلتی جارہی ہے۔ تو کہا جاتا ہے ان کو دلائل سے، دینی تعلیمات سے، قرآن وحدیث کی تعلیمات سے قائل کیا جائے مگر پاکستان کی حکومت اور فوج قائل ہو کیری لوگر بل سے!!

دینی تعلیم کی روح، تحمل، نرمی اور بردباری کو دوسروں کو سمجھانے سے پہلے حکومت اور اس کے ذمہ داروں کو خود بھی سمجھنے کی ضرورت ہے۔

نئی افغان پالیسی جس پس منظر میں تیار کی گئی ہے اس میں ہندوستان کے وزیراعظم اور پاکستانی صدر زرداری کو بھی مشورہ میں شامل کیا گیا ہے جس کے بعد اوباما نے کہا ہے کہ پاکستان میں ڈرون

حملوں میں تیزی لائی جائے گی اور خفیہ کارروائیوں کے دائرہ کو بھی بڑھایا جائے گا۔

امریکی وزیر خارجہ ہیلری کہہ چکی ہیں کہ امریکی عوام ان سے پوچھتے ہیں کہ القاعدہ اور طالبان کے لیڈر پاکستان میں ہیں تو امریکی فوج افغانستان میں کیا کر رہی ہے؟ مطلوب مجرموں کی تلاش میں پاکستان کے علاقوں کو برباد کرنا چاہئے لہٰذا کہیں پر نگاہیں کہیں پر نشانہ کا منظر ہیلری کی دلفریب مسکراہٹ میں پوشیدہ ہے۔

یکم دسمبر ۲۰۰۹ء کی رات۔ آٹھ بجے امریکہ کے غلام زادہ صدر اوباما نے ویسٹ پوائنٹ کی فوجی اکاڈمی میں کیڈٹس سے خطاب کرتے ہوئے افغانستان اور پاکستان کے بارہ میں اپنی نئی جنگی حکمت عملی کا اعلان کیا اور جارج بش کی دم توڑتی جنگ کو آخری انجام تک پہنچانے کے لیے جھوٹ کا انبار لگا دیا۔

جب کہ ان کی ڈیموکریٹک پارٹی کے ارکان مزید جنگ کے بجائے افغانستان سے باعزت واپسی چاہتے تھے۔ اس کے لیے ضروری تھا کہ افغانستان کی آزادی کے لیے جنگ کرنے والوں سے بات چیت کے دروازے کھولے جاتے۔ لیکن آٹھ سال سے جنگ کرنے والوں کے سامنے یہ احمقانہ شرط رکھنا کہ طالبان ہتھیار ڈال کر کرزئی کی بدعنوان حکومت سے تعاون کریں، سعودی عرب کے ذریعہ وقفہ وقفہ سے جاری رہنے والے مذاکرات میں پیش رفت نہ ہو سکی۔

جب کہ نیا سال شروع ہوتے ہی ۲۰۱۰ء میں طالبان نے تحفہ کے طور پر آٹھ سی آئی اے کے ایجنٹ، ایک برطانوی سپاہی، چار امریکی اور چار کناڈائی سپاہیوں کو دو دن میں موت کی آغوش میں پہنچا دیا۔ ۲۰۰۹ء میں ہلاک ہونے والے غیر ملکی فوجیوں کی تعداد دو ہزار آٹھ تک پہنچ چکی ہے۔

ویت نام کی جنگ میں امریکہ نے پہلے پچاس ہزار سپاہی اتارے، پھر ستر ہزار۔ اس کے بعد یہ تعداد بڑھتے بڑھتے ڈیڑھ لاکھ سے پانچ لاکھ تک جا پہنچی۔

افغانستان میں امریکی فوجی کمان کا کمانڈر ڈیوڈ ڈی پیٹریلین اور ناٹو فوجوں کا کمانڈر جنرل اسٹینلے میک کرسٹل اور امریکی انتظامیہ کے نائب صدر جوزف بائیڈن اور امریکی دفتر خارجہ کی محترمہ ہیلری کلنٹن افغانستان میں جنگ جیتنے اور پاکستان تک مجاہدین کو رگیدنے کے لیے مزید فوجی کمک کے لیے اوباما پر دباؤ بنا رہے تھے۔ اس دباؤ کو پرستازادہ برداشت نہ کر سکا اور امریکی نمائندگان کی اسپیکر نینسی پلوسی اور امریکی سینیٹ کی خارجہ کمیٹی کے صدر جان کیری اور امریکی عوام کی اکثریت کا فوج نہ بھیجنے کا مشورہ نظر انداز کر کے تیس ہزار مزید فوج آنے والے چھ ماہ میں افغانستان بھیجے جانے کا اعلان کر دیا۔

وہی گیارہ ستمبر کا رٹا رٹایا جملہ تا کہ امریکہ کے جنگی جنون کو تازہ کیا جائے اور وہی اسامہ بن لادن کا

ہوا جو جوتے خور بش نے امریکی عوام کے سامنے کھڑا کیا تھا، دہرا دیا۔

لیکن اس اعلان کے ساتھ ہی طالبان نے امریکہ کے ایک فوجی اڈے پر حملہ کر کے سی آئی اے کے آٹھ ایجنٹ موت کے گھاٹ اتار کر نئے سال کا تحفہ پکڑا دیا اور اعلان کر دیا کہ مزید تیس ہزار فوجی بھی ہمارے عزم و یقین کو ست نہ کر سکیں گے۔

اسٹیٹ ڈپارٹمنٹ کے ترجمان ایان کیلی کے بیان کے مطابق یہ حملہ پاکستانی سرحد کے قریب امریکی فوجی اڈے پر ہوا۔ حملہ میں ہلاکتوں کے علاوہ آٹھ لوگ زخمی بھی ہیں۔

گذشتہ آٹھ سال سے یہ حملے جاری ہیں مگر طالبان کا یہ تازہ حملہ ان معنوں میں اہمیت کا حامل ہے کہ موسم کی شدت کی وجہ سے طالبان عام طور پر ان مہینوں میں حملوں سے بچنے کی کوشش کرتے ہیں مگر حیرت انگیز طور پر اس غیر متوقع حملہ نے امریکہ اور ناٹو یا یوں کہا جائے کہ صلیبی اتحادیوں کو بوکھلا کر رکھ دیا ہے۔ دوسری طرف قندھار میں طالبان نے حملہ کر کے کینیڈیائی شہری ہلاک کر دیئے۔

امریکہ نے طالبان کے خلاف شمالی اتحاد کا سہارا لے کر تخت کابل پر قبضہ کر کے ظلم و ستم اور تشدد کی ہولناک داستانیں رقم کیں تو دنیا نے جانا کہ طالبان کا قصہ تمام ہو گیا۔ لیکن ایسا ہو نہ سکا۔

افغانوں نے اپنی صدیوں پرانی اور آزمودہ حکمت عملی کے تحت حملہ آوروں کے خلاف گوریلا جنگ جاری رکھی۔ اکبر اعظم کی آٹھ ہزار فوج کا صفایا کر دیا۔ جس میں ان کا دل بہلانے والا بیربل بھی مارا گیا۔

دشمن کو اپنی مرضی کے میدان تک لانا اور مار کر بھاگ جانا دشمن کو تھکا کر لاتعداد چھوٹے زخم لگا کر نڈھال کر دینا، ان کا من پسند طرز جنگ رہا ہے۔ اسی طریقہ پر چل کر انہوں نے برطانیہ کو کئی بار شکست دی، سکندر کو ہلکان کیا اور آخر میں سوویت یونین کو شکست سے دوچار کر کے اس کے وجود کو مٹا دیا اور امریکی اور صلیبی کفر کا اتحاد بھی اسی طرح جنگ کا شکار ہے۔

اوباما نے اپنے بزرگوں کے ذریعہ لڑی گئی جنگ میں غلاموں کے حوصلہ سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا جب کہ افغان قوم تو صدیوں سے اپنی آزادی کے لیے خون بہاتی رہی ہے اور اپنے عوام کی اکثریت اپنی پارٹی کی مخالفت اور امریکی کانگریس کی شدت سے مخالفت کے باوجود ہٹ دھرمی اور بے شرمی کے سارے ریکارڈ توڑتے ہوئے مزید افواج بھیجنے کا اعلان کر دیا۔

انہوں نے اپنے فوجی رنگروٹوں کو دلیل دی کہ ویت نام میں امریکہ تنہا لڑائی لڑ رہا تھا جب کہ افغانستان میں تینتالیس صلیبی اتحاد کی فوجیں موجود ہیں۔

جب کہ ترکی کی سابق سیکولر حکومت نے امریکی سامراج کو خوش کرنے کے لیے ایک ایشیائی ریاست کے خلاف ویت نام میں ۴۵۰۰ا اپنے سپاہی بھیجے تھے جن کی بڑی تعداد گاجر اور مولی کی طرح کاٹ کر رکھ دی گئی۔

اوباما نے دوسرا جھوٹ یہ بولا کہ سلامتی کونسل نے امریکہ کو ۱۱ ر ستمبر کے جواب میں افغانستان کے خلاف ہر طرح کی کارروائی کی اجازت دی ہے۔

اگر سلامتی کونسل نے اجازت دی تھی تو یہ جنگ اقوام متحدہ کے پرچم تلے پانچوں مستقل ارکان کی کمان میں لڑی جانا تھی۔ افغانستان پر جس فوج نے حملہ کیا وہ فوج اقوام متحدہ کی نہیں ہے۔

اوباما نے تیس ہزار امریکی فوج اور دس ہزار کی درخواست صلیبی کفر کے اتحاد یعنی ناٹو سے کی ہے۔

فرانس کے صدر نکولس نے مزید فوج بھیجنے سے انکار کر دیا ہے۔ جرمنی بھی آگے پیچھے ہو رہا ہے۔ دوسرے یورپی ممالک مزید دس ہزار سپاہی شاید اس لیے جٹا نہ پائیں گے کہ ان کے یہاں بھی افغانستان میں مزید فوجیں بھیجنے کے خلاف عوامی مخالفت بڑھ رہی ہے۔

اپنے اس خطاب میں اوباما نے تین نکاتی ایجنڈے کا ذکر کیا۔

(۱) کرزئی کی بدعنوان اور عوامی حمایت سے محروم حکومت کو مضبوط کرنا۔

(۲) بدعنوانی کا خاتمہ کر کے بدعنوان حکومت کے ذریعہ افغان عوام کی فلاح کی ترغیب دلانا۔

(۳) پاکستان کی حکومت اور فوج کو اس قابل بنانا کہ وہ القاعدہ اور طالبان کے ٹھکانوں کو تہس نہس کر سکے۔

اوباما سیاسی مسئلہ کا حل فوجی چاہتا ہے۔ جب کسی احساس کمتری کے شکار فرد کو اقتدار ملتا ہے تو وہ اصل حاکموں کے مقابلہ میں کچھ بڑھ چڑھ کر دکھانا چاہتا ہے۔ اوباما کا بھی ماضی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ اسی لیے وہ بش سے آگے ظلم و تشدد کر کے عیسائی دنیا کو بتانا چاہتا ہے کہ میرا نطفہ بھلے ہی ایک مسلمان باپ کا ہو مگر میں امریکی قوم کا اصل غلام ہوں اور عالم اسلام کا خون میری نگاہ میں پانی سے بھی زیادہ بے قیمت ہے۔

پاکستان کی سیاسی اور فوجی قیادت نے افغانستان میں مزید امریکی فوجوں کی آمد کی مخالفت کی ہے کیوں کہ اسے اندیشہ ہے کہ حملہ آور امریکی فوج پاکستان سے متصل ہلمند پکتیکا اور قندھار جو طالبان کے غلبہ کے علاقے ہیں کارروائی کرے گی تو وہاں کی آبادی اپنی جان بچانے کے لیے سرحد پار کر کے چمن کوئٹہ، ژوب اور پشین میں پناہ لے گی۔ اور یہ عین ممکن ہے کہ امریکی فوج اس کا پیچھا کرتی ہوئی پاکستان

میں داخل ہو کر ان شہروں پر زمینی اور ہوائی حملے کرے۔ اس طرح افغانستان کی جنگ صوبہ سرحد اور بلوچستان، یہاں تک کہ کراچی تک کو اپنی لپیٹ میں لے لے گی کیونکہ پاکستان میں مقیم امریکی سفیر نے الزام لگایا ہے کہ ملا عمر کھلے عام کوئٹہ میں گھوم رہے ہیں۔ اسی طرح کسی نے ملا عمر کی موجودگی کراچی میں بھی دکھائی ہے۔ گویا وہ ایک عام آدمی کی طرح سیر سپاٹے میں لگے ہوئے ہیں۔

امریکی حکمراں شک میں مبتلا ہیں اور ہوا کھڑا کرنے کے ماہر ہیں۔ ویت نام کی جنگ میں انہیں لاؤس اور کمبوڈیا میں آزاد پسندوں یعنی ویت کانگ کی پناہ گاہیں دکھائی دیتی تھیں، لہٰذا اس علاقہ پر بمباری کر کے دس لاکھ آبادی کو موت کے گھاٹ اتار دیا کہ اگر دس ویت کانگ ہیں تو دس ہزار گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس جائیں۔

اس کے لیے امریکہ نے Collateral Damage کی اصطلاح وضع کی۔ یعنی جس کے تحت عراق میں پچیس لاکھ اور افغانستان میں چھ لاکھ شہری ہلاک کر دیے گئے جب کہ ایشیا، افریقہ اور لاطینی امریکہ کے لوگ Collateral Damage کو نسل کشی سے تعبیر کرتے ہیں۔

غرض یہ کہ اوباما کی سرکار کا بنیادی مقصد ہے افغانستان کی بدعنوان کرزئی حکومت کو ہر قیمت پر بچانا اور امریکی فوجی طاقت کے زور پر افغانوں کی جدوجہد آزادی کو کچلنے کی کوشش کے سوا کچھ نہیں۔

افغانستان صدیوں سے ہوش ربا واقعات کی آماجگاہ رہا ہے۔ سکندر اعظم کا حملہ ہو یا برطانیہ سامراج ہو یا اشترا کی حکومت کا زوال، ہندوکش کے پہاڑوں سے ٹکرانے والا وہاں سے کبھی صحیح سلامت واپس نہیں ہوا ہے۔

افغانستان کے موجودہ حالات بہتر نہیں ہیں۔ کرزئی حکومت بدعنوانی میں لاجواب ہے۔ اس کا دائرہ کار صرف کابل میں ان کے صدارتی محل تک محدود ہے۔ بڑے پیمانہ پر منشیات کی اسمگلنگ کا سہرا ان کے بھائی ولی کرزئی کے سر ہے جن کا سی آئی اے کا ایجنٹ ہونا بھی ثابت ہو چکا ہے۔

افغانستان میں اتحادی افواج تھکن کا شکار ہیں اور باہمی پھوٹ کے آثار بھی ان میں نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔ پھر بھی دور تک کامیابی کے امکانات نظر نہ آنے کے باوجود اوباما نے آٹھ ماہ بعد اپنی افواج کے تخلیہ کی بات کیسے کہہ دی۔ یہ بھی دنیا کو دھوکہ دینے اور اپنے عوام اور فوجیوں کو فریب میں مبتلا رکھنے کی ایک چال ہے...

یا

ہر حملہ آور کے خلاف جہاد حکم ربّی ہے

طالبان کا کھلا اعلان ''دور ہٹو دنیا والو افغانستان ہمارا ہے۔اس پر جو بھی قابض ہے وہ غاصب ہے اور غاصب کیخلاف جہاد ہمارا ایمان ہے''۔

امریکہ اور اس کے صلیبی اتحادی جدید ترین اسلحہ اور قتل و غارت گری کی موجودہ ٹکنالوجی سے لیس ہونے کے باوجود افغانستان میں طالبان مجاہدین کے سامنے بے بس ہو چکے ہیں۔امریکہ کی قیادت میں چالیس سے زیادہ یورپی ملکوں کی فوجیں اکتوبر ۲۰۰۱ء سے افغانستان کی زمین پر آگ برسا رہی ہیں اور افغانستان کے عوام کو قتل کیا جاتا رہا ہے۔لیکن نتیجہ صفر۔افغان مجاہدوں کو اور ان کے حوصلہ کو دبایا نہیں جاسکا ہے۔

امریکہ اور یورپی فوجیں تھکن کا شکار ہیں۔وہ لوگ جن کا خیال تھا کہ روس کے خلاف ہونے والا جہاد امریکی اسلحہ کے بل بوتے پر تھا۔۱۹۷۹ء میں سوویت یونین کے افغانستان پر حملہ کے بعد یہ جنگ امریکہ کی تھی۔انہیں اپنی فکر و نظر کی اصلاح کر لینا چاہئے کہ اب تو افغانیوں کو امریکی امداد اور اسلحہ نہیں مل رہے ہیں مگر اس کے بعد بھی امریکہ اور اس کے صلیبی اتحادی سوویت یونین ہی کی طرح ناکامی سے دو چار ہیں۔

امریکہ کے افغانستان پر حملہ کے بعد جہاد کی بے شمار توجیہات کی گئیں۔اصلی جہاد اسلامی جہاد وسائل کے ساتھ جہاد وغیرہ خودکش حملوں کے خلاف فتوے ایک انسان کا قتل پوری انسانیت کا قتل رسولؐ خدا نے منافقوں کو بھی معاف کر دیا۔مکہ میں سب کے لیے امان کا اعلان کر دیا وغیرہ وغیرہ۔مگر یہ کب؟ کیا؟ فتح مکہ کے بعد کسی کی مجال تھی کہ رسولؐ کی آنکھ میں آنکھ ڈال کے بات کرتا۔ہر نگاہ جھکی ہوئی تھی۔کیا کوئی بڑھیا سر مبارک پر کوڑا ڈالنے کے لیے موجود تھی؟ کیا کوئی سجدہ کی حالت میں گلے میں اوجھڑی ڈالنے والا تھا...؟ جب ہر گردن جھکی ہوئی تھی اور ہر آواز میں سیں کرتی ہوئی نکل رہی تھی کہ آپ شریف بھائی ہیں اور ہم گناہگار...تو رحمت عالم کا اعلان تھا— آج سب کے لیے معافی ہے۔افغانستان میں بھی جب کفر کی طاقت پسپا ہو جائے گی، ظلم و جور کا دور دورہ ختم ہو جائے گا، طاقت و توانائی کا گھمنڈ توڑ دیا جائے گا اور ظالم و سفاک امان طلب کریں گے تو سنت نبوی کے تحت سب کو معاف کر دیا جائے گا۔مگر ظلم و جبر کے خلاف جہاد کیسے روک دیا جائے گا۔دہشت گردی کا مقابلہ کیسے نہ کیا جائے گا، دہشت گرد وہ طاقتیں ہیں جو ہمارے ملک پر چڑھ آئی ہیں۔افغان کسی پر حملہ آور نہیں ہیں۔وہ تو دفاعی جنگ لڑ رہے ہیں۔

پاکستان کے حکمرانوں کو کیا کہا جائے۔ بانی پاکستان کی روح شرمسار ہو کر دیکھ رہی ہے کہ ایک تانگے والے نے جب ان سے سوال کیا تھا کہ قائداعظم آپ کے بعد کیا ہوگا؟ وہ کتنا دوراندیش تھا جو شاید ان مناظر کو دیکھ رہا تھا۔

پاکستان کے حکمراں شروع سے ہندوستان دشمنی میں اندھے ہوکر امریکی غلامی کا جوا اپنی گردن میں ڈالے ہوئے ہیں اور مشرقی پاکستان کی شرمناک شکست کے بعد امریکہ کی جھوٹی دوستی اور وعدہ خلافیوں سے اپنا دامن نہ بچا سکے۔ وہ امریکی دولت کے سرور میں اپنے ہی عوام پر حملہ آور ہیں جو ہمیشہ پاکستان کے لیے سر کٹاتے رہے ہیں۔ پاکستان نے قبائلی علاقہ والوں کو آگ کا بستر دیا ہے۔ جب وہ جواب میں اس جلتے ہوئے بستر کی چنگاریاں راولپنڈی، لاہور، پشاور اور کراچی پر پھینکتے ہیں تو یہ اسلامی اخوت کی دہائی دینے لگتے ہیں اور اس شعر کے مصداق ؎

ظلم بھولے راگنی انصاف کی گانے لگے
لگ گئی ہے آگ کیا گھر میں کہ چلانے لگے

امریکہ اور برطانیہ اپنی ناکامیوں کی ذمہ داری پاکستان پر ڈال کر شاید افغانستان کے بعد اب پاکستان کو نشانہ بنانا چاہتا ہے اس لیے کہ پاکستان کے ایٹمی اثاثوں کی امریکہ اور برطانیہ سے زیادہ فکر پنجہ یہود کو ہے جس کی گرفت میں امریکہ و برطانیہ کی گردن پوری طرح آ چکی ہے۔

دل کی آنکھ کھلی ہو تو امریکی صحافی کی اس حقیقت بیانی کو دیکھو اور غور کرو۔ وہ کہتا ہے کہ طالبان کو شکست دینا ناممکن ہے اس لیے کہ طالبان کی حکومت عملی طور پر قائم ہے۔

طالبان کی قید سے رہائی پانے والے صحافی نے نیویارک ٹائمز میں ''ہیلڈ بائی طالبان'' کے عنوان سے لکھا اور بہت سے نئے انکشافات بھی کیے۔ ڈیوڈ ہوڈ ۱۰ ر نومبر ۲۰۰۸ء کو افغانستان کے شہر کابل سے گرفتار کر لیے گئے اور ۱۹ ر جون ۲۰۰۹ء کو انہیں رہا کر دیا گیا۔ اس طرح وہ سات ماہ دس دن طالبان کی قید میں رہے۔ اس حوالہ سے انہوں نے کہا کہ ۱۰ ر نومبر ۲۰۰۸ء کو وہ افغان صحافی طاہر نورین کا انٹرویو لینے جا رہے تھے کہ راستہ میں دو مسلح افراد نے گاڑی کو رکوایا۔ پھر ڈرائیور کو نیچے اتار دیا۔ ایک شخص نے میری طرف کلاشنکوف کرتے ہوئے مجھ سے قلم، نوٹ بک، کیمرہ اور چشمہ لے کر میرے ہاتھوں کو باندھ کر میری آنکھوں پر پٹی باندھ دی۔ میں نے خوف بھری آواز میں ان سے کہا ''میں صحافی ہوں'' اور عربی میں سلام کہہ کر ان کی جانب سے فائر کا انتظار کرتا رہا۔

مگر انہوں نے مجھے مارنے کے بجائے گاڑی میں سوار ہونے کو کہا۔ لگ بھگ دو گھنٹے کے سفر کے بعد میری آنکھوں سے پٹی ہٹا کر ایک کچے مکان میں لے گئے۔ پھر مجھے ایک کمرہ میں لے جایا گیا۔ یہاں قالین اور تکیے پڑے ہوئے تھے۔ دیواروں پر بہت سی کلاشنکوف لٹک رہی تھیں۔ ایک کمرہ میں چھ افراد بیٹھے ہوئے تھے جس میں ایک شخص نے چادر سے اپنا منہ ڈھانپ رکھا تھا۔ اس نے اپنا نام عتیق اللہ بتایا اور خود کو طالبان کمانڈر قرار دیا۔ پھر مجھے میرا قلم اور نوٹ بک دیتے ہوئے لکھنے کا حکم دیا۔

عتیق اللہ نے کہا — امریکی اتحادی اور افواج کے اہلکار افغان مردوں اور عورتوں کو بے عزت کرتے ہیں اور عورتوں کا برقع زبردستی اترواتے ہیں جس سے افغان عوام میں شدید اشتعال پایا جاتا ہے۔ امریکی فوجی بے سبب کچھ بتائے بغیر بلا اجازت ان کے گھروں میں گھس جاتے ہیں اور ان پر تشدد کرتے ہیں۔

ڈیوڈ نے لکھا — میں طالبان سے بہت متاثر ہوا اور میں نے سات ماہ میں طالبان کی قید میں بہت کچھ سیکھا۔ طالبان پر ماضی میں لگائے جانے والے اندازوں سے کئی گنا زیادہ طاقت وقوت اور عوامی حمایت حاصل ہے۔ ۲۰۰۱ء میں طالبان کی ختم کی جانے والی حکومت عملی طور پر قائم ہے اور ان کو شکست دینا دنیا کے لیے ممکن نہیں۔ اغوا ہونے سے پہلے میں سمجھتا تھا کہ طالبان القاعدہ کی شاخ ہے جس میں موجود عناصر صرف افغانستان کا کنٹرول چاہتے ہیں۔ مگر طالبان کی قید میں رہنے کے دوران میں نے محسوس کیا کہ ان کے مقاصد کچھ اور ہیں۔

ڈیوڈ نے اعتراف کیا کہ نگرانی پر مامور طالبان کی بہت سی باتوں نے مجھے متاثر کیا۔ مثال کے طور پر وہ قیدیوں کا خیال رکھتے ہیں۔ انہوں نے سات ماہ کے دوران مجھے کبھی نہیں مارا اور باقاعدگی سے چہل قدمی کی اجازت دیتے۔ پانی کی بوتلوں اور خوراک کا بہتر اہتمام کرتے رہے۔ ان سے بات چیت کے دوران مغرب کے لوگوں کے بارے میں ان کی رائے سے آگاہی ہوئی۔

اصل یہی ہے کہ امریکی دہشت گردی کے نتیجہ میں طالبان تحریک وجود میں آئی ہے۔ امریکی حملوں کے سبب بے گناہ افغانیوں اور عراقیوں کی ہلاکت اور امریکی جیلوں میں کسی جرم کئے بغیر مسلمانوں کو برسوں قید میں رکھنے کے نتیجہ میں ہی طالبان تحریک نے زور پکڑا ہے۔

ڈیوڈ نے امریکہ، اسرائیل اور یورپ پر تنقید کرتے ہوئے لکھا کہ یہ ممالک مسلم دنیا کو جمہوریت، انسانی حقوق اور انصاف کا سبق پڑھاتے ہیں مگر خود ان اصول پر عمل نہیں کرتے۔ اس نے زور دے کر کہا کہ طالبان کو شکست دینا امریکہ کے لیے ممکن نہیں۔

کیا اس امریکی صحافی کا بیان پاکستانی حکمرانوں کی نظر سے نہیں گزرا؟ کیا انہیں یہ راز معلوم نہیں کہ جنگ میں صرف اسلحہ اور تباہ کن ٹکنالوجی ہی سب کچھ نہیں ہوتی؟ جنگ آج بھی جذبہ ایمانی یا سرفروشی کے سہارے لڑی جاتی ہے۔ حق کی راہ پر چلنے والے باطل کے سامنے سر نہیں جھکاتے۔ امریکہ اور اس کے صلیبی اتحادیوں کے سامنے کوئی واضح مقصد نہیں ہے سوائے افغانستان کے پڑوس کی مسلم ریاستوں کے تیل و گیس پر قبضے کے جو سوویت یونین سے آزاد ہوئی ہیں افغان عوام نے اپنی ملی غیرت کے تحت اپنی قربانی دے کر مشرق وسطیٰ کی مسلم ریاستوں کو امریکی لوٹ سے بچانے کا عظیم الشان کارنامہ انجام دیا ہے۔ ہم ان کی اس ایمانی غیرت کو سلام کرتے ہوئے ان کی فتح ونصرت کے لیے دعا گو ہیں۔

خود یورپ و امریکہ کے عوام اپنی حکومتوں سے سوال کر رہے ہیں کہ آخر ان کے بیٹے ہزاروں میل دور جا کر کیوں صدقہ کا بکرا بنائے جا رہے ہیں۔ وہ اپنے عوام کو جھوٹ بول کر ان کے سامنے اسامہ اور طالبان کا ہوا کھڑا کرتے رہتے ہیں جن کے پاس سوئی تک بنانے کی صلاحیت نہیں ہے۔ وہ اپنے عوام سے کہتے ہیں ان کا قتل لازمی ہے ورنہ وہ ہم پر چڑھ دوڑیں گے۔ صلیبی ممالک پچھلے بارہ سو سال سے مسلم ملکوں کے خلاف جنگ کرتے رہے ہیں مگر ان مسلم ملکوں کی غیرت کو کیا ہوا جو امریکہ و برطانیہ کے غیر منصفانہ اور غیر مساویانہ طرز عمل کے باوجود انہیں کے طرفدار بنے ہوئے ہیں۔ ان میں ترکی و پاکستان اپنی عسکری طاقت وقوت کے ساتھ صلیبی اور اسرائیلی اتحاد کے معاون ومددگار ہیں۔

اب ایک بار پھر بات چیت کی پیشکش کی گئی ہے۔ ۲۸ رجنوری ۲۰۱۰ء کی لندن کانفرنس سے پہلے استنبول (ترکی) میں افغان، ترک، پاکستان سربراہ کانفرنس کا ڈھونگ رچا گیا ہے۔ جہاں حامد کرزئی نے اعلان کیا ہے کہ ہتھیار ڈالنے والے اور القاعدہ سے لاتعلقی رکھنے والے طالبان کو خوش آمدید کہیں گے۔ حامد کرزئی کی حیثیت اس بوے جیسی ہے جس کے سینہ میں لگی ہوئی کل کو جب امریکہ و برطانیہ دباتے ہیں تو وہ ان کی بولی بولنے لگتا ہے۔ افغانستان میں موجود امریکی جنرل کرسٹل جس نے مزید امریکی فوجوں کے اضافہ کا پہلے مطالبہ کیا تھا، اب کہہ رہا ہے جنگ بہت ہو چکی، اب طالبان سے مذاکرات کئے جائیں اور جنگ کے بجائے سیاسی حل نکالنے کی بات کر رہا ہے۔

دوسری طرف وہ یہ بھی کہہ رہا ہے کہ تیس ہزار امریکی فوج اور ناٹو ممالک کے سات ہزار فوجی آنے سے طالبان اتنے کمزور ہو جائیں گے کہ انہیں معاہدہ کے لیے مجبور کر دیا جائے گا۔ ایک طرف صلح وامن کا پیغام، دوسری طرف جبر کا خناس اور طاقت کا نشہ۔ فوجی طاقت سے اگر افغانوں کو جھکانا ممکن ہوتا تو افغانستان میں امریکہ اور صلیبی اتحاد کی فوجوں کے آنے کی نوبت کہاں آتی۔ سوویت یونین ہی کا

افغانستان پر حکم چل رہا ہوتا۔

دیکھتے ہیں امریکہ، برطانیہ اور ناٹو کے مداری جن میں جرمنی اور جاپان سمیت بہت سے یورپی ممالک شامل ہیں، لندن کے ڈرامہ میں کیا کرتے ہیں اور کون سا جن برآمد ہوتا ہے۔

ایک طرف امریکہ و برطانیہ افغان طالبان سے بات چیت کی پیشکش کر رہے ہیں، دوسری طرف پاکستانی حکومت کو پاکستانی طالبان سے بات چیت کرنے کو منع کرتے رہے ہیں اور کہتے ہیں اگر حکومت پاکستان ان سے امن کے مذاکرات کرے گی تو وہ مزید طاقت وقوت کے مالک بن جائیں گے۔

رچرڈ ہالبروک کا بیان ریکارڈ میں ہے جو انہوں نے امریکی سینیٹ میں دیا کہ صدر زرداری نے ان سے کہا کہ صوفی محمد سے معاہدہ سے گھبرائیں نہیں، وہ دباؤ میں ہوا ہے جسے جلد ہی ختم کر دیا جائے گا۔ جس دن ہالبروک یہ بیان دے رہے تھے اسی دن سوات پر پاکستانی حکومت نے فوج کشی کا عمل شروع کر دیا اور معاہدہ کے باوجود نیک محمد کو ہلاک کر دیا گیا۔

امریکہ اور صلیبی اتحادیوں کی پوری کوشش ہے کہ حکومت پاکستان پاکستانی طالبان سے کوئی بات نہ کرے بلکہ فوجی طاقت کے بل پر انہیں کچل دے چاہے اس کے ردعمل میں پاکستان میں کتنے ہی خودکش حملے ہوتے رہیں۔ اس لیے کہ افغانستان میں صلیبی اتحادیوں کے سپاہیوں کی ہلاکت بڑھ رہی ہے اور پاکستان میں چھری خربوزہ پر گرے یا خربوزہ چھری پر ہر حال میں مرنا تو مسلمانوں کو ہی ہے اس لیے کہ ایک غیر مستحکم پاکستان پر امریکہ اور برطانیہ کا حکم چل سکتا ہے مضبوط پاکستان پر نہیں۔

جو بات نو برس کے بعد جنرل کرسٹل کی سمجھ میں آئی کہ آخری حل بات چیت ہے۔

مگر کیا پاکستانی حکمرانوں کی سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی ہے کہ فوج دشمن سے مقابلہ کے لیے ہوتی ہے اپنے شہریوں کی آبادیوں کو اجاڑنے کے لیے نہیں ہوتی۔

امریکہ اور ناٹو ممالک کی فوجیں مسلمانوں کو مار کر اپنی انتقامی پیاس بجھا رہے ہیں تو دوسری طرف اپنے مذہبی جذبہ کی تسکین کے سامان بھی فراہم کر رہے ہیں مگر پاکستان فوج اور حکومت اپنے کس جذبہ کی تسکین کے لیے اپنے ہم وطنوں کا خون بہا رہی ہے۔

افغان مجاہدین کا ایک ہی نعرہ ہے کہ افغانستان ان کا ہے اور اس پر قبضہ کرنے والے غاصب اور حملہ آور ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں:

اک کہانی وقت لکھے گا نئے مضمون کی
جس کی سرخی کو ضرورت ہے تمہارے خون کی

وقت کا فرمان اپنا رخ بدل سکتا نہیں
موت ٹل سکتی ہے یہ فرمان ٹل سکتا نہیں

چونکئے جلدی ہوائے تند و گرم آنے کو ہے
ذرہ ذرہ آگ میں تبدیل ہو جانے کو ہے

اس لیے کہ دنیا کی سیاست پر پانچ ویٹو کا کینسر اسے تباہ کر رہا ہے۔ ہندوستان جسے اپنے پہلے وزیر اعظم کی خواہش کے مطابق ایک عالمی حکومت اور عالمی امن وقانون کی بالادستی کے لیے کام کرنا تھا وہ خود امریکی بالادستی کو قبول کر کے افغانستان میں قتل و غارت گری کا عملاً معاون و مددگار بنا ہوا ہے اور ہندوستان ہی کے ایک شاعر میر تقی میر کے اس پیغام کو بھی بھلا بیٹھا ہے:

وہ لوگ تم نے ایک ہی شوخی میں کھو دیئے
ڈھونڈھا تھا آسماں نے جنہیں خاک چھان کے

نو سال سے جاری اس جنگ میں پاکستان کے وزیر اعظم یوسف رضا گیلانی کے بیان کے مطابق پینتیس ارب ڈالر سے زیادہ پاکستان کا نقصان ہو چکا ہے۔

پاکستان کے اخبار "جسارت" کے بیان کے مطابق پاکستان کے حکمرانوں نے امریکی غلامی میں پاکستان کو تباہی، بربادی، عدم استحکام، انسانی خون بکھرتے ہوئے انسانی اعضاء اور پتھروں کی بارش کے علاوہ کچھ بھی نہیں دیا ہے۔

وہ کہتا ہے کہ پاکستان کی بری فوج کے سابق سربراہ جنرل اسلم بیگ نے بھی (مارچ ۲۰۱۰ء کے تیسرے ہفتہ میں) واشنگٹن میں ہونے والے مذاکرات میں امریکی مقاصد پر شک وشبہ کا اظہار کیا ہے۔

اس نے بتایا (جسارت) کہ انہوں نے ایک اخبار کو انٹرویو دیتے ہوئے کہا ہے کہ یہ مذاکرات امریکہ کی افغان پالیسی کی تیسرے مرحلہ پر عمل درآمد کے لیے ہیں کیونکہ پہلے دو مرحلوں میں امریکہ کو ناکامی ہو چکی ہے۔ اب تیسرے مرحلہ میں افغان طالبان کے خلاف پاکستانی فوج کو اقتدار سونپا جارہا ہے۔ ایک بار پھر پاکستان کی سیاسی اور فوجی قیادت کا امتحان ہے کہ وہ خوف ولالچ میں آکر پاکستان اور امت مسلمہ کے حقیقی مفادات اور آرزوؤں کے ترجمان بنتے ہیں یا پھر امریکی منصوبہ کا حصہ بن کر پاکستان کی تباہی کا سبب بنتے ہیں۔

یہ بات طے ہے کہ نو برسوں میں امریکہ اور چالیس صلیبی ملکوں کے اس کے اتحادیوں کی ایک لاکھ

بیس ہزار فوجوں اور کھربوں ڈالر جھونک کر نہتے افغانوں کی مقابلہ آرائی کو ختم نہ کرسکی۔

اگر امریکہ کو اس خطہ میں عالمی امن مقصود ہے تو سب سے پہلے امریکہ اور ناٹو کی فوجیں افغانستان سے فوری طور پر نکل جائیں امریکی سی آئی اے اور اس کی ذیلی تنظیموں کے انسان دشمن کردار کے خاتمہ کے بغیر پاکستان سمیت دنیا سے دہشت گردی ختم نہیں ہوسکتی۔

امریکہ اور صلیبی اتحاد کا احساس شکست
مگر مسلم ممالک برادر کشی میں چست

افغانستان میں سی آئی اے کے اڈہ پر حملہ کرنے والا نہ تو افغانی تھا نہ پاکستانی بلکہ اردن کا باشندہ تھا جو سی آئی اے کے لیے کام کرتا رہا تھا۔ وہ اردن کا شہری تھا جو سی آئی اے کو القاعدہ کے بارہ میں معلومات فراہم کرتا تھا۔ اس کے بعد امریکہ نے اپنے بے پائلٹ کے طیارے کے ذریعہ وزیرستان کے دتہ خیل پر تین بار حملہ کیا اور چھ میزائل چھوڑے جس سے گھر میں آگ لگ گئی۔ لوگ دوڑے تو پھر حملہ کیا۔ امدادی کارروائی کرنے والوں پر بھی حملہ کیا۔ اس طرح سترہ لوگ شہید ہو گئے۔ زخمیوں میں بچے اور عورتیں شامل ہیں۔ پاکستانی فوج کے کمانڈر اعلیٰ اشفاق کیانی ان حملوں کو اپنی زمین پر دیکھ رہے ہیں مگر اردن کے اس شہر میں جو سی آئی اے کے لیے کام کر رہا تھا، غیرت جاگ گئی اور اپنی جاں نثار کرکے ان کے کئی اہم لوگوں کو موت کی آغوش میں پہنچا دیا اور پاکستان خالی دھیمے سر میں احتجاج کر کے رہ گیا۔

مغربی میڈیا نے اس پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ یہ حملے افغانستان میں سی آئی اے کے اڈے پر ہونے والے حملہ کا بدلہ لینے کے لیے کئے گئے تھے۔ ایک اردنی خودکش حملہ کا بدلا پاکستان کے نہتے عوام سے لینے کا کون سا جواز ہے سوائے طاقت کے بیجا استعمال کے۔ اور کیا یہ دہشت گردی نہیں ہے۔ اس کی نہ کسی نے مذمت کی نہ پاکستانی حکومت نے اپنی ذمہ داریوں کو پورا کیا نہ اپوزیشن میں بیٹھنے والے گویا ہوئے، نہ مسلم دہشت گردی کا راگ الاپنے والے امریکی دہشت گردی کے خلاف زبان ہلا سکے، نہ اسلامی ضابطوں کا پرچار کرنے والوں کی زبان حق پسند ہلی، ہر طرف خاموشی۔ نتیجتاً:

اب بوئے گل نہ بادِ صبا مانگتے ہیں لوگ
وہ حبس ہے کہ لو کی دعا مانگتے ہیں لوگ

کبڈی کبڈی کہہ کر اپنے ہی پالہ میں دوڑتے رہنے سے قومی زندگی سرفراز نہیں ہو سکتی، نہ قومی وقار بلند ہو سکتا ہے۔ کراچی، پشاور، راولپنڈی کے حملوں میں بہنے والا خون تو مسلمانوں کا خون تھا مگر وزیرستان میں بہنے والا خون جو امریکی ڈراوَن حملوں اور پاکستانی فوج کے ہاتھوں بہایا جا رہا ہے اس پر سب گونگے کیوں ہیں؟ کیا وہ مسلمانوں کا خون نہیں ہے؟ کیا پختون مسلمان نہیں ہیں؟

۹/۱۱ کا حادثہ کوئی اتفاقی حادثہ نہ تھا۔ اس کا ذکر پچھلے صفحات میں تفصیل سے کیا جا چکا ہے۔ نہ ہی اس کا اسلامی دہشت گردی اور انسانیت سوز حرکت سے اسلام اور القاعدہ کا تعلق رہا ہے وہ ساری باتیں کھل کر سامنے آ چکی ہیں۔ یہ تو صلیبی، اسرائیلی اور سرمایہ دارانہ نظام کی متحدہ سازش کا مظاہرہ تھا جس پر بہت دنوں تک پردہ پڑا رہا مگر بکرے کی ماں کب تک خیر مناتی، اصلیت کھل کر سامنے آ چکی ہے۔ جو سوچے سمجھے منصوبہ کا حصہ تھا جسے صلیبی اسرائیلی اور سرمایہ داری کے تثلیث نے عالم اسلام کے ہلال پر جلال کے خلاف بھرپور وار کے لیے پیدا کیا تھا۔

یہ ایسی انہونی بات کا شور تھا کہ دنیا کو یقین دلا دیا جائے کہ جب امریکہ جیسی سپر پاور محفوظ نہیں ہے تو پوری عیسائی دنیا دہشت گردی سے کیسے محفوظ رہ سکتی ہے۔ اسی لیے بے موجود خطرہ کا وجود دکھا کر بش نے صلیبی جنگ کا بگل بجا دیا۔ اس کا بنیادی مقصد ایک ہی ہے کہ یورپ اور دوسرے ملکوں میں اسلام کی مقبولیت کو روک کر مسلمانوں کے خلاف وہاں کے عوام اور حکومتوں کی نظر میں اسلام اور مسلمانوں کی شبیہ کو بگاڑ کر پیش کیا جائے، مسلمانوں کے خلاف پوری دنیا مین نفرت کا ماحول پیدا کیا جائے اور صلیبی دہشت گردی کے خلاف اور اپنے ملک اور تہذیب کی بقا کے لیے ان کے حملوں کے مقابلہ کو دہشت گردی کا نام دیا جائے اور اپنی اصلی دہشت گردی کو پیغام امن اور جمہوریت کی بقا کی لڑائی کہا جائے۔ یہی نعرہ دوسری جنگ عظیم کے زمانہ میں صلیبی جنگجو باہمی قتل و غارت گری کے درمیان بلند کر چکے تھے۔

آج ہزاروں میل دور امریکی جمہوریت کو اگر کوئی خطرہ ہے تو افغان قوم سے جو سوئی تک بنانے کی صلاحیت نہیں رکھتی، مگر دس برس سے ان کا خون بہا کر بھی اپنے مقاصد پورے نہ کر سکا تو کیا آئندہ دس برسوں یا ایک برس میں حاصل کر لینے کی امید موہوم کے سہارے مزید تیس ہزار فوجیوں کی قسمت وہاں پہلے سے موجود فوج سے کچھ بہتر ہونے کی امید ہے، نئے آنے والوں مین سے بھی کچھ کا مقدر موت ہی ہو سکتی ہے:

باطل سے دبنے والے اے آسماں نہیں ہم
سو بار کر چکا ہے تو امتحاں ہمارا

مسلمانوں کے امتیازی نشان کو مٹا ڈالنا یورپ کے صلیبی، امریکی اور اسرائیلی اتحاد سے ممکن نہیں۔
ایک سپر پاور افغانستان کی پہاڑیوں سے ٹکرا کر پاش پاش ہونے کے باوجود لندن کانفرنس میں افغانستان میں اپنے مفادات کے تحفظ کی بھیک مانگتے ہوئے روس کی شکل میں موجود تھی۔
سوویت یونین کا اشتراکی جن اپنی موت آپ مر چکا ہے لیکن روس آج بھی فنی مہارت اور بے پناہ وسائل کا حامل ہے۔ اگر وہ اپنی کھوئی عظمت کی بحالی چاہتا ہے تو مسلم دنیا سے برابری کی بنیاد پر تعلقات قائم کر کے جیسے امریکہ نے مغربی یورپ سے بنائے ہیں عالم اسلام سے امریکہ اور مغربی دنیا کے جارح سرمایہ دارانہ نظام کو ختم کر کے اپنے منصفانہ عمل سے وہاں جگہ بنا سکتا ہے اور افغانستان میں اپنے جارحانہ عمل کے گناہ کو اپنے نئے طرز عمل سے دھو سکتا ہے۔ اس لیے کہ مسلمانوں کا دل بہت بڑا ہے۔ وہ ہر شرمندہ ہونے والے اور اپنے برے اعمال پر ندامت کا اظہار کرنے والوں کو معاف کر کے خوش دلی کے ساتھ سینے سے لگا لیتے ہیں۔
امریکہ اور یورپ کے پاس انسانی غیرت نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ وہ اپنے مفادات کے ساتھی ہیں اور جس ملک اور جگہ سے ان کو ایک قطرہ تیل ملنے کی امید ہو وہاں خون کے دریا بہانے سے دریغ نہیں کرتے۔ ظالم طاقتیں ہمیشہ اپنی طاقت وقوت، اسلحہ اور قہر مانی میں دیکھتی ہیں۔ وہ غیرت ایمانی کے جوہر کے ہتھیار کی کاٹ سے واقف نہیں ہوتیں جس کی کاٹ وہ دس برس سے افغانستان میں دیکھ تو رہی ہیں مگر طاقت کا زعم ونشہ اس کاٹ کے احساس سے عاری ہے۔
فلسطین میں ہولوکاسٹ کی پر فریب کہانی کا راگ الاپ کر عربوں کو ان کی نادانی کی سزا امریکہ نے ان کو سائنس و ٹکنالوجی سے دور رکھ کر عظیم الشان عمارتوں اور ہوٹلوں میں پھنسا کر عیاش و آرام پسند بنا دیا۔ تیز رفتار کاروں کے نئے نئے ماڈل، کثیر منزلہ عمارتیں، ائیر کنڈیشنڈ شاپنگ سنٹر دے کر ان کی تیل کی دولت پر قبضہ کر لیا۔
روس چاہتا تو ان ممالک سے مساویانہ بنیاد پر اپنے تعلقات استوار کر سکتا تھا۔ اس لیے کہ مارکسی نظریہ مذہبی نہیں معاشی مساوات کی بنیاد پر کھڑا کیا گیا تھا جہاں اسلام سے، اسلامی اقدار سے، اسلامی تشخص سے کوئی ٹکراؤ نہیں تھا۔ وہ تو امریکہ نے اشتراکیت کو اسلام دشمنی کا چولہ پہنا دیا اور سوویت یونین کے کارساز دماغ نے یعنی لینن کے اس اعلان کے ساتھ کہ اگر کبھی کوئی عالمی حکومت بنی، اور اس کی بنیاد اعتدال پر ہوئی تو وہ اسلام ہی کے طریقہ پر ممکن ہے۔ اس کا اظہار انہوں نے اپنے دوست مولانا عبید اللہ سندھی سے اپنی نجی گفتگو میں کیا تھا مگر پھر نہ جانے کیوں مذہب کو افیون کیسے قرار دے دیا اور اس کو امریکہ

نے عالم اسلام میں روس کے خلاف کھرے سونے کی طرح بھنانا شروع کر دیا۔

امریکی، یورپی اور اسرائیلی تہذیب نے جہاں باقاعدہ عورتوں کو فروخت کرنے کی منڈی لگتی ہے، جس کے نتیجہ میں بے حیائی اور عریاں تہذیب ہر جگہ غالب آتی چلی جا رہی ہے، اخلاقی قدریں میٹ کر انسان کو دولت اور جنسی و ہم جنسی عمل کا پرستار بنایا جا رہا ہے۔

مسلم ممالک جو صالح اور عادلانہ نظام کے داعی سمجھے جاتے تھے، جن کا کام عدل و انصاف، مساوات، جان و مال، عزت و آبرو اور عصمتوں کے محافظ اور علمبردار کے طور ایک امتیازی شان کے مالک تھے آج صلیبی اسرائیلی اور امریکی سرمایہ دارانہ نظام کے سایہ میں پڑے سسک رہے ہیں۔

سوویت یونین کے زوال کے بعد اہل اسلام اس خلاء کو پر کر سکتے تھے اور جارحانہ سرمایہ دارانہ نظام سے جو زوال پذیر ہے، اپنے ہی خنجر سے خودکشی کرتے امریکی معاشی نظام سے دنیا کو نجات دلا سکتے تھے مگر وہ خود ہی اپنے معاشی نظام کو پنجہ یہود میں برضا رغبت دیتے چلے جا رہے ہیں۔

مگر عالمی طاقتیں یاد رکھیں کہ مسلم عوام بیدار ہوتے دکھائی دے رہے ہیں۔ اگر وہ بیدار ہو گئے تو وہ یہ حوصلہ لے کر اٹھیں گے:

بہار میں تو زمیں سے بہار ابلتی ہے
جو مرد ہے تو خزاں میں بہار پیدا کر

اور جب امت کے عوام جاگ جائیں گے تو وہ اپنے حاکموں کی حیثیت کو اس طرح نمایاں کر دیں گے اور انہیں بتا دیں گے کہ غیروں کی دولت کے جھولوں میں جھولنے سے:

سخت ہو جاتی ہے اس سے ہر کڑی زنجیر کی
مار کر اپنوں کو مرنا موت ہے خنزیر کی
ان سے کہہ دے تا کجا بربادیاں آباد ہو
یا گلے خود کاٹ کر مر جاؤ یا آزاد ہو

افغانستان جہاں یہ کھیل پورے عالم اسلام کو اپنا باجگذار بنانے کے لیے کھیلا جا رہا ہے امریکی سرپرستی میں بری طرح رشوت، بدعنوانی اور ناانصافیوں کا شکار ہے۔

مگر اس کے کوہ و دمن سے دم بدم یہ آواز آ رہی ہے:

مرے دشت و جبل پر مہر آزادی کی تنویریں
پڑی ہیں دیر سے ٹوٹی ہوئی غفلت کی زنجیریں
مرے ساونت میدانوں میں نکلے ہیں علم کھولے
جبینوں پر ابھر آئی ہیں خودداری کی تحریریں
نگاہوں میں چمکتی بجلیاں ہاتھوں میں شمشیریں

کیا کسی کو امید تھی کہ ایران میں اسلامی انقلاب برپا ہو کر امریکی غلامی سے دامن جھاڑ کر اپنے پیروں پر کھڑا ہو کر یورپ، امریکی اور اسرائیل کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے گا۔

اور کیا کسی نے سوچا تھا کہ موجودہ تکنیکی دور اور جدید ترین اسلحہ کے باوجود افغان مجاہدین سوویت یونین کو شکست فاش دے کر افغانستان چھوڑنے پر مجبور کر دیں گے۔

افغانستان کے حکمراں ٹولے اور صلیبی اتحاد کی موجودگی میں جو حالات ہیں وہ پہلے سے بدتر ہیں۔ سڑک پر کھلے عام سپاہی سے لے کر وزارتی سطح پر رشوت کا بازار گرم ہے۔ امریکہ سے ملنے والی امداد میں خرد برد اور منشیات کی اسمگلنگ کا سلسلہ جاری وساری ہے۔ پولس اور عدالتی نظام بھی رشوت کی زد میں ہے۔

اقوام متحدہ کی تازہ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ گذشتہ ایک سال میں ۲.۵ بلین ڈالر کی رقم رشوت کے طور پر استعمال ہوئی ہے جو ملک کی مجموعی پیداوار کا ایک چوتھائی رقم بنتی ہے۔

سروے کی بنیاد پر بتایا گیا ہے کہ ساٹھ فیصد افغان عوام نے سلامتی کے مقابلہ میں بدعنوانی کو اہم مسئلہ بتایا ہے۔ اقوام متحدہ ہی کی رپورٹ میں بتایا گیا ہے کہ پچاس فیصد افغان عوام کو کسی بھی سرکاری ادارہ میں اپنے کام کے لیے رشوت ضرور دینا پڑتی ہے۔ ۷۲۰۰ عام افغان شہریوں سے ملک کے مختلف علاقوں سے ان کی رائے لی گئی تو ملک کی آدھی آبادی بدعنوانی کو سب سے بڑا مسئلہ قرار دیتی ہے۔ سچ یہ ہے کہ کرپشن میں استعمال ہونے والی رقم یہاں کے زرعی شعبہ سے ملنے والی رقم سے زائد بنتی ہے۔

اس سے پہلے والے سروے میں چودہ فیصد عوام نے بدعنوانی کو اہم مسئلہ قرار دیا تھا جب کہ ۳۴ فیصد کی رائے میں مالی اور ۳۳ فیصد کی رائے میں سلامتی بڑا مسئلہ تھا۔

اس تازہ سروے کی روشنی میں افغان عوام کی بالغ نظری پوری طرح نمایاں ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ رشوت کی رقم پولس، ججوں اور سیاست دانوں کو دی جاتی ہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ افغانستان میں کام کرنے والی غیر سرکاری تنظیمیں بھی رشوت کی ندی میں گلے گلے ڈوبی ہوئی ہیں۔

اقوام متحدہ کے دفتر برائے منشیات و جرائم کے سربراہ انتونیو ماریہ کوستا کے مطابق بدعنوانی افغانستان کی اسمگلنگ اور جنگجوئی میں معاون و مددگار بن رہی ہے۔اس رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ صدر حامد کرزئی اس صورت حال سے واقف ہیں۔

اقوام متحدہ نے یہ رپورٹ افغانستان کے بارہ صوبوں کے ۱۶۰۰ دیہاتوں کے ۷۶۰۰ لوگوں کے انٹرویو کی بنیاد پر تیار کی ہے۔اس رپورٹ میں ۵۹ فیصد لوگوں کا کہنا ہے کہ انہیں عوامی زندگی میں فراڈ، رشوت اور جھوٹ کا سامنا ہے۔۵۴ فیصد نے کہا کہ سلامتی کی صورت حال زندگی پر اثر انداز ہے جب کہ ۵۲ فیصد نے بے روزگاری کو سب سے اہم مسئلہ قرار دیا ہے۔ ۵۶ فیصد لوگوں کا کہنا ہے کہ کھلے عام رشوت کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔رشوت کی رقم نقد دینا پڑتی ہے۔

افغانستان میں وسط ایشیا کے معاملات کے ماہر نورالحق نسیمی نے الزام لگایا ہے کہ صدر حامد کرزئی رابطوں اور رعایتیں دینے کے اس نٹ ورک کا بنیادی مرکز ہیں۔یعنی ان کی حکومت صدر کرزئی کی حکومت جو صلیبی، اتحادی اور امریکی فوجی طاقت وقوت کے زور پر قائم ہے وہاں کی صورت حال یہ ہے کہ عوامی زندگی اس شعر میں دیکھی جاسکتی ہے:

محفل ان کی ساقی ان کا
آنکھیں میری باقی ان کا

امریکی فوجیوں کا نظریاتی وروحانی بحران

عالمی سودی نظام کو بچانے کے لئے کروڑوں انسانوں کو دہشت گردی کے نام پر جنگ میں جھونک دیا گیا ہے۔امریکہ اور اس کی اتحادی فوجیں نفسیاتی بحران میں گرفتار ہوکر بدحواسی کا شکار ہیں۔ اس بحرانی کیفیت کا علاج صنعتی اور مالی فوائد کی راہ پر دوڑنے والی دنیا کے پاس نہیں ہے۔یہی وجہ ہے کہ امریکہ اور اس کی اتحادی فوجیں نفسیاتی الجھنوں اور پاگل پن میں گرفتار ہوتی جارہی ہیں۔

اس دہشت گردی کے نام پر جنگ وسیلہ سے یورپ وامریکہ کے نفسیاتی ماہرین دواساز کمپنیوں اور منشیات بیچنے والوں کے ساتھ ہی اسلحہ ساز کارخانوں کے مالکوں کی چاندی ہوگئی ہے۔

''دہشت گردی کے خلاف جنگ'' کے عنوان کی سچائی یہ ہے کہ دہشت ناک اسلام کا بت بنا کر

یورپ اور امریکہ کے عوام اور دیگر اسلام دشمن قوموں کے سامنے پرستش کے لئے یورپ و امریکہ کا سوچا سمجھا منصوبہ ہے جب کہ یہ عنوان زمینی سچائیوں کی ضد کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دہشت گردی کے خلاف دہشت پھیلانے والی جنگ میں شریک تمام دنیا کی فوجیں، افغانستان میں طالبان کے حوصلہ کے آگے شرمسار دکھائی دیتی ہیں۔ ان فوجیوں کو افغانستان میں اپنی جارحیت حق بجانب ثابت کرنے کی ترتیب دی جاتی رہی ہے۔ لیکن معصوم بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کا بلاوجہ قتل ان فوجیوں کے ذہنوں پر منفی اثر ڈال رہا ہے اور وہ نفسیاتی طور پر اپنی ان بے مقصد کارروائیوں سے شدید طور پر ایک عجیب طرح کی کیفیت سے دوچار ہیں۔

امریکہ کا محکمہ دفاع پنٹاگن دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ایک کروڑ دس لاکھ فوجیوں کی ایک خاص قسم کی تربیت کے ذریعہ نفسیاتی تبدیلی کی کوششوں میں لگا ہوا ہے جس کا مقصد اس منفی رجحان کو بدل کر مثبت طرز فکر اپنانے اور جذباتی تناؤ دور کرنے کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ اس طرح ان کی انسانی ہمدردی کی فطری سوچ کو بدلنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

امریکی فوج کے ایک ماہر نفسیات کیپٹن پالیسٹر جو اس منصوبہ کا نگراں ہے، وہ کہتا ہے کہ انسانی تاریخ میں یہ سب سے بڑا نفسیاتی علاج ہوگا اس لئے کہ کوئی فوجی نہیں جانتا کہ یہ جنگ جو دہشت گردی کے نام پر دہشت پیدا کرنے کے لئے شروع کی گئی ہے، کب ختم ہوگی۔ اس نفسیاتی پروگرام کے تحت فوجیوں میں گفتگو کی شیرازہ بندی کرنا بات میں بات پیدا کرنا ضمیر کی آواز کو دبانے کا فن پروان چڑھانا، قوت برداشت کے ذریعہ ظلم و جبر پر ڈٹے رہنے کی عادت ڈالنا اور ہٹ دھرمی کے ذریعہ ناحق کو حق سمجھنے کی صفات کو پروان چڑھانا ہے۔ فوجیوں میں اپنی ظالمانہ حرکتوں پر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے رہنا اور اپنے منفی کردار پر ایک دوسرے کے لئے توصیفی و تعریفی رویہ پر قائم رکھنے کے لئے یہ نفسیاتی پروگرام چلایا جارہا ہے۔

امریکی آرمی چیف آف اسٹاف ''جارج کیسی'' کے بیان کے مطابق اس منصوبہ پر ایک سو سترہ ملین ڈالر کی رقم خرچ کی جارہی ہے۔

پنسلوانیا یونیورسٹی، شعبۂ نفسیات کے ڈائریکٹر (جس کو مثبت نفسیات کا نام دیا گیا ہے) ''مارٹن سیلگ مین'' فوجیوں کی نفسیات بدلنے کے لئے یا درست کرنے کے لئے دواؤں اور طفل تسلیوں کا سہارا لے رہے ہیں۔ چالیس ہزار نفسیات کے ماہر اور ڈاکٹر فوجیوں کے نظریات بدلنے کے لئے ان کی روحانی یا مزاجی درگت بنانے کے لئے متعین کئے جاچکے ہیں جن کو ''ڈرل سرجنٹ'' کا نام دیا گیا ہے۔

اس لئے کہ صیہونیت (اسرائیل) کے دماغ سے پیدا ہونے والی دہشت گرد جنگ کا بحران ختم ہونے کا نام نہیں لے رہا ہے جس کی انتہا فوجیوں کی خودکشی اور بغاوت ہے۔فوجیوں کی جبری بھرتی ان کو نفسیاتی طور پر خودکشی کی طرف مائل کرتی رہتی ہے اوران کی تنقیدی فکران کو بغاوت پر آمادہ کرتی ہے۔

مثبت سوچ کی نقاداور ماہر نفسیات ''باربراار ہنرچ'' کہتی ہیں، منفی سوچ کا صحت مندانہ متبادل تنقیدی سوچ ہے۔ماہر نفسیات اس طرح کی خودکشی کی وجوہات جاننے سے بھی قاصر ہیں جس میں خودکشی سے پہلے اپنے ساتھیوں پر قاتلانہ حملہ بھی شامل ہے۔یہ اجتماعی جرائم پر اجتماعی ملامت کی چیز ہے۔

''ڈے میکیو'' کا کہنا ہے کہ جنگ سے متعلق حقائق یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ جنگ دہشت گردی کے خلاف نہیں بلکہ دہشت گردی پھیلانے کا ایجنڈا ہے۔تمام شواہد یہی گواہی دے رہے ہیں کہ امریکہ اور برطانیہ نے دہشت گردی کے فروغ پر عالمی عدم استحکام پھیلانے میں مرکزی کردار ادا کیا ہے۔

''ڈے میکیو'' کے بیان کے مطابق عالمی رائے عامہ متفقہ طور پر امریکہ کو عالمی سلامتی کے لئے سب سے بڑا خطرہ جانتی ہے۔غرض یہ کہ دہشت گردی کے نام پر جنگ نے ساری دنیا کو دہشت زدہ کر کے رکھ دیا ہے۔

ایک طرف ملامت کے مارے فوجیوں کا ہجوم نفسیاتی دباؤ کی تاب نہیں لا پا رہا ہے، دوسری طرف ماہرین نفسیات اور دوا ساز کمپنیاں ایک سو ستتر ملین (۱۷۷) ڈالر ہڑپ کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے ہیں۔یہ روحانی اور نظریاتی بحران مادہ پرست سماج کا ایک عظیم المیہ ہے جسے دواؤں اور نفسیاتی عمل سے پر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے جس کا کوئی مثبت پہلو برآمد نہیں ہو پا رہا ہے۔

وہ یہودی فتنہ گروہ روح مزدک کا بروز
ہر قبا ہونے کو ہے اس کے جنوں سے تار تار

امریکی جرائم کی شہادت

امریکی صدر ہر سال کانگریس اور سینٹ کے مشترکہ اجلاس سے خطاب کرتا ہے۔اس خطاب کو ''اسٹیٹ آف دی یونین'' کہا جاتا ہے۔

امریکی صدر کے اس بیان کو غیر معمولی اہمیت دی جاتی ہے اس لئے کہ اس میں پورے حالات کا تجزیہ ہوتا ہے۔دنیا بھر اور امریکہ کے ذرائع ابلاغ اور تجزیہ نگار اس پر اپنی رائے دیتے ہیں۔

امریکی صدر بارک اوباما کا یہ خطاب نومبر 2010ء کے وسط مدتی چناؤ کے بعد سامنے آیا جب ان کی کامیابی کا نشہ اترنے لگا تھا۔ اس لئے کہ اس چناؤ میں ان کی پارٹی کو ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔

دنیا کی سب سے بڑی فوجی طاقت کی مالک امریکی قوم کے سردار بارک اوباما کے خطاب میں شکست کی جھلکیاں نمایاں رہیں جس میں انہوں نے ایک بار پھر تین باتوں کا اعلان کیا کہ افغانستان سے جولائی 2010ء میں سے امریکی فوجیوں کی واپسی شروع ہو جائے گی، مگر آنے والے دنوں میں شدید جنگ ہوگی اور وہ ہواؤں میں پلنے والی القاعدہ کو شکست دیں گے یعنی امریکیوں کے لئے روس کے بعد پیدا کئے گئے واہمہ یا ہوّا کو (القاعدہ کے نام سے جانے جانے والے سایہ کو)؟

امریکی صدر کی ایک گھنٹہ کی اس تقریر میں امریکہ کا اقتصادی بحران، افغانستان اور عراق کی جنگ، دنیا کے سیاسی حالات امریکہ کے مستقبل کا شاندار انداز میں ذکر اور ایک چھوٹی سی جماعت کے ہاتھ میں ایٹم دکھا کر اسے شکست دینے کا دعویٰ امریکی صدر کی ناکامی کا پس پردہ اعلان کے سوا کچھ اور نہیں ہے۔ (اسامہ کے پاس ایٹم بم)

عراق کی جنگ کے خاتمہ اور جولائی سے امریکی فوجوں کی واپسی شروع کرنے کا امریکی اعلان شکست اور پرفریب سیاست کی بازی گری سے زیادہ کچھ اور نہیں ہے۔

اب یہ حقیقت کھل کر سامنے آ چکی ہے کہ عراق اور افغانستان پر امریکہ کا حملہ ظلم و ناانصافی اور جھوٹ اور خوف کی حالت میں چھیڑی گئی تھی اور افغانستان کی جنگ کے لئے نائن الیون کا معاملہ خود امریکی سرکار کا تیار کیا ہوا تھا۔

اقوام متحدہ کے تفتیشی افسر برائے انسانی حقوق رچرڈ فاک نے اس جھوٹ پر پڑے پردہ کو اٹھاتے ہوئے کہا ہے کہ نائن الیون کا حادثہ امریکی حکومت کا اپنا تیار کیا ہوا تھا۔ حکام نے جان بوجھ کر اس کی پردہ پوشی کی۔ اس حادثہ کے بعد کے سرکاری بیانات تضاد کا شکار رہے ہیں جن کو ذرائع ابلاغ نے بھی جان بوجھ کر نظر انداز کر دیا۔ اور اس طرح حقیقت کو چھپانے کی بھرپور کوشش کی گئی۔

اقوام متحدہ کے ایک اہم عہدہ دار کے اس انکشاف کے بعد اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری جو امریکی پالیسیوں کے غلام ہیں، بوکھلا گئے اور اس کے جواب میں انہوں نے کہا کہ یہ بیان ٹریڈ سنٹر میں مرنے والے تین ہزار افراد کی توہین ہے مگر اقوام متحدہ کے جنرل سکریٹری نے امریکہ کی طرف سے اس کو بہانہ بنا کر افغانستان کے خلاف چھیڑی جانے والی جنگ کو مسلم دنیا کی توہین نہیں قرار دیا اور لاکھوں کا خون تین ہزار کے بدلہ بہائے جانے کو انصاف کی ترازو پر نہ تول کر خود اقوام عالم کے عوام کے ضمیر کو اپنے

پیروں تلے روند دیا۔

مگر آج تک نائن الیون کے حقیقی مجرموں کا تعین نہیں کیا جا سکا۔ اس کے ثبوت اور شواہد بھی پیش نہ کیے جا سکے۔

نیو یارک ٹریڈ سنٹر کے تین ہزار لوگوں کے بدلہ افغانستان اور پاکستان میں تیس لاکھ مسلمان خون میں نہلائے جا چکے ہیں۔ پاکستان نے اپنے امریکی آقاؤں کے کہنے سے اس جنگ کو اپنی جنگ کہہ کر اپنے تین ہزار فوجی افسران موت کے منہ میں ڈھکیل دیئے۔ اس کے علاوہ تیس ہزار پاکستانی لقمہ اجل بن چکے ہیں۔

ہمارا ملک ہندوستان بھی امدادی کاموں کے نام پر افغانستان میں ظالم امریکہ اور ان کے ناٹو حلیفوں کا مددگار ہے جو اس کی مسلم دشمن پالیسی کا حصہ ہے، ہندوستان میں فسادات کے نام پر دہشت گردی کے نام پر بنگلہ دیشی کے نام پر مسلمانوں کے خلاف جنگ جاری ہے۔

حالانکہ بنگلہ دیشی اور سونیا کا معاملہ غیر ملکی ہونے کے ناطے ایک جیسا ہے۔ بنگلہ دیش اندرا گاندھی کا تیسرا بیٹا ہے۔ آسام میں یا ملک کے کسی کونہ میں جو بھی بنگلہ دیشی ہے وہ ''اندرا پتر'' ہے۔ اندرا گاندھی، بھٹو اور مجیب الرحمان اس تباہی و بربادی، قتل و غارت گری اور مسلمانوں کی رسوائی کے ذمہ دار تھے۔ لہٰذا جو گولی بنگالی مسلمانوں پر چلی تھی قدرت کے خاموش ہاتھ نے اس گولی سے مختلف صورتوں میں ان تینوں کو ان کے محافظ نے ہی موت کے گھاٹ اتار دیا۔

افغانستان اور عراق میں کئی سو سال پہلے ہونے والی صلیبی جنگوں میں یورپ کے چالیس ملک امریکی قیادت میں مسلمانوں سے اپنی شکست کا بدلہ لے رہے ہیں۔

پاکستان کے انجام سے بے خبر ہو کر ہندوستان بھی افغانستان میں کود گیا ہے یہ سوچے بغیر کہ افغانستان میں ہونے والی جنگ امریکی مفادات کے تحفظ کی جنگ ہے اس زمین پر جس نے امریکہ کا سہارا لیا وہ مارا گیا۔

موجودہ ہندوستانی حکومت سے ہماری گزارش ہے کہ وہ خوب جان لے کہ اسرائیل کی چتورائی اور امریکہ کی ایٹمی توانائی ملک کے کام نہ آئے گی، کام آئے گی تو ہندوستانی مسلمانوں سے دوستی اور ان کا اعتماد۔ لہٰذا مسلم نوجوانوں پر ظلم و تشدد بند کر کے ان کو اپنا لو۔ یہی ملک کے حق میں بہتر ہوگا ورنہ:

ہم تو کیا تاریخ انسانی بتا سکتی نہیں
کھا چکی ہے کتنے قاہر تاجداروں کو زمیں

جس نائن الیون کی ذمہ داری امریکی حکومت پر ڈالی گئی ہے اس کو آزاد تفتیشی ایجنسیاں بہت دنوں سے کہتی رہی ہیں۔ اس نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ اقوام متحدہ انسانیت اور مسلمانوں کے خلاف امریکی جرائم میں برابر کی شریک رہے ہیں جس میں مغربی ذرائع ابلاغ برابر کے شریک رہے ہیں۔

امریکہ کی طرف سے واہموں کی بنیاد پر شروع کی جانے والی دہشت گردی کی جنگ نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ امریکہ اور اس کی اتحادی سرکاریں دہشت گردی کے ہر واقعہ کو پردہ میں رکھتی ہیں۔

پاکستان میں دہشت گردی کی واردات کا بنیادی مقصد صرف یہ ہے کہ ثابت کیا جا سکے کہ امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف جنگ حقیقت پر مبنی ہے۔ ہر واقعہ کے بعد بغیر کسی تفتیش کے خودکش حملہ کا اعلان کیا جاتا رہا ہے۔ ملیر میں ہونے والا بم دھماکہ اس کی جیتی جاگتی مثال ہے جہاں چھان بین اور تفتیش کے بغیر پوری کہانی بنا کر کھڑی کر دی گئی کہ خودکش بمبار موٹر سائیکل پر سوار تھا۔ راستہ بند ہونے کی وجہ سے اس نے موٹر سائیکل وین سے ٹکرا دی اس لئے اسے چہلم کے جلوس میں جانے کا راستہ نہ ملا۔ پولس نے ایک سر کو خودکش بمبار کا سر قرار دے دیا، لیکن بعد کو پتہ چلا کہ وہ سر تو ایک پولس اہلکار کا ہے۔ تو کہانی بدلی گئی اور کہا گیا کہ بم موٹر سائیکل پر لگا دیا گیا تھا جسے ریموٹ سے اڑا دیا گیا۔

پچھلے سال کراچی میں عاشورہ کے جلوس پر پھٹنے والے بم کو بھی خودکش حملہ قرار دیا گیا۔ لیکن بعد کو پتہ چلا کہ حملہ آور ایک اسکاؤٹ تھا۔

اس طرح کے سارے واقعات مشکوک بن چکے ہیں لیکن اصل بات یہ ہے کہ پاکستان میں اوپر سے لے کر نیچے تک حکومت سے لے کر افسر تک امریکی غلامی کا لبادہ اوڑھ چکے ہیں اور وہ قومی مفادات کو ترک کر کے امریکی مفادات کے تحفظ کے لئے کام کرتے رہے ہیں۔

ہمارے ملک کی حکمراں ٹولی کو سمجھ لینا چاہئے کہ امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف جنگ جھوٹ اور فریب کی بنیاد پر جاری ہے۔ ایسی پر فریب اور جھوٹ کی بنیاد پر لڑی جانے والی جنگ میں ہندوستان کی جمہوری حکومت کو کسی طرح کی مدد پہنچانا کثیر قومی ملک میں مسلمانوں کے خلاف تعصب کو ظاہر کرے گی اور مسلم عوام اس کو مسلم دشمن ہی قرار دیں گے۔

امریکہ، افغانستان میں یا پاکستان کی مدد کے باوجود شکست کے دہانے پر ہے جہاں امریکی اور یورپی سفاکی بربریت ظلم و تعصب پوری دنیا پر ظاہر ہو چکا ہے۔ امریکہ کے ہاتھ، پیر، کان اور آنکھ امریکی جرائم کی شہادت دے رہے ہیں۔ اقوام متحدہ کے ایک اہم اہلکار کا بیان جس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ لہٰذا

اس ثبوت کے بعد ہندوستان کو افغانستان میں امریکی اشارہ پر کیے جانے والے ہر طرح کے تعاون سے اپنا ہاتھ کھینچ لینا چاہئے۔

کھول آنکھ، زمین دیکھ فلک دیکھ

کیا تیونس کے بعد مصر کے حالات اور سعودی عرب میں احتجاج کے باوجود ہندوستان کے صاحبان اقتدار غور نہیں کریں گے؟

تیونس میں لمبی مدت سے آمریت کے ساتھ ہی غریبی، بے روزگاری، مہنگائی اور حاکموں کی طرف سے ان کی مشکلات و مسائل کو حل نہ کرنے کے نتیجہ میں زبردست عوامی مظاہروں نے تیونس کے حکمراں زین العابدین بن علی کی تیئس سالہ حکومت کا تختہ پلٹ دیا جہاں بدعنوانیاں تھیں، کرپشن تھا، مہنگائی، بے روزگاری، بدنظمی اور بدحالی اپنے عروج پر تھی۔ اسلامی ملک میں غیر اسلامی نظام کے ساتھ ظلم و ناانصافی جاری تھی۔ امریکہ کو اس حاکم نے اپنا سرپرست اور آقا جانا۔ وسائل سے مالا مال ملک کو لوٹا اور عوامی دکھ اور درد کی طرف دھیان نہ دیا تو عوام کرپشن، مہنگائی اور ناانصافی کے خلاف سڑکوں پر ابل پڑے تو زین العابدین ملک چھوڑ کر بھاگ گیا۔ اس کی بھی امریکہ، یورپ کی مسلم دشمن طاقتوں اور اسرائیل سے دوستی تھی لیکن امریکہ اور اس کے ہالی مہالی اس ظالم و جابر کے اقتدار کو بچا نہ سکے۔ ان طاقتوں کی حیثیت ایسی بیل جیسی ہوتی ہے جس کی اپنی جڑ نہیں ہوتی۔ یہ کسی درخت پر از خود پیدا ہو کر اس کا رس چوستی ہے اور اس درخت سے غذا حاصل کرتی ہے۔ امریکہ بھی دوسرے ملکوں کے حکمرانوں کے سہارے اپنے مفادات حاصل کرتا ہے اور جب عوامی بے چینی پیدا ہوتی ہے تو اپنے ساتھی کی مدد کے بغیر وہاں سے بھاگ لیتا ہے اور کسی نئے آنے والے کو اپنا شکار بناتا ہے مگر کوئی حاکم دوسرے کے انجام سے سبق نہیں لیتا اور پھر اس جال میں جا پھنستا ہے۔

اگر چہ ہندوستان میں جمہوریت قائم ہے، منتخب پارلیمنٹ بھی وزراء کی کونسل بھی ہے، حزب اختلاف کی جماعتیں بھی ہیں جن میں کمیونسٹ پارٹیاں امریکی خطرات سے اگر چہ آگاہ کرتی رہتی ہیں مگر یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سوویت یونین کے خاتمہ کے بعد وہ بھی در پردہ اسرائیل اور امریکہ سے رابطہ رکھتی ہیں اور اس کی مخالفت میں ایک حد کے آگے نہیں جاتیں۔ بہر حال شکوک وشبہات کے اس دور میں ہندوستان کو بہت پھونک پھونک کر قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔ تیونس کے بعد مصر پر انقلاب دستک دے رہا ہے۔ تیس سال کا حسنی مبارک کا دبدبہ خاک میں ملتا دکھائی دے رہا ہے۔ یہاں بھی اس کے

ساتھی ساتھ چھوڑتے نظر آرہے ہیں۔ یہ آمر بھی عربوں اور فلسطینیوں کی امنگوں کا خون کر کے امریکہ اور اسرائیل کے سہارے اقتدار پر قابض تھا مگر اب عذاب الٰہی کی طوفانی لہروں کا شکار ہے۔

غزہ کی ناکہ بندی کر کے فلسطینیوں کو خوراک ورسد پہنچانے میں حسنی مبارک بھی اسرائیل کے ساتھ شامل تھا۔ آج غزہ کے معصوم بچوں کی آہوں کا شکار ہو کر اس کا اقتدار شعلوں کی نذر دکھائی دے رہا ہے۔

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

حسنی مبارک کو اپنا اقتدار بچانے کے لئے امریکی تعاون و مدد کا یقین تھا لیکن امریکہ نے مصر میں شاید اپنا نیا حلیف فوجی انعام یافتہ محمد البرادائی کی شکل میں تلاش کر لیا ہے۔ ہوسکتا ہے یہ میرا واہمہ ہو مگر البرادائی کی پوری تاریخ شاید یہی بتاتی ہے کہ وہ بھی امریکی شطرنج کا ایک مہرہ ہی ثابت ہوگا۔ لہٰذا اسی کے پیش نظر امریکہ کی وزیر خارجہ ہلیری کلنٹن اور سینیٹر جان کیری نے یہ کہہ کر حسنی مبارک کی امیدوں پر پانی پھیر دیا کہ عوام کے احتجاج پر حسنی مبارک کو استعفیٰ دے دینا چاہئے۔

مصر کے حکمرانوں کی عوام دشمنی اور اسلام دشمنی کی لمبی تاریخ ہے، جمال عبدالناصر، انور سادات اور حسنی مبارک اس کا مثلث رہے ہیں۔

اب واشنگٹن، لندن اور تل ابیب میں یہ خطرہ محسوس کیا جا رہا ہے کہ اگر حسنی مبارک اپنا اقتدار بچانے میں ناکام ہو گئے تو پورے مشرق وسطیٰ پر اس کے اثرات پڑیں گے۔ سب سے بڑی چوٹ اسرائیل پر پڑے گی اور وہ اپنے وفادار دوست سے محروم ہو جائے گا۔ اس کے بعد امریکہ کا نمبر ہے جو ہر سال ۱۹۷۵ء سے مصر کو تیس کروڑ ڈالر کی فوجی امداد دیتا رہا ہے اور اسی کے ساتھ ہر سال آٹھ سو پندرہ ملین ڈالر کی دوسری مدوں میں امداد فراہم کرتا رہا ہے۔ حسنی کے بعد مشرق وسطیٰ میں امریکہ کا سب سے بڑا مہرہ اس کے ہاتھ نکلنے والا تیونس اور مصر کے بعد اردن اور یمن بھی نمبر میں ہیں۔ اس طرح پورا مشرق وسطیٰ امریکی ظالموں کے مہروں کے خلاف آگ اگل رہا ہے۔ پاکستان بھی کسی بڑے انقلاب کے دہانے پر کھڑا ہے۔ لہٰذا ہندوستان کو اپنی خبر لینے کی ضرورت ہے۔ اس لئے کہ ـــ

فٹ پاتھ، کارخانے، ملیں، کھیت، بھٹیاں
گرتے ہوئے درخت سلگتے ہوئے مکاں

بجھتے ہوئے یقین، بھڑکتے ہوئے گماں
ان سب سے اٹھ رہا ہے بغاوت کا پھر دھواں
شعلوں کے پیکروں سے لپٹنے کی دیر ہے
آتش فشاں پہاڑ کے پھٹنے کی دیر ہے

پاکستان میں تیونس جیسے حالات پیدا ہونے کی دھمکی

پاکستان کے ایک روزنامہ نے لاہور میں تین پاکستانیوں کے قاتل امریکی قونصل خانہ کے ایک اہلکار ریمونڈ ڈیوس کی طرف سے دو پاکستانیوں پر فائرنگ کر کے انہیں ہلاک کرنے کے بعد فرار ہونے کی کوشش میں ایک تیسرے موٹر سائیکل سوار عبدالرحمان کو کچل کر مار ڈالا۔ یہ واقعہ لاہور کی قرطبہ چوک میں پیش آیا۔ اخبار کا کہنا ہے اب ان دونوں مقتولین فہیم اور فیضان کو ڈکیت ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے اور پولس امریکی سفارت کار کو بچانے کے لئے کوشش کر رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ پولس تو اپنے آقاؤں کے اشارے کی پابند ہوتی ہے۔

پنجاب سے جہاں حکومت نواز شریف کی پارٹی کی ہے اس کے وزیر قانون رانا ثناء اللہ نے کچھ دلیری سے کام لیتے ہوئے کہا ہے کہ امریکی بلیک واٹرز کانٹ ورک پاکستان میں کام کرتا رہا ہے جس کی اطلاع وہ کئی بار مرکزی حکومت کو دے چکے ہیں۔ لیکن مرکزی وزیر قانون یا وزیر داخلہ اس سے انکار کرتے رہے ہیں اور انہوں نے برملا کہا ہے کہ پاکستان میں بلیک واٹر کا سرے سے کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

پاکستان کی بیشتر جماعتوں کا کہنا ہے کہ امریکی دہشت گردی ہمارے شہروں تک پھیلتی جارہی ہے۔ امریکی قاتل کا پاکستان ہی میں ٹرائل کیا جائے یہ مطالبہ زور پکڑ رہا ہے۔

اخبار سوال کرتا ہے کہ امریکی قونصل خانہ کا اہلکار تن تنہا لاہور کی سڑکوں پر کیوں گھوم رہا تھا جب کہ پاکستان امریکی شہریوں کے لئے ایک خطرناک ملک سمجھا جاتا ہے۔

وائرلیس سیٹ اور بھرا ہوا ریوالور لے کر چلنے کا مقصد کیا تھا۔ نو جوانوں کو جس طرح گولیاں لگی ہیں اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ریمونڈ ایک مشاق نشانچی ہے۔ اس لئے کہ اس کی ایک گولی بھی ضائع نہیں ہوئی۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ وہ اعلیٰ درجہ کا تربیت یافتہ ہے۔ یہ صلاحیت یا تو کسی فوجی میں ہوتی ہے یا

پیشہ ور قاتو تل میں۔

ریمونڈ نے الزام لگایا کہ جن نوجوانوں کو اس نے نشانہ بنایا وہ ڈاکو تھے جب کہ واقعاتی شہادتیں اس کے خلاف ہیں۔ جب حملہ آور ریمونڈ کے ذرا سی خراش بھی نہ آئی تو اس نے ان نوجوانوں کے پیچھے سے گولیاں کیوں ماریں۔

اس قتل کے بعد جس بے دردی سے گاڑی بھگانے میں ایک اور پاکستانی کو کچل کر مار ڈالا اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امریکیوں کی نظر میں پاکستانی شہریوں کی جان و مال کی کوئی قیمت نہیں ہے۔

اخبار روز نامہ اوصاف نے آگاہی دی کہ اگر امریکی سفارت کار کی اس غیر قانونی حرکت کے خلاف نرمی برتی گئی تو عوامی اشتعال پیدا ہو سکتا ہے۔ اگر حکومت نے امریکہ کے دباؤ میں قانون سے ہٹ کر مجرم کو چھوڑ دیا، امریکہ کے حوالہ کیا یا تحقیقات کو غلط رخ دینے کی کوشش کی تو سرکار کو تیونس جیسے حالات کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ روز نامہ اوصاف کی اس آگاہی کی روشنائی ابھی خشک بھی نہ ہونے پائی تھی کہ لیبیا انقلاب زندہ باد کی لپیٹ میں آ گیا۔ آخر عالم اسلام میں یہ طوفان کیوں ابل پڑا ہے؟ اس کا سیدھا سا جواب یہ ہے کہ تیونیشیا، مصر، بحرین، لیبیا، یمن، جبوتی اور کویت تک ظلم و جبر کے خلاف طوفانِ بلا خیز ابل رہا ہے۔

یہ دراصل اللہ کا عذاب ہے اور نافرمانی کا عتاب جو عوامی ہیجان کی شکل میں پھوٹ پڑا ہے۔ اس وقت عالم اسلام دوطرفہ عذاب میں گرفتار ہے۔ نمبر ایک سود اور دوسرے کفار و صیہونیت سے معاونت اور ان کی مدد۔

قرآن حکیم نے سود و کفار کی پشت پناہی کی سب سے زیادہ مذمت کی ہے۔ آج یہ سمجھا جانے لگا ہے کہ موجودہ معاشیات اور اقتصادی نظام سود کے بغیر نہیں چل سکتا، گویا وہ موجودہ معاشی نظام کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔ لیکن اقتصادی علوم کے غیر مسلم ماہرین تک کا یہ خیال ہے کہ سود موجودہ معاشی نظام کی ریڑھ کی ہڈی نہیں بلکہ ایک کیڑا ہے جو معاشی نظام کی ریڑھ کی ہڈی کو کھا رہا ہے۔ جب تک اسے نکالا نہ جائے گا دنیا کا معاشی نظام صحیح ڈگر پر نہ آئے گا اور یہی خوف اہل مغرب و امریکہ کے ہوش و حواس گم کئے ہوئے ہے کہ اسلام کے اس چیلنج کا مقابلہ کیسے کیا جائے۔

عصر حاضر کے تقاضوں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرع پیغمبر کہیں

آخرکار شیر کو مار گرایا

پہلے راجہ مہاراجہ شیر کا شکار کرتے تو اپنے کارنامہ کو ظاہر کرنے کے لئے اس کی کھال میں بھوسا بھر کر اور مسالہ لگا کر اپنے ڈرائنگ روم میں لگایا کرتے تھے مگر اُباما کو مردہ شیر سے زیادہ خوف تھا اس لئے دریا برد کر دیا۔

مگر ایبٹ آباد میں امریکہ بحریہ کے خصوصی دستہ ڈیوگردہ کا حملہ ایک خفیہ آپریشن تھا۔ جہاں یکم مئی ۲۰۱۱ء کو اسامہ بنلادن کو ہلاک کرنے کے لیے نیپ جون اسپیر کے نام سے ایبٹ آباد میں حملہ کے لیے دو بلیک ہاک ایم.ایچ.۶۰ ہیلی کاپٹر جلال آباد کے ہوائی اڈے سے روانہ ہوکر شہر کے کچھار تک جا پہنچے۔ جس میں نیوی سیلز کے تئیس کمانڈوز تھے۔

اسامہ کے معنی ہیں ''شیر''۔

یہ پاکستانی سرحد پار کے پاکستان کے ایک سو بیس میل اندر تک چلے گئے اور پاکستان کا دفاعی نظام ان ہیلی کاپٹروں کو چیک نہ کر سکا۔ نہ ہی کوئی آنکھ انہیں دیکھ پائی۔ ایبٹ آباد پاکستان کا بہت بڑا جنگی ٹریننگ سنٹر اور خوبصورت مگر خاموش شہر ہے۔

امریکی جریدے ''نیویارک'' نے انکشاف کیا کہ ایبٹ آباد آپریشن کے دوران وہائٹ ہاؤس کا ایک طرف سی.آئی.اے کے ہیڈکوارٹرس میں پنٹاگن کے ساتھ، دوسری طرف افغانستان میں نیوی سیلز کے ساتھ ویڈیو رابطہ موجود تھا۔ اس کے علاوہ پنٹاگن اور اسلام آباد میں امریکی سفارت خانہ میں قائم آپریشن سنٹر کے ساتھ بھی براہِ راست رابطہ قائم تھا۔

ایبٹ آباد پر پندرہ ہزار فٹ کی بلندی پر ڈرون طیارہ اس آپریشن کی ویڈیو براہِ راست وہائٹ ہاؤس میں بھیج رہا تھا۔

سی.آئی.اے. نے اسامہ کی حویلی کا ایبٹ آباد میں کیسے پتہ لگایا اس کے بارے میں ''نیویارکر'' کی

رپورٹ میں بڑی تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔

رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ اگست ۲۰۱۰ء میں سی.آئی.اے کے سربراہ پنٹاگن نے وہائٹ ہاؤس کو اطلاع دی کہ سی.آئی.اے. نے اسامہ بن لادن کے قاصد احمد الکویتی کا پتہ لگا لیا ہے۔ جو سفید ایس.یو.وی. چلاتا ہے اوراس کی اسٹپنی کور پرسفید گینڈے کی تصویر بنی ہوئی ہے۔ پنٹاگن کوایک دن یہ گاڑی سٹیلائٹ کی تصاویر میں ایبٹ آباد کےایک احاطہ میں جاتی دکھائی دی،جس کے بعداس احاطہ کی فضائی نگرانی کی گئی۔ یہ تین منزلہ مکان جس میں چندعمارتیں اورتھیں،فضائی نگرانی سے پتہ چلا کہ اس میں کوئی ٹیلی ویژن نہیں ہےاور نہ انٹرنیٹ کنکشن ہے۔نگرانی کے دوران پتہ چلا کہ کویتی اوراس کا بھائی تو باہرآ جاتا ہےمگرتیسراشخص کبھی باہرنہیں آتا۔تجزیہ کاروں کی رائے میں یہ تیسراشخص ''اسامہ'' تھا۔

اس کے بعداباما نے اپنے قومی سلامتی مشیروں سے مارچ میں مشورہ کیا جہاں مختلف کارروائیوں کےامکانات پرغورکیا گیا، پاکستانی فوج کے ساتھ تعاون پربھی غورہوا،لیکن اباما نے اسے مسترد کردیا۔ اس لئے کہ اس کا خیال تھا کہ کوئی بھروسہ نہیں پاکستان اسےخفیہ رکھےگا۔

آخرحملہ کی منصوبہ بندی کاحکم ایڈمرل میک ریون کودیا گیا۔ جہاں ڈھائی ہفتہ تک ایبٹ آباد کے احاطہ میں داخل ہونے کی مختلف تدابیر پرغور کیا گیا۔آخراحاطہ میں ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ اُترنے کو آخری شکل دےدی گئی۔

عین وقت پر پاکستان کی طرف سے مزاحمت کی شکل میں غلام زادہ صدر نے دو چی نوکس ہیلی کاپٹروں کوپاک افغان سرحد پرتیاررہنے کاحکم دیا۔

دوبلیک ہاک ہیلی کاپٹروں میں سےایک کوجس میں بارہ سی سیلز کمانڈوسوار تھے۔دوسراپرواز کرتے ہوئےان کی نگرانی کرتا،لیکن وہ خفی خرابی کی وجہ سے نیچےگرگیاتو سرحد پرتعینات چی نوک کومدد کے لیے طلب کرلیا گیا۔

حیرت کی بات یہ ہے کہ دودھماکوں کے باوجودفوجی اکاڈمی ایبٹ آبادسوتی رہی۔حملہ کو پندرہ منٹ گزرچکے تھے،مگرفوج اور پولیس خاموش۔جبکہ پڑوسیوں نے دھماکہ کا شورسناتو وہ گھروں سے نکل بھی آئے،مگرپہرہ پرمترجم نے پشتو میں ان سے کہا سیکورٹی آپریشن ہورہا ہے،آپ اپنے گھروں میں واپس چلےجائیں۔

اس بیچ تین کمانڈوزاس مہمان خانہ کی طرف بڑھے جہاں کویتی اپنی بیوی اور چار بچوں کے ساتھ رہتا تھا۔

پھر کمانڈوز نے اس پر گولی چلادی، اس بیچ کویتی کا بھائی ابرار اے. کے. ۴۷ لیے دکھا، کمانڈوز نے فوراً ہی اس کے سینہ میں گولی مار کر چھلنی کر دیا۔ اس کی بیوی جو نہتی تھی اس کے بھی گولی مار دی۔

کمانڈوز نے جب ایک آہنی گیٹ دھما کہ سے اُڑا دیا اور تیسری منزل میں داخل ہوئے تو انہوں نے اسامہ کے تیئس سالہ بیٹے خالد کو اپنی گولیوں کا نشانہ بنایا۔

اب کمانڈوز اسامہ کے بیڈ روم کی طرف بڑھے، جیسے ہی کمانڈوز نے دروازہ کھولا تو اسامہ کی دو بیویوں نے راستہ روکا۔ اسامہ کی تیسری بیوی جس کو یہ لوگ پانچویں لکھتے ہیں، چلا رہی تھی اور جب وہ آگے بڑھی تو کمانڈوز نے اس کے پیر میں گولی مار کر اُس کو زخمی کر دیا۔

دو کمانڈو کمرہ میں داخل ہوئے اور اسامہ کو لیزر گن سے نشانہ بنایا جو سینے کے پار ہوگئی۔ وہ شلوار قمیض پہنے تھے، سر پر نماز کی ٹوپی تھی۔ وہ نہتھے تھے، دیکھتے ہی انھیں گولی مارنے کا حکم دیا۔ شیر زمین پر گر گیا۔ جیسے ہی وہ گرے دوسرا راؤنڈ ان کے سر پر بائیں جانب آنکھ کے اوپر مارا اور اپنے وائرلیس پہ اعلان کیا کہ دشمن ایکشن میں مارا گیا۔

اس طرح سات سال، سات مہینوں اور بیس روز کی تلاش کے بعد یورپ، امریکہ اور صلیبی اتحاد کو لرزہ براندام کرنے والی دہاڑ ہمیشہ کے لیے خاموش ہوگئی۔

بہر حال پینتالیس منٹ کی اس یورش کے باوجود پاکستانی فوج بے خبر رہی۔ یہ خبر دنیا کے لیے ایک معمہ سے کم نہیں ہے۔ ہیلی کاپٹروں کے ہنگامہ اور دھماکوں کے باوجود پاکستان پولیس و فوج غفلت کی نیند سوتی رہی۔ خود پاکستان کی دفاعی صلاحیت پر سوالیہ نشان ہے یا امریکہ اور پاکستان کی ملی بھگت؟

شیر کی موت کے بارے میں یہ سارے راز اسامہ کے جسد خاکی کی طرح برباد نہ ہوں گے اور اس کی سزا جلد ہی امریکہ اور اس کے غلام زادہ صدر کو مل کر رہے گی۔

کیا مردِ شہید کی روح اپنا کام کر رہی ہے۔ افغانستان کے علاقہ وردک میں طالبان نے نیٹو کے چینوک ہیلی کاپٹر کو مار گرایا۔ جس میں اکتیس امریکی فوجی ہلاک ہوگئے۔ مرنے والوں میں اسامہ کے قاتل نیوی سیلز کے کمانڈوز بھی تھے۔

اسے اسامہ کی روح کا اپنے قاتلوں کا تعاقب کہیں یا بے گناہ خون کا ''انتقامِ قدرت'' کا نام دیں۔

مارے جانے والوں میں بیس اسامہ کے نیوی سیلز کے قاتل تھے۔ مگر اوباما نے پھر ڈینگ ماری کہ ہم افغانستان میں دہشت گردی کو شکست دیں گے اور امریکہ افغانستان میں اپنی مہم پوری شدت سے جاری رکھے گا۔

جنگ کے خاتمہ کی شرط تو اسامہ تھے۔اب اسامہ کے بعد اس دہشت کا کیا جواز ہے امریکہ کے پاس؟

پاکستانی حکمراں اوپر سے نیچے اندر سے امریکہ کی گرتی ہوئی اقتصادی حالت کے باوجود ڈالروں کی امید میں پاکستان کی زمین پر بم باری پر کوئی روک لگانے سے قاصر ہیں۔لیکن کسی کی نحوست وقت کے فرمان کو بدل نہیں سکتی۔امریکی تباہی کا فرمان آسمانوں سے جاری ہو چکا ہے۔

افغانستان کی زمیں پر ایک قبر کی جگہ خالی ہے روس اور برطانیہ کی قبروں کے بغل میں۔اس خالی قبر پر جلد ہی امریکی پرچم لہرا دیا جائے گا اور اس میں امریکی رعونت دفن کر دی جائے گی۔ایبٹ آباد آپریشن کے قاتلوں کی رسوا کن ہلاکت نے یہ ثابت کر دیا کہ اللہ زبرست و غالب طاقت کا مالک ہے۔

ان لوگوں کے لیے بھی یہ تازیانۂ عبرت ہے جو مسلمانوں کو مشورہ دیتے رہتے ہیں کہ امریکہ جیسی سپر پاور سے جنگ بے وقوفی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔حالانکہ سب سے بڑی حماقت اور بے وقوفی ظالموں اور جابروں کا آلۂ کار بن جانا ہے۔

طالبان کا چینیوک کو مار گرانے نے ثابت کر دیا کہ ــــ

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ

کتاب تمام شد مگر داستان باقی ہے...

مآخذ:

پاکستان کے اخبارات—

خبریں، جنگ، جسارت، اوصاف، امت، روزنامہ ایکسپریس لاہور، نوائے اسلام، روزنامہ پاکستان، روزنامہ آج کل پاکستان۔

کتابیں—

افغانستان کی سفارتی تاریخ
برطانوی مظالم کی کہانی
ضیاء الحق کا مارشل لاء
پاکستان اور پرویز مشرف
فتح افغانستان
تاریخ افغانستان معہ عروس کابل
زوال امان اللہ خان انقلاب افغانستان
سوویت اقتدار اور اسلام
افغانستان اور وسطی ایشیا
جہاد افغانستان میں سات دن
سامراج اور پاکستان
تزک عبدالرحمان خان
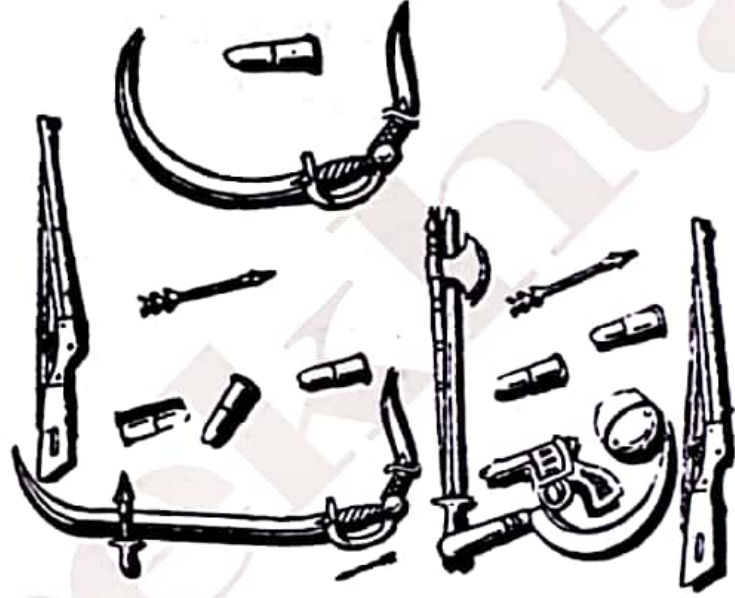
روسی دہشت گردی سے امریکی دہشت گردی تک

(تاریخ کے اہم اوراق)

Bachae saqao.

The Bachcha and his brother

آزاد پٹھان قبائل

An Afghan Soldier.

An Afghan Lancer.

ایک آزاد پٹھان قبائلی لباس میں

معصومہ اینڈ کمپنی کی مطبوعات

1590، رودگران، لال کنواں، دہلی۔٦، فون:09711534371

کتاب	مصنف	قیمت
تذکرہ	علامہ عنایت اللہ خان المشرقی	350/-
حدیث القرآن	علامہ عنایت اللہ خان المشرقی	150/-
مولوی کا غلط مذہب	علامہ عنایت اللہ خان المشرقی	200/-
اشارات (اردو/ہندی)	علامہ عنایت اللہ خان المشرقی	125/-
قولِ فیصل	علامہ عنایت اللہ خان المشرقی	100/-
رسولِ صادقؑ	علامہ عنایت اللہ خان المشرقی	100/-
اسلام کی عسکری زندگی (اردو/ہندی)	علامہ عنایت اللہ خان المشرقی	20/-
انسانی مسئلہ	علامہ عنایت اللہ خان المشرقی	50/-
مقالات (دو جلدیں)	علامہ عنایت اللہ خان المشرقی	600/-
حقائق	علامہ عنایت اللہ خان المشرقی	50/-
خریطہ	علامہ عنایت اللہ خان المشرقی	50/-
Qura'n and Evolution	Allama Al-Mashriqi	100/-
God Man and Universe	Allama Al-Mashriqi	100/-
The Man's Destiny	Allama Al-Mashriqi	200/-
Basic Duas for School Children		80/-
علامہ برہان الدین مرغینانی (صاحب ہدایہ)	مولانا عبیداللہ کوٹی ندوی	50/-
ہندوستان کی تعمیر وترقی	مولانا عبیداللہ کوٹی ندوی	40/-
ہادیٔ نوع بشر صلی اللہ علیہ وسلم	پروفیسر خان عاطف خان	60/-
سیاست میں رذالت: بابری مسجد کی شہادت	پروفیسر خان عاطف خان	200/-
اردو شاعری میں افغانوں کی گل کاریاں	پروفیسر خان عاطف خان	600/-
افغانستان ــــ روسی دہشت گردی سے امریکی دہشت گردی تک	پروفیسر خان عاطف خان	280/-
خلفاء راشدین رضی اللہ عنہا	پروفیسر خان عاطف خان	80/-
الصلوٰۃ ــــ کیوں اور کیسی؟	بشیر احمد	60/-
بندر کی کہانی	اشرف سیوہاروی	40/-